

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ط

خبردار! اللہ کے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین صرف ایک ہے

یعنی

# خالص اسلام

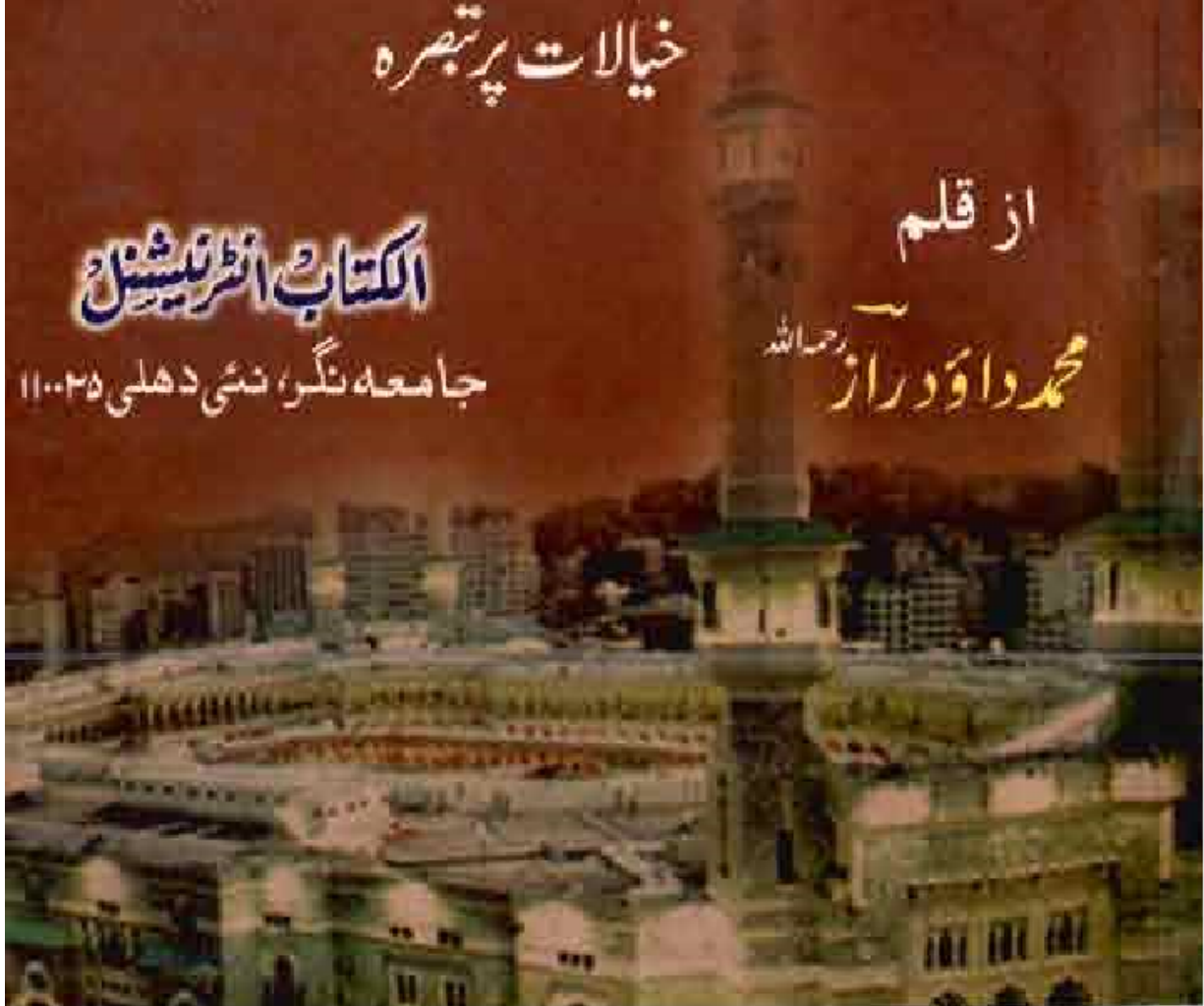
منکرین حدیث خصوصاً ڈاکٹر غلام جیلانی برق مولف ”دوا سلام“ کے حدیث  
خیالات پر تبصرہ

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

از قلم

محمد داؤد راز  
رحمہ اللہ



اَللّٰهُ الدِّیْنُ الْخَالِصُ  
 خبردار! اللہ کے ہاں پسندیدہ اور مقبول دین صرف ایک ہے

یعنی

# خالص اسلام

مکرمین حدیث خصوصاً ڈاکٹر غلام جیلانی برق مولف ”دو اسلام“ کے حدیث دشمن  
 خیالات پر تبصرہ

از قلم

محمد داؤد راز

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

مرادی روڈ بلکہ ہاؤس جامعہ کمری دہلی - ۲۵

## جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

کتاب	خالص اسلام
مصنف	محمد داؤد راز
ناشر	الکتاب انٹرنیشنل
	جامعہ نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵
سنہ طباعت	۲۰۰۶ء
تعداد	۱۰۰۰
قیمت	۱۲۵/-

﴿ملنے کے پتے﴾

- ۱۔ مکتبہ ترجمان 4116 ازاد بازار دہلی
- ۲۔ دارالکتب السلفیہ ٹی اے محل دہلی۔ ۶
- ۳۔ مکتبہ نعیمیہ صدر بازار مونا تھ بھجن پو۔ پی
- ۴۔ دارالمعارف محمد علی روڈ ممبئی
- ۵۔ مکتبہ مسلم بربر شاہ سرینگر
- ۶۔ حکیم صدیق میموریل ٹرسٹ جوڈھپور راجستھان

## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۶۱	ایک اور	۸	دیباچہ
۶۲	دشمنانِ حدیث کے چہروں پر شبلی	۱۳	حرفِ اول
	مرحوم کا ایک اور طمانچہ۔	۲۴	پہلا باب
۶۳	مزید تشریح	۲۷	حدیث میں تحریف
۶۵	مرویات فاروقی کے بارے میں	۲۹	اپنی احادیث کو آپؐ نے خود لکھوایا
۶۷	دشمنانِ حدیث کے لئے حضرت عمرؓ کا	۳۵	ایک پاکیزہ بحث
	الٹی میٹم۔	۴۰	سیدنا ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں
۶۹	احتیاط کا پہلو	۴۱	صدیق اکبرؓ پر بہتانِ عظیم
۷۴	دیگر مستند تاریخی شہادات	۴۲	دیباچہ داری کا نمونہ
۷۹	ایک اور برقی گپ	۴۳	صحیح مستند احادیث اور حضرت صدیق
۸۲	اصحابِ رسولؐ پر برقی تبصرہ	۴۵	ایک اور روشن کارنامہ
۸۳	برق کا علم الرجال	۴۷	مرویات سیدنا صدیق اکبرؓ
۸۴	دماغِ فیل ہے	۴۸	سیدنا عمر بن خطابؓ کے بارے میں
۸۵	اور زطلیات	۴۹	اصل معاملہ
۸۶	تذکرۃ الحفاظ میرے سامنے پڑا ہے	۵۳	ایک اور غلط فہمی کا ازالہ
۸۸	ایک اور گپ	۵۵	ایک اور بد تمیزی
۹۱	حضرت علیؓ پر بہتان	۵۷	یہ تو تھا اصل معاملہ
۹۲	حدیث کی ایک کتاب الخ		برق اور علامہ شبلی مرحوم
۹۴	مکمل حدیث کے لئے حیدری	۵۹	مکمل حدیث کے منہ پر شبلی مرحوم
	تازیانہ۔		کا دوسرا طمانچہ۔



صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۱۲۶	اللہ پر تنقید	۹۴	چند اور بزرگان اسلام پر الزامات
۱۲۷	رسول پر تنقید	۹۸	باب دوم
۱۲۸	انجی حضرت ذرا انصاف کی اٹخ	//	تدوین حدیث
۱۳۰	بہتر تاویل کی جاوے گی	۹۹	حدیث کی تکذیب
۱۳۲	ان سب کا جواب	۱۰۰	ایک غلط بیانی
//	اقوال صحابہ کے بارے میں	//	مکر جھوٹ
۱۳۳	چند روایات کے بارے میں	۱۰۱	ترمذی شریف کے بارے میں.....
۱۴۰	پانچواں باب	۱۰۲	حضرت انسؓ کی شان میں گستاخیاں
//	حدیث پر ایک مکالمہ	۱۰۳	مالک بن دحشم کے بارے میں
۱۵۴	چھٹا باب	۱۰۴	جلن کیوں ہوئی؟
//	تحریف حدیث کے اسباب	۱۰۵	حضرت انسؓ پر ایک اور اتہام
۱۶۰	مصنف دوا اسلام نے	۱۰۶	خطرہ ہے؟
//	ایک نمونہ	۱۰۷	آدم برسر مطلب
//	بخاری شریف میں تحریف	۱۱۰	اعتراف حق
۱۶۱	یہ بے احتیاطی	//	حق سے پھر انحراف
//	ایک اور منہ زوری	۱۱۱	وضائین و کڈائین کا معاملہ
۱۶۲	ایک اور خطرناک جھوٹ	۱۱۲	ساتھ ہی پوری طاقت
۱۶۳	اصل مضمون کیا ہے؟	۱۱۶	تیسرا باب
۱۶۴	عبداللہ بن عمرؓ پر افتراء	//	چند راوی و صحابہ
۱۶۶	ایک اعتراض	۱۱۸	موضوعات کے بارے میں
//	برقی نماز	۱۲۶	چوتھا باب
۱۶۷	بے حیائی تیرا آسرا	//	کچھ ائمہ حدیث اور معتبراویوں کے متعلق

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۱۹	پہلا جھوٹ	۱۶۸	برقی مذہب میں زکوٰۃ
۲۲۰	دوسرا تیسرا چوتھا جھوٹ	۱۶۹	زکوٰۃ کا برقی نصاب
۲۲۳	فوائد باب	۱۷۰	آیت ہذا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟
۱۷۱	حضور کی تصویر حدیث میں	۱۷۱	اقوال رسول کی تعداد
۲۲۸	مباشرت کے معنی	۱۷۳	قرآنی اسلام
۲۲۹	کھلا ہوا جھوٹ	۱۷۵	ہزار دفعہ لعنت
۲۳۱	بدحواسی	۱۷۷	شاباس ضد شاباش
۲۳۲	مباشرت درجیض	۱۷۸	واجبہ کی درمدح ملا برقی کی گوید
۲۳۷	دیانتداری کا نمونہ	۱۷۹	ساتواں باب
۱۸۱	کردار رسول پر برق کی ایک اور	۱۸۱	موطاء پر ایک نظر
۲۴۰	چوٹ	۱۸۱	سفید جھوٹ
۲۴۰	حضرت صفیہ کا نکاح	۱۸۵	لیلۃ القدر کی تلاش
۲۴۲	سیرت رسول پر برق کی ایک اور	۱۸۷	قرآن میں رد و بدل
۱۹۱	چوٹ	۱۹۱	ایک اور تحریف
۲۴۲	حرمت متعہ	۱۹۵	آٹھواں باب
۲۴۷	دسواں باب	۱۹۵	صحیح بخاری پر ایک نظر
۲۴۷	حدیث میں نماز کی صورت	۲۰۲	آوازہ خلق کو نفاذ خدا کہتے ہیں۔
۲۴۸	نماز کیسے فرض ہوئی؟	۲۰۲	کیا حدیث کی حیثیت محض تاریخ کی
۲۴۸	واقعہ معراج	۲۰۲	ہے؟
۲۵۲	وضو	۲۰۷	ایک پیشین گوئی
۲۵۵	ہر نماز کے لئے نیا وضو	۲۰۹	حدیثی پیشگوئیاں واقعات کی روشنی میں
۲۵۶	دیانتداری کا ایک مزید نمونہ	۲۱۳	تاریخی غلط بیانیوں

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۲۷۲	ایک اور کھلا ہوا سفید جھوٹ	۲۵۷	لہو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔
۲۷۳	قرآن پاک پر کھلا ہوا افتراء	//	ترجمہ غلط کیا ہے
//	جھوٹ کی حد ہو گئی	۲۵۸	ایک اہم سوال
//	چیلنج	۲۵۹	کیا غسل سے بچے ہوئے پانی سے
۲۷۵	دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا		وضو جائز ہے؟
//	برق کی اور چوری	۲۶۰	کیا آگ کی پکی ہوئی چیز سے
۲۷۶	مزید برقی ہفوات پر مختصر تبصرہ		وضو ٹوٹ جاتا ہے؟
۲۷۸	برقی نماز	۲۶۱	وضو کی ترکیب
۲۸۰	گیارہواں باب	//	تعداد اور رکعات
//	بہترین عمل	۲۶۲	صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رد و بدل
۲۹۰	بارہواں باب	۲۶۳	پوری تفصیل
//	اللہ کی عادت	۲۶۴	تکبیر اقامت
۳۰۱	تیسرے ہواں باب	//	نماز میں صرف سورہ فاتحہ کافی ہے
//	لفظ مغفرت کی تحقیق	۲۶۵	دعاے قنوت کا وقت
۳۰۹	چودھواں باب	۲۶۶	کیا کلمات ثناء و تقدیس ضروری ہے؟
//	شفاعت	۲۶۷	نماز میں مختلف اعمال کی اجازت
۳۱۳	پندرہواں باب	۲۶۸	کیا نماز کے سامنے سے گزرنا ممنوع
//	قرآن سے متبادم احادیث		ہے۔
۳۱۹	سولہواں باب	۲۶۹	ایک اور جھوٹ
//	غلامی اور اسلام	۲۷۰	رفع یدین
۳۲۲	سترہواں باب	۲۷۱	اجتماع صلاتین
//	تقدیر	//	ترجمہ میں مبالغہ آمیزی

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات
۳۵۵	شیطان کا طویل وعرض	۳۲۹	اتھارواں باب
۳۵۷	ترجمہ غلط کیا ہے	//	متضاد احادیث
//	لفظ بین کی تحقیق	۳۳۰	ترجمہ غلط کیا ہے
۳۵۸	ایک سوال	//	صحیح ترجمہ
//	حدیث کا علم الجبر، افیہ	۳۳۷	درخت کا ثنا
۳۵۹	حدیث کا علم الطب	۳۳۹	آگ سے عذاب دینا
۳۶۱	حدیث کا علم التولید	//	آٹھ لیرے بدوؤں کی شرارت
۳۶۳	یہ دعا قرآن سے ماخوذ ہے	۳۴۱	کیا گھوڑا منحوس ہے؟
۳۶۴	حدیث کا علم الاصوات	۳۴۲	نماز میں بھولنے کی وجہ
۳۶۵	حدیث کا علم الآداب	۳۴۵	تغظیم قبلہ
۳۶۶	حدیث کا علم الزلازل	۳۴۶	کیا احرام میں شکار کا گوشت جائز
۳۶۷	حدیث کا علم النہ	//	ہے؟
۳۶۸	حدیث کا علم النباتات	۳۴۸	کیا احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے؟
۳۷۰	حدیث کا علم الحقائق	۳۴۹	کیا رسولؐ نے اللہ کو دیکھا تھا؟
۳۷۱	حدیث کا علم التاريخ	//	شہد والا قصہ
۳۷۳	بیسواں باب	۳۵۰	شق صدر کا واقعہ
//	صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا	۳۵۱	خیر النساء کون ہے؟
۳۸۰	وحی خفی کا مسئلہ	۳۵۳	انیسواں باب
۳۸۸	ضمیمہ	//	چند دلچسپ احادیث
//	مکرمین حدیث کا جنازہ	//	سجدہ آفتاب
۳۹۵	قد تم والحمد للہ اولاً و آخراً	۳۵۴	سجدہ آفتاب اور قرآن مجید
	☆☆☆	//	طلوع کے لئے اذان

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## دیباچہ

گزشتہ چودہ سو سال کے عرصہ میں اسلام دشمنی کے لئے یوں تو بہت سی کوششیں ناکامیوں کا منہ دیکھ چکی ہیں مگر آج کی دنیا میں الحاد پرورد ہمتوں نے اسی بے نتیجہ کوشش کے سلسلے میں نئے رنگ روپ کے ساتھ یہ عید غلط اور ساتھ ہی جاذبِ نظر فقرہ ایجاد کیا ہے کہ اسلام دنیاوی ترقیات کے لئے زکاوٹ ہے۔ اغیار جب ایسی ہفوات کا اظہار کرتے ہیں تو تعجب نہیں ہوتا مگر جب بعض نام نہاد مسلمانوں ہی کی زبان کچھ اسی ”ماحول“ میں چلتی دکھائی پڑتی ہے تو بے حد کوفت ہوتی ہے۔

زیر نظر کتاب ”دو اسلام“ کے مصنف نے اس ”ماحول“ میں نئی جدت یہ پیدا کی ہے کہ مسلمانوں کی گراوٹ کا سارا بوجھ ”ملائیت“ کے ساتھ ”حدیث نبوی“ پر ڈال دیا ہے۔ موجودہ غلط کار ”ملائیت“ کے نقائص کی نشاندہی کرنا معیوب نہیں ہے مگر ”قرآن مقدس کی الہامی تفسیر حدیث نبوی“ کو معرضِ عتاب بنانا اتنا خطرناک غلط مضرت رساں اقدام ہے جو قصرِ ملت کی بنیادوں کو ہلا دینے کے لئے..... ”ڈائنامیٹ“ کا کام کر سکتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ”موجودہ غلط ملائیت“ نے مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں کافی حصہ لیا ہے، مگر یہ نہ سوچنا بہت بڑی بے انصافی ہے کہ اس ملائیت کو کتاب اللہ اور ”حدیث نبوی“ سے کہاں تک لگاؤ ہے۔ قرآن پاک کی ورق گردانی کے ساتھ آپ صبح احادیث کے تمام دفاتر دیکھ جائیے۔ آپ کو آج کل کی ”غلط کار ملائیت“ کے رسی خدو خال کا کہیں بھی پتہ نہیں مل سکے گا۔ مثلاً (۱) جمعرات کی کھیر، چہلم کی نیاز، گیارہویں، سترہویں وغیرہ کی فاتحہ کو التزام کے ساتھ ادا کرتے رہنا۔ (۲) اچھل اچھل کر ہو حق کا

درد کرنا (۳)۔ نجات کے لئے کسی بزرگ کے سلسلہ ارادت میں داخل ہو جائے تو کوئی سمجھ لیتا۔ (۴)۔ سڑکوں اور بازاروں میں لوگوں کے سامنے پاکی حاصل کرنے کے لئے ڈھیلا خشک کرتے پھیرنا۔ (۵)۔ غلط تعویذوں اور ناجائز جھاڑ پھونک کو زندگی کا مول بنالینا۔ (۶)۔ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر عالم الغیب جانتا اور اسی نظرئیہ کے ماتحت مجالس میلاد کرنا (۷)۔ مزارات پر جا کر لطواف سجدہ کرنا اور طلب سخا جات کے لئے وہاں جایا کر نیاز چڑھانا۔ (۸)۔ بزرگوں کے مزارات پر سالانہ قوالی و عرس و صندوق اور اس قسم کی من گھڑت رسومات کو اسلام جانتا (۹)۔ امت محمدیہ کو فرقوں میں تقسیم کرنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف نفرت کا پرچار کرتے رہنا۔ (۱۰)۔ دینِ نبوی کے لئے اجتہاد کے دروازوں کو بند سمجھ کر خود ساختہ مذاہب کی دیواروں میں اللہ کے دین اسلام کو مقید کر دینا۔ (۱۱)۔ ایسے غلط اور بناوٹی خیالات کی تردید و اصلاح کرنے والوں کو وہابی، لامذہب، غیر مقلد یا دیوبندی وغیرہ خطابات سے نوازنا۔

”غلط ملائیت“ سے جو نقصان مسلمانوں کو پہنچا ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر سب سے بڑا نقصان وہ ردِ عمل ہے جو اصلاح پسند متجددین اور منکرین حدیث کی شکل میں ہمارے سامنے آیا ہے۔ ایسے آزاد منش برقی طبع حضرات نے اسلام کی جو تصویر پیش کی ہے۔ وہ اس قدر گھناؤنی ہے کہ اس نے ”غلط ملائیت“ کو بھی مات کر کے رکھ دیا ہے، جسے دین اللہ اسلام سے تعبیر کرنا ایک لاکھ اور ۲۴ ہزار انبیاء کرام کے پیش کردہ اسلام کی ایک سخت ترین توہین و تذلیل ہے۔ اس تصویر کے بھی کچھ خدو خال ملاحظہ فرمالیجئے اور غلط ملاؤن کے نتائج لعنت بھیجئے۔ ان متجددین پر بھی جنہوں نے خدا کے سچے، پاکیزہ دین کا حلیہ بگاڑنے پر کمر باندھ لی ہے۔ جو آج ایک قرآن دو قرآن اور ایک اسلام گو دو اسلام تک بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ (۱)۔ فرائض خمسہ یعنی توحید خداوندی کا اقرار اور رسالت محمدیؐ کی تصدیق۔ صلوٰۃ و زکوٰۃ و صوم و حج کی بجا آوری یہ سب ملا کے ایجاد کردہ۔ ”دھندلے“ ہیں۔ (۲)۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (سلام علیہ)

کے اقوال آپ کی زندگی ہی میں گڑبڑ ہو چکے تھے۔ اب روئے زمین کے مسلمانوں کے پاس آپ کا کوئی بھی ”قول“ صحیح حالت میں باقی نہیں ہے۔ (۳) مسلمانوں کی نماز مساجد کے تاریک گوشوں میں گھس کر من من کرنے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ (۴) زکوٰۃ کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اگر کچھ خرچ سے ”فالتو“ ہو تو اسے قوم و ملت کے لئے پیش کر دو۔ (۵) حج کے لئے عرب کا سفر کرنا تصنیع اوقات اور اضااعت مال ہے۔ (۶) قربانی کا مفہوم صرف ایثار ہے، عید اضحیٰ پر قربانی کا دستور بیکار محض ہے۔ (۷) تلاوت قرآن مجید و ذکر الہی و درود شریف پڑھنا اور خدا سے دعائیں کرنا سب محض ”توہمات“ ہیں۔

(۸) ذخائر حدیث سب ناقابل اعتبار بلکہ ایک مسخ شدہ لٹریچر ہے۔ (۹) تیرہ سو سال تک کے جملہ فرزندان اسلام، محدثین کرام، امامان دین سب گرفتارانِ اوہام تھے جنہوں نے حقیقت اسلام کو نہیں سمجھا۔ (۱۰) قرآن مجید کو سمجھنے کے لئے ہمیں ”محمدی تشریحات“ کی حاجت نہیں، ہم مختار ہیں جس طرح چاہیں قرآن پاک کو سمجھ لیں۔ (۱۱) کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی طرف دعوت دینے والے سب ”علی العموم ایسے ملا“ ہیں جو گردن زدنی ہیں۔

یہ ہے اس اسلام کا خلاصہ

جیسے آج کل کی ”ترقی دوست طبائع“ رواج دینا چاہتی ہیں۔ افسوس کہ برقی نے بھی دو اسلام لکھ کر اسی ”ترقی یافتہ اسلام“ کی تبلیغ کا جھنڈا اٹھایا ہے۔ اس جدوجہد میں آپ نے جو ٹھوکریں کھائی ہیں اور ناظرین کو جس طرح سے غلط فہمیوں میں مبتلا کرنے کی کوششیں کی ہیں ان کی مختصر تفصیلات ہمارے ناظرین کے سامنے گزریں گی۔

رہا یہ خیال کہ اسلام دنیاوی ترقیات کے لئے رکاوٹ ہے یہ محض حقیقت اسلام سے ناواقفیت کی دلیل ہے، ورنہ اسلام ہر جائز ترقی کا علم بردار ہے۔ اسلام نے صنعت، حرفت، تجارت، زراعت، سیاست سب کے لئے بہتر سے بہتر اصول و قوانین ہمارے

سامنے پیش کئے ہیں۔ بلا شک و شبہ اسلام:

(۱) خدا ترس، با انصاف۔ تخت و تاج یا جمہوریت کی کرسی پر براجمان ہونے والوں کو روزِ حشر میں عرشِ الہی کے نیچے ”سایہ“ دلاتا ہے۔

(۲) نیک روش، راہباز۔ با ایمان تاجروں کا حشر نیوں اور رسولوں کے ساتھ کراتا ہے۔ (۳) دستکاری و کاشتکاری وغیرہ کو عند اللہ بہترین نیکی قرار دیتا ہے۔ (۴)

جہان بینی کے گز، زہد و تقویٰ کے رموزِ حدودِ اعتدال کے اندر پیش کرتا ہے۔ (۵) اسلام اپنی بلند ترین ہدایات کے تحت ”منزلی زندگی“ کی بہتری کے لئے پوری گارنٹی دیتا ہے۔

(۶) اسلام ”نظریہ توحید“ کی بنا پر جملہ اقوامِ عالم میں مساوات، اخوت، محبت، بھائی چارہ اپنا اولین مقصد قرار دیتا ہے۔ (۷) عدل و مساوات و اخوت و عالمگیر انسانی

برادری کے اصولوں پر اسلام ایک ”ہمہ گیر“ حکومت کا حامی ہے جس میں بلا امتیاز رنگ و بو جملہ انسانوں کے لئے امن چین و پرسکون جنتی زندگی کی ” ضمانت“ ہو۔ (۸) اسلام

دنیا کے ان تمام علوم و فنون کی پرورش کرتا ہے جو اعتقادی عملی اخلاقی زندگی میں بنی نوع اسلام کے لئے نفع بخش ہوں۔ (۹) اسلام جملہ نئی مفید ایجادات کے لئے ہمہ گیر حیثیت

میں دستِ قبولیت دراز کرتا ہے۔ (۱۰) اسلام ساری دنیائے انسانیت سے نفی و نفرت و فساد و بید امنی کو مٹا کر امن و امان کی فضا قائم کر دینا چاہتا ہے۔

(۱۱) اسلام اندھی تقلیدِ تاریک گھاؤں کے قطعاً خلاف ہے، وہ بلا شک ہر فردِ بشر کو عمل و کوشش اور دینِ فہمی کا پیغام دیتا ہے۔

اسلام کی حقیقت کو صحیح طور پر پالنے والوں کی ایک زندہ تاریخِ دنیا کے سامنے ہے جو شرق سے تا غرب اور شمال سے تا جنوب تمام کرۂ ارضی پر عزم و ہمت کا علم ہاتھ میں

لے کر اٹھے اور ابراہیم رحمت بن کر چھا گئے، جن کی تاریخ آج دنیائے انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے وہ سب کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے سچے فدائی تھے۔ حدیث کی روشنی میں قرآن اقدس پر عمل کرتے اور قرآن مجید کی روشنی میں حدیث نبوی پر عمل پیرا ہونا



فرض جانتے تھے۔ قال اللہ وقال الرسول ان کا لائحہ عمل تھا۔ وہ فرائض خمسہ کی پابندی ایک مومن کی زندگی کا زیور سمجھتے تھے۔ وہ تلاوت قرآن و ذکر الہی و درود شریف و دعاؤں کو تلواریں کی جھنکاروں میں، کارزار میدانوں میں، لقمہ دق بیابانوں میں اپنی زندگی کا ماحصل گردانتے تھے۔ آیت شریفہ انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ النخ کی روشنی میں ان کی زندگی کا پروگرام اللہ کی یاد سے ایمانی جذبات کو زندہ کرنا، تلاوت قرآن اقدس سے ایمانی کرنٹ حاصل کرنا۔ بہر حال خدا پر کامل بھروسہ رکھنا، نماز کو پابندی کے ساتھ ادا کرنا، زکوٰۃ کو بخوشی ادا کر دینا وغیرہ وغیرہ امور ایمانی پر مشتمل ہوتا تھا۔ اسی لئے قرآن اقدس نے ان کو رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا زندہ جاوید خطاب عطا فرمایا: یعنی (خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوئے)۔

### یہ تھا حقیقی اور سچا اسلام

جس کی بنیاد از اول تا آخر توحید و سنت اور کتاب اللہ و حدیث صحیحہ پر ہے۔ مگر افسوس کہ برق نے زیر نظر کتاب ”دوا اسلام“ میں اس سچے اسلام کو مسخ کرنے کی ایک بے حد غلط کوشش کی ہے۔ خطرہ تھا کہ کچھ سادہ لوح عوام برق کی چکنی چڑی باتوں میں سچے اسلام سے بدظن ہو کر ابدی صداقت سے محروم ہو جائیں، اس لئے کتاب ”مشار الیہ“ پر ایک ہلکی نظر ڈالنے کے لئے قلم ہاتھ میں لیا گیا تاکہ اس سمجھ رو کی نشان دہی کر دی جائے جس کی حمایت میں آج منکرین حدیث قلم اور پھینچھروں کا سازاز و صرف کر رہے ہیں۔

آئیے ذرا اس ”دوا اسلام“ پر ایک تنقیدی منصفانہ نظر ڈالیں۔

رازِ بمبئی

۲۰ فروری ۱۹۷۵ء

## حرف اول

عرصہ ہوا اکبر آلہ آبادی مرحوم نے فرمایا تھا:

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں ☆ جس کے سر پہ جو چاہیں تہمت دھر دیں  
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر ☆ تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

آج ہم بعض مغرب زدہ فرزندِ انِ اسلام کی رفتار و گفتار سے مرحوم اکبر کے قول کی تصدیق کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جنہوں نے مغربی تعلیم کے زہریلے اثر سے متاثر ہو کر ”محمدی اسلام“ ہی کی کات چھانٹ کو اپنی زندگی کا ”ماحصل“ بنا لیا ہے۔ ایسے ”میٹرک فیل وغیرہ وغیرہ متجددین کی ایک خاصی تعداد اس ”حرکت“ کے لئے کمر بستہ نظر آ رہی ہے کہ عوامِ مسلمانوں کی نگاہوں میں خاک جھونکنے کے لئے برائے نام قرآن مجید کا سہارا لیکر اسلام کو نعوذ باللہ لنگڑا، لولا، اپانچ بنانے کی مہم چلائی جائے، چونکہ اس غلط راستے میں سب سے زیادہ ”حدیث نبوی“ حائل ہے اس لئے ذخائرِ احادیثِ نبوی سے امت کو ہر ممکن تدبیر سے بدظن کیا جائے۔ پھر نہ پائس رہے گا نہ بانسری بچے گی، کیونکہ احادیثِ نبوی یعنی قرآن پاک کی یہ تفصیلی و تشریحی ہدایات اٹھا دینے کے بعد ”ملا“ کے یہ روزِ روز کے جلال و حرام، جائز و ناجائز کے ”جھیلے“ ختم ہو جائیں گے، ایسی ہی غلط کوششوں میں سے ڈاکٹرِ برق کی کتاب ”دو اسلام“ ہے۔ برق اور آپ کے ہم خیال حضرات کا تعارف کرانے کے لئے مندرجہ بالا سطور میں پیش کردہ ”خود خال“ کافی وافی ہیں۔ مباحث متعلقہ کی سیر حاصل بحثِ آپ ”دو اسلام“ کے جواب ”خالص اسلام“ میں ملاحظہ فرمائیں گے جس کے فاضل مؤلف حضرت الحاج مولانا محمد داؤد راز میرے تعارف سے بہت بالا ہیں۔ دینی غیرت اور جذبہ ایمان نے آپ کو ”دو اسلام“ کے

جواب پر آمادہ کر ہی دیا۔ کتاب ”دو اسلام“ جس سوقیانہ انداز میں لکھی گئی ہے اور جس ”بازاری“ طرز پر برقی نے اس میں اپنا ”مافی الضمیر“ ادا کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ”این است جوابش کہ جوابش ندہی“ کے تحت علمائے اسلام کثر اللہ سواد ہم نے اسے نظر انداز کر دیا تھا، مگر محترم راز کے سامنے جب یہ چیز آئی کہ بعض سادہ لوح مسلمان ”دو اسلام“ سے غلط اثر لے رہے ہیں اور علماء کی خاموشی سے برعکس نتیجہ نکالا جا رہا ہے تو موصوف نے اپنے جملہ مشاغل کو بالائے طاق رکھ کر بہت ہی تھوڑے عرصہ میں ”دو اسلام“ کا جواب ”خالص اسلام“ کی شکل میں حوالہ قلم فرمادیا۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ”خالص اسلام“ منکرین حدیث خصوصاً برقی کی ”دجلیات“ کا تار پود بکھیرنے کے سلسلے میں ایک ایسی پیش کش ہے جس میں نہایت ہی مدلل اور دل چسپ طریقے سے عنوانات متعلقہ کی تشریح و تنقید کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

فتنہ انکار حدیث عصر حاضر کے ان دجالی فتنوں میں سے ہے جس کو اس زمانے کی ”ابلیسی ذریات“ نے اسلام دشمنی کے سلسلے میں بڑے سوچ وچار کے بعد جنم دیا ہے۔ اس ”صف“ میں عصر حاضر کے بعض مشاہیر بھی دکھائی دیتے ہیں، مگر اس فتنہ کو ”عریانیٹ“ کے ساتھ پروان چڑھانے والے ہیں۔ ”مولوی عبداللہ چکڑالوی“ نامی ایک ”بزرگ“ نظر آتے ہیں، جنہوں نے ”حسبنا کتاب اللہ“ کا نعرہ بلند کر کے اس حدیث نبوی کی تصدیق کر دی۔ جس میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ایک زمانہ میں ایک شخص اپنی ”کھٹیا“ پر بیٹھا ہوا میری حدیث کے خلاف بغاوت کرنے کا اور یہ کہے گا کہ ہم حدیث نبوی کو نہیں مانتے ہم صرف کتاب اللہ قرآن مجید کا اتباع کریں گے۔

خدائی قانون ہے کہ بے کار چیزیں بہت جلد ملیامیٹ ہو جاتی ہیں، چنانچہ مولوی عبداللہ چکڑالوی اپنی چند روزہ حیات ہی میں اپنے کئے کی سزا اس طور پر بھگت کر ختم ہو گئے کہ حدیث سے ہٹ جانے کے بعد نماز جیسی اہم اسلامی عبادت پر بھی ان کا اور

ان کے فریب خوردہ مریدوں کا اتفاق نہ ہو سکا۔ کسی نے دو وقت نماز انجام دینی تو کسی نے  
 سہ وقت کو متمم دیا۔ پھر کسی نے ہر نماز میں صرف دو رکعتیں تجویز کیں، کسی نے تین رکعت  
 اس طرح یہ چکڑ الوی صاحب اپنی دجالی حرکت کی سراب بھگت کر اپنے حواریوں سلطنت  
 اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَنْ رَكَعَاتٍ فِي صَلَاتِهِ ثَلَاثُ عَشْرَةٍ  
 مَرَّةً فَلَهُ بِهَا مِائَةُ حَسَنَةٍ“ اور ”مَنْ رَكَعَاتٍ فِي صَلَاتِهِ ثَلَاثُ عَشْرَةٍ مَرَّةً فَلَهُ بِهَا مِائَةُ حَسَنَةٍ“  
 منکرین حدیث کا آپ ”دوسرا ایڈیشن“ امت کے سامنے آیا ہے جو اپنے پیش رو  
 عبد اللہ چکڑ الوی کے خرابات کی روشنی میں حرم و احتیاط کے ساتھ ”ہولے ہولے“ قدم  
 بڑھا رہا ہے۔ اس ناپ کے منکرین حدیث موقع محل دیکھ کر مسلمانوں جیسی نماز بھی پڑھ  
 لیتے ہیں اور پھر اسی نماز کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ روزے کے متعلق حدیثی تفصیلات  
 سے انکار بھی کرتے ہیں اور روزہ بعض دفعہ رکھ بھی لیتے ہیں۔ مسلمانوں کے اعمال حج پر  
 چھتیاں کسنا ان کا دن رات کا شیوہ ہے۔ ”عبد اللہ بن ابی کے یہ نئے فرزند“ مشاہد کو  
 ”تاریک گوشے“ بتلا کر ان کے برابر کرنے کی مہم چلا رہے ہیں اور مسلمانوں کی نماز کو  
 ”من مَن کر کے“ تعبیر کر کے اس ”مشتمل علی نظام“ ہی کو برابر کرنے کے درپے ہیں۔  
 اکبر مرحوم نے فرمایا تھا: ”اِنَّ الْمَرْءَ لَا يَكُونُ مُسْلِمًا حَتَّى يَكُونَ رَافِعًا لِّرَأْسِهِ“  
 ”اگر مرد مسلمان نہ ہو گا جب تک کہ وہ اپنے سر کو اٹھائے“

چوتھے نہیں نماز یہ خود رائے کیا کروں  
 قوم نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں  
 ”خود رائی“ کا اس لئے زیادہ گھناؤنا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ نماز جیسی اسلامی  
 قرآنی چیز کو من من کرنے سے تعبیر کیا جائے۔ جس سجدے کو نئے دنیائے انسانیت کو درس  
 حیات دیا اس کو ”باجھ فضا“ کے نام سے یاد کیا جائے۔ پھر ڈھٹائی دیکھنے کے ملی انتشار  
 سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی حرکات کے لئے اسے بطور ذلیل پیش کیا جا رہا  
 ہے۔ مسلمانوں میں بدقسمتی اسے کتنا ہی انتشار ہو، مگر آج تک سب کا قبلہ صرف ایک  
 ہے، خدا صرف ایک ہے، رسول صرف ایک ہے، قرآن صرف ایک ہے، اسلام صرف  
 ایک ہے، فرائض بچکانہ کو آج تک کسی مکتب خیال کے اسلامی گروہ نے چھ یا سات

اوقات تک نہیں پہنچایا۔ رمضان کے روزوں کی تعداد کو کسی نے آگے نہیں بڑھایا۔ حج کی مرکزیت پر آج بھی ساری امت کا اتفاق ہے۔ الغرض نیچے درجے کے فروعی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اسلام دشمنی کی مہم کو کامیابی تک پہنچانے کا خواب ایسا ہے جو تا قیامت شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ پس ”لکھل فرعون موسیٰ“ قانون قدرت ہے، مولوی عبد اللہ چکڑالوی ہوں یا مسٹر غلام احمد پرویز..... ڈاکٹر غلام جیلانی برقی ہوں یا کوئی مدیر البیان، جس نے بھی انکار حدیث نبوی کے دجالی فتنے کی قلمی حمایت کی ہے فوراً اس کو منہ توڑ جواب بھی ملا ہے جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں اور الحمد للہ کہ ”خالص اسلام“ بھی اسی دجالی فتنے کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کے لئے ایک ایسی ”کاری ضرب“ ہے جس کی چوٹ سے منکرین حدیث کا رہا سہا کس بل بھی نکل جائے گا۔

میں اپنے محترم حضرت مولانا راز کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جناب نبی کریم سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاکیزہ ارشادات کی حمایت میں آپ نے انکار حدیث کے دجالی فتنے کے استیصال کے لئے قلم اٹھا کر عشق رسول کا ایک غیر فانی ثبوت مہیا فرمادیا۔ خداوند تعالیٰ آپ کی اس اہم ترین خدمت کو قبول فرمائے۔ امین

مجھے کامل یقین ہے کہ آئندہ بھی ایسے دجالی فتنوں کا سرکچنے کے لئے قدرت بہت سے ”موسیٰ“ پیدا کرتی رہے گی۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

عبید الرحمن قمر مبارکپوری (مولوی فاضل)

مدیر ”الکلام“ ممبئی

## مؤلف دو اسلام

علم و اخلاق کے آئینہ میں

ہفت روزہ ”الاختصاص“ گوجرانوالہ کا ادارہ

## دو قرآن اور دو اسلام کے بعد ایک خط

برق صاحب کی کتاب ”دو قرآن“ اور ”دو اسلام“ کا ایک عزیز نے تذکرہ کیا تو اچنبھا ہوا کہ وہ قرآن جس نے دنیا بھر کے اختلافات کو دور کرنے کی کامیاب اور آخری سعی کی وہ دو کیوں کر ہو گئے؟ اور تو حید و تجرید کے سب سے بڑھ کر داعی اسلام میں دوئی اور شویت کے جراثیم کب پیدا ہوئے؟ کتابین دیکھیں۔ چند ہی صفحے پڑھے ہوں گے کہ طبیعت کا تنغص بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا یہاں تک کہ اس نے آگے بڑھ کر اشیب ذوق کو مزید مطالعہ سے قطعی روک دیا۔ کئی بار اس کے بعد کوشش کی کہ ان خرافات لا طائل و مہمل اور بد ذوقی کے عجیب و غریب مرقع کو ایک نظر دیکھ لیا جائے لیکن ہمت نہ پڑی۔ زبان اور انداز بیان قطعی غیر سنجیدہ، دلائل پوچ، خیالات و افکار میں حد درجہ کا عدم توازن اور انتشار۔ حدیث کی تضحیک، سنت کا استہزاء، صحابہ پر طنز، اور محدثین و فقہاء پر بازاری پھبتیاں، یہ ہیں وہ خصوصیات جس کی وجہ سے ہزار عزم کے باوجود ان کا پڑھ لینا گوارا نہ ہوا۔

یوں موضوع بڑا شاندار ہے۔ یعنی مصنف بتانا چاہتا ہے کہ موجودہ دور کے مسلمانوں کا اسلام اور قرآن کے بارے میں تصور صحیح نہیں۔ یہ تصور بہت محدود، ناقص

اور سمٹا ہوا ہے۔ کیونکہ قرآن کے حقائق صرف اس کے ذہن میں بند نہیں بلکہ صحیفہ فطرت میں بھی ان کی جھلک ہے اور اسلام صرف وہ نہیں جو کچھ صدیوں سے ان کے علمی اور دینی لٹریچر میں محصور ہو کر رہ گیا ہے بلکہ کتاب زندگی میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں اور وہ بہت وسیع، زندہ اور متحرک ہیں۔ مقصد کتنا اونچا ہے اور کتنے گہرے فکر متین، انداز بحث اور دقیق علم و مطالعہ کا مقتضی ہے یہ ظاہر ہے۔ لیکن پروفیسر برق نے جس اوچھے پن سے اس کو نبھانے کی کوشش کی ہے اور جس سطحیت اور ذہنی و فکری الجھاؤ سے اس سلسلہ میں کام لیا ہے وہ حد درجہ قابل افسوس ہے۔ ہم نے پہلی ہی نظر میں یہ کتابیں دیکھ کر فیصلہ کر لیا تھا کہ یہ بالکل شائستہ التفات نہیں۔ پروفیسر ہونا اور بات ہے اور کسی سنجیدہ موضوع پر سلیقہ سے اظہار خیال کرنا شئی دیگر۔ کیونکہ جس طرح انسانوں میں مختلف مدارج ہیں اور ان سے معاملہ کرتے وقت اس درجہ اور سطح کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے اسی طرح مختلف موضوع، متین انداز بیان اور مخصوص طرز استدلال چاہتے ہیں۔ یعنی جب تاریخ پر گفتگو ہوگی تو شبلی اور عبدالسلام ندوی کا پیرایہ بیان اختیار کرنا پڑے گا اور علامہ سید سلیمان ندوی سے وقت نظر اور شائستگی مستعار لینا پڑے گی اور جب تفسیر میں طبع آزمائی کی جائے گی تو ابوالکلام کی بصیرت اور شکوہ بیان کے سامنے دست طلب دراز کرنا پڑے گا۔ اور ان سے آگے بڑھے تو خالص دینی و علمی مضامین میں جس زبان اور استدلال و نہج کی ضرورت ہے اس کو نواب صدیق حسن خاں اور شاہ ولی اللہ کے ہاں ڈھونڈا جائے گا یا ابن تیمیہ اور ابن قیم کے ہاں تلاش کیا جائے گا۔ کتنی احتیاط، کتنا علم اور کس قدر ذمہ داری کا ان بزرگوں میں احساس ہے۔ اسی طرح جن دینی و علمی مضامین پر اظہار خیال کی نوبت آئے گی تو اس کے لئے وہ زبان اور وہ انداز استدلال استعمال کیا جائے گا جو اس کے شایان شان ہو۔

زیادہ واضح لفظوں میں یوں سمجھئے کہ پروفیسر برق صاحب کے لئے تصنیف سے پہلے یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ ہر موضوع کا ایک مزاج ہوتا ہے اور اگر اس مزاج کو

محفوظ نہ رکھا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ موضوع پر ایک طرح کا ظلم ہے بلکہ اپنی ناقابلیت کا واضح اقرار و اعلان بھی ہے۔ لیکن ان دونوں کتابوں میں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہی چیز نہیں ملتی بلکہ الٹا یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک غیر متوازن شخص کے ہاتھ میں قلم ہے جس کے استعمال سے وہ اچھی طرح واقف نہیں اور وہ پوری بے درغبی و آزادی سے اس کو اندھے کی لاشی کی طرح چاروں طرف گھما رہا ہے اور کوئی شریف آدمی اس کی زد سے محفوظ نہیں۔

مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی مدیر ”صدق“ نے غضب یہ کیا کہ یہ کتابیں کسی نہ کسی طرح پڑھ ڈالیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ صرف پڑھنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ایک عدد ریویو بھی لکھ ڈالا۔ اس ریویو میں مولانا نے کیا تحریر کیا۔ اس کا جواب ”صدق“ کے صفحات میں تلاش کیجئے۔

ہمیں مولانا کے فقہی تصوف سے ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور ان کی لچکی باتیں بھی کبھی کبھی ناقابل برداشت سی ہو جاتی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ایک التزام کو خواہ مخواہ نبھائے چلے جا رہے ہیں۔ لیکن ادبیات و دینیات میں ان کا جو خاص مقام ہے اس سے انکار کی جرأت کبھی نہیں ہوئی۔ لکھنے میں ان کا ایک رنگ ہے، تصنیف و تالیف میں ان کا گراں قدر حصہ ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ جدید سے جدید حکیمانہ خیالات سے جس قدر یہ واقف رہتے ہیں اور مغربی تہذیب کے مطالب پر جس عمدگی سے یہ اظہار رائے کرتے ہیں کوئی دوسرا شخص اس میں ان کا حریف نہیں۔

آپ جانتے ہیں اس ریویو کی آپ کو کیا قیمت ادا کرنا پڑی؟ اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لئے برق صاحب کا ایک مکتوب پڑھئے جو انھوں نے اس کے جواب میں بھٹا کر لکھا اور صرف اس نقطہ نگاہ سے پڑھئے کہ آیا جس شخص کا اخلاق یہ ہو اور جس کی



شائستگی اور تہذیب و ثقافت اس ڈھنگ کی ہو جو کہ ان کے مکتوب گرامی سے مترشح ہے کیا وہ اس لائق ہے کہ خالص دینی و علمی مضامین پر کچھ لکھ سکے؟ اور پڑھے لکھے حلقوں میں اپنے لئے کوئی جگہ پیدا کر سکے؟ اخلاق اور علم ایسی چیزیں ہیں کہ ان میں انفکاک ممکن نہیں۔ اس لئے اگر کوئی شخص ڈگریوں، اور سندوں کی کثرت کے باوجود ابتدائی اور بنیادی اخلاقی قدروں تک سے محروم ہے تو وہ اور سب کچھ ہو سکتا ہے، مگر صاحب علم نہیں۔

مولانا عبید الماجد صاحب نے بہت اچھا کیا کہ برق صاحب کی مغالطات کو جوں کا توں چھاپ دیا۔ ہماری رائے ہے کہ جو شخص بھی یہ خط پڑھے گا اس کا تاثر یہی ہوگا کہ برق صاحب کو ادب و علم اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی اور پیشہ اختیار کرنا چاہئے، اس لئے کہ یہ مشغلہ کم از کم ان کے لئے موزوں نہیں۔ کیا کالج میں لونڈوں کے سامنے ہمہ دانی کا مسلسل ثبوت دیتے رہنا ان کے لئے کافی نہیں؟

خط مجسمہ درج ذیل ہے:

السلام علیکم

محترم مولانا!

اس سے پہلے آپ کے موقر جریدہ میں اس احقر کے متعلق چند تحریرات شائع ہوئی تھیں اور آج آپ کے ”رشحات قلم“ ”دو قرآن“ کے متعلق نظر سے گزرنے۔ قبلہ! انصافاً فرمائیے کہ اگر آپ جیسا علوم جدیدہ سے آراستہ عالم بھی اس قدر تنگ نظر، متعصب، کج ذہن، تاریک دماغ اور کودن ثابت ہو کہ اسے علم جہالت اور اپنی ہمالہ صفت جہالت علم نظر آئے تو پھر میں ملا کے متعلق اور کیا رائے قائم کروں۔ ☆ ≥ آپ کی تحریرات کا طرہ امتیاز کیا ہے؟ رعونت دعویٰ ہمہ دانی۔ ایک غلیظ قسم کی خانقاہی و رسوم زدہ اسلام کہ ٹھیکہ داری، خود پسندی، غلط افکار، غلط فہمی اور غلط اندیشی۔ آپ کی اسلام

سوز جہالتوں پر ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن کوئی صاحب فکر و نظر آپ جیسی محققن لاش پر وقت کیوں ضائع کریں۔

☆ — کسی کتاب پر تنقید کرتے وقت شخصی و ذاتی تضحیک و استہزاء کا جو عالم آپ کے ہاں ملتا ہے وہ اور کہیں نظر نہیں آتا، اب زندگی کی اس منزل پر آپ کی اصلاح کی آرزو بے سود ہے ملا ہوا وزن سنبھل جائے لا حول ولا قوت کیہا تھا کسی نے شروع ملا شدن چہ آساں آدم شدن چہ مشکل

قبلہ! آپ علمی و اسلامی مسائل پر لکھنا چھوڑ دیں اس لئے کہ یہ کام آپ کے ڈھب کا نہیں، دائرہ بڑھا لینے سے تو علم نہیں بڑھ جاتا۔ آپ بیشک وضو، حیض، استنجا اور ڈھیلا جیسے موضوعوں پر خامہ فرسائی کیا کریں کہ آپ کے علم کا دائرہ یہی ہے آپ علمی کتابوں کے پٹھے میں ٹانگ کیوں پھنساتے ہیں۔

☆ — میں نے ان چند سطور میں آپ کی صحیح تصویر کھینچ دی ہے تاکہ آپ اس کے آئینہ میں اپنی شبیہ پاک دیکھ لیں اور آئینہ دخل در معقولات سے اجتناب فرمائیں۔

حضرت مولانا یاد رکھئے: نہ ہر کہ سرتر اشد قلندری داند  
آپ کے اخبار کا نام ”صدق جدید“ آپ کی جہالت کا سب سے بڑا ثبوت ہے،  
صدق اور جدید؟ مطلب؟

آپ کا آئینہ بردار  
۱۹۵۳ء اپریل ۲۳ء

## دریابہ حباب اندر

از قلم حضرت العلامة مولانا ابوالکارم ظفر عالم صاحب مد فیضہ

حامداً و مصلياً و مبسلاً۔ اما بعد! میرے سامنے اس وقت وہ حدیث نبوی ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے امام بیہقی کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے الفاظ مبارک یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یحمل هذا العلم من کل خلف عدو له ینفقون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین۔ یعنی علم دین (قرآن و حدیث) کی خدمت و اشاعت کے لئے ثقہ لوگ پیدا ہوتے رہیں گے جن کا کام ہوگا: (۱) دین میں غلو کرنے والوں کی تحریفات کی تردید کرنا۔

(۲) باطل پرست جو اپنے باطل خیالات کے لئے غلط طور پر علم دین کو استعمال کریں ان کا مقابلہ کرنا۔ (۳) جاہل لوگ علم دین (قرآن و حدیث) میں دخیل ہو کر جو باطل تاویلات کریں ان سے لوگوں کو آگاہ کرنا۔

میں نے ڈاکٹر غلام جیلانی برقی کی کتاب ”دو اسلام“ کو دیکھا جس میں زیادہ تر تحریف الغالین و انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین ہی کے مناظر نظر آئے اور جب میں نے ”خالص اسلام“ کے مسودہ پر نظر ڈالی تو ”دریابہ حباب اندر“ کی مثال میرے سامنے آگئی

اور میرے دل نے شہادت دی۔ صدق فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بڑھ کر مسرت انگیز اور کیا چیز ہو سکتی ہے کہ میں اپنے عزیز مولانا راز سلمہ

اللہ کو اپنے خیال میں ارشاد نبوی ”یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله“ کا  
مصدق پارہا ہوں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

ابوالکارم ظفر عالم  
مدرس جامعہ محمدیہ مالگاؤں ضلع ناسک صوبہ بمبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي جعل العلم نوراً يضيء في قلوب الصالحين، ويجعل من العلم  
وسيلة لبلوغ السعادة والنجاة من الآفة. وقد علمت يا مولاي ان  
العلم هو نور يضيء في قلوب الصالحين، ويجعل من العلم وسيلة  
لبلوغ السعادة والنجاة من الآفة. وقد علمت يا مولاي ان العلم هو نور  
يضيء في قلوب الصالحين، ويجعل من العلم وسيلة لبلوغ السعادة والنجاة  
من الآفة. وقد علمت يا مولاي ان العلم هو نور يضيء في قلوب الصالحين،  
ويجعل من العلم وسيلة لبلوغ السعادة والنجاة من الآفة. وقد علمت  
يا مولاي ان العلم هو نور يضيء في قلوب الصالحين، ويجعل من العلم  
وسيلة لبلوغ السعادة والنجاة من الآفة. وقد علمت يا مولاي ان العلم  
هو نور يضيء في قلوب الصالحين، ويجعل من العلم وسيلة لبلوغ السعادة  
والنجاة من الآفة. وقد علمت يا مولاي ان العلم هو نور يضيء في قلوب  
الصالحين، ويجعل من العلم وسيلة لبلوغ السعادة والنجاة من الآفة.

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّي عَلَى رَسُولِهِ الْكَرِيمِ

## پہلا باب

### ”حدیث میں تحریف“

اگر دنیا میں ”سچائی“ وجود رکھتی ہے تو ہمیں بلا تامل یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ”جھوٹ“ بھی دنیا میں نہ صرف وجود رکھتا ہے بلکہ بہت کثرت کے ساتھ ”شائع“ ہے۔ اگر بہت سی چیزیں دنیا میں جعلی نقلی مصنوعی ”چالو“ ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اصلی چیزوں کا وجود ہماری دنیا سے ”ناپید“ ہو گیا ہے۔ عالم ہستی میں بہت کم چیزیں ایسی ملیں گی جن کے مقابلے میں ان کی نقلیں نہ ایجاد کر لی گئی ہوں۔ دنیا والوں نے خداوند قدوس تک کو نہیں چھوڑا وہ خدائے برحق معبود مطلق تھا تو دنیا میں مٹی پتھر لکڑی وغیرہ کے سینکڑوں ہزاروں لاکھوں نقلی معبود بھی بنا کر کھڑے کر لئے گئے ان واقعات کے باوجود ”سچائی“ اپنی جگہ پر ”سچائی“ ہے۔ خدائے برحق اپنی اعلیٰ و ارفع شان کے ساتھ ”معبود مطلق“ ہے۔ اصلی چیزیں اپنی جگہ پر اصلی ہیں ”نقول“ کے وجود سے ان کی قدر و قیمت پر مطلقاً اثر نہیں پڑ سکتا۔ ”حدیث“ اہل فن کی اصطلاح میں جناب سرور کائنات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے دینی اقوال و افعال کا نام ہے جو صحیح سند کے ساتھ یعنی اہل فن کی مقررہ شرائط کے مطابق فی الواقع آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہوں۔ ظاہر ہے کہ جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم شرف رسالت سے سرفراز ہونے کے بعد کافی دنوں تک دنیا میں موجود رہے اس عرصہ میں آپ نے اپنی امت کو امور دین کے متعلق ہر قسم کی تفصیلی ہدایات سے نوازا اور اپنے قول اور فعل سے

اسلام کا پورا نقشہ امت کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ کے ”اسوۂ حسنہ“ کو آپ کے اولین فدائیوں یعنی صحابہ کرامؓ نے آپ سے سیکھا اور پھر وہ اپنے شاگردوں یعنی تابعینؓ عظام کو نہ صرف سکھا گئے بلکہ بطور امانت محمدیؐ کے ان کے سپرد کر گئے۔ یہی وہ ”مجموعہ احادیث صحیحہ“ یا اسوۂ پیغمبریؐ ہے جس کی اتباع والطاعت کے لئے قرآن پاک ہر مسلمان کو بار بار حکم دیتا ہے جیسا کہ ارشاد ہے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔ (قرآن) یعنی رسولؐ نے جو کچھ (دینی شرعی) حیثیت سے تم کو دیا ہے اس کو بلا چون و چرا قبول کر لو اور اسی حیثیت سے جن جن چیزوں سے رسولؐ نے تم کو منع کیا ہے ان سے رک جاؤ۔ اور ارشاد ہے: وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا۔ (قرآن) کسی مومن مرد و عورت کے لئے لائق نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا کسی امر کے بارے میں فیصلہ سن کر کچھ چون و چرا کر سکے، جس نے اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے سے بغاوت کی وہ یقیناً خطرناک گمراہی کے غار میں گر گیا۔ اس قسم کے بہت سے خدائی ارشادات قرآن پاک کے اندر موجود ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی شرعی ارشادات کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا ہر مومن مسلمان کا اولین فرض ہے۔ ”الاسلام“ گردن نہاد نبطاعت خدا و رسولؐ، اسلام کا مفہوم ہی یہ ہے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے ارشاد کے سامنے گردن جھکا دی جائے۔

ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ دنیا میں خداوند تعالیٰ کے مقابلہ میں ہزاروں خدا بنائے گئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ ہی میں آپ کے مقابلے میں مسیلمہ کذاب اور اسود عسی نامی لوگوں نے اپنے آپ کو پیغمبر کہلانا مشہور کر دیا۔ یہ دنیا کا کوئی ”عجوبہ“ نہیں ہے، بالکل اسی طرح سے امت میں کتنے لوگ ملیں گے جنہوں نے قرآن پاک کے مقابلہ میں سورتیں ایجاد کر لیں آیات کو بنا ڈالا۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مگر وہ سب نقلیں ”ہباء منثوراً“ بن کر ختم ہو گئیں اور قرآن مجید اپنی پوری عظمت کے ساتھ دنیا میں باقی ہے اور باقی رہے گا۔ اسی طرح امت میں ہزاروں ایسے بھی ”جعل ساز و ضار“ لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے ”حدیث“ کے پاک نام پر غلط سلط عبارات ایجاد کر کے امت کے ایمان پر ڈاکہ زنی کرنے کی ناپاک کوششیں کیں مگر وہ بھی اپنے مقاصد میں ناکام رہے اور خداوند تعالیٰ نے ”طائفۃ محدثین“ کے ذریعہ سے ”احادیث رسول“ کی حفاظت کا ایک مستحکم و مکمل بندوبست فرمادیا جنہوں نے جملہ مضامین کی ”رجل کاریوں“ کا پردہ چاک کر کے رکھ دیا اور ایک بہترین مستند ذخیرہ احادیث امت کے مشعل ہدایت اور اپنے لئے ”باقیات الصالحات“ مدون فرما گئے۔ ”رضی اللہ عنہم“ اس مختصری تمہید کے بعد ہم اپنے محترم ”برق“ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ برق صاحب کو ان کے خیالات کی روشنی میں ہم نے ایک ”آزاد منش حدیث دشمن“ انسان پایا ہے مگر از راہ انصاف اتنا تو ہم کو بھی ماننا پڑے گا کہ اس قدر حدیث دشمنی کے باوجود انوار حدیث سے ابھی تک آپ کی آنکھیں خیرہ ہو رہی ہیں۔ اسی لئے آپ کو ”حدیث“ کی عظمت و اہمیت مسلم ہے مگر آگے ”ارشاد گرامی“ یہ ہے:

”ہمارے شک پرست جاہ طلب اور خود میں سامریوں نے حرم حقیقت میں سیکڑوں بت بنائے ہیں جن میں سب سے بڑا ”حدیث“ ہے۔ (دو اسلام ص ۳۶)

آپ نے ”حدیث“ کو علی الاطلاق ”ایک بت“ تو قرار دے دیا مگر پھر اسلامی حیا غالب آئی اور فوراً ہی آگے یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے:

”یہاں حدیث سے مراد وہ اقوال نہیں جو حضور محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے در حقیقت ارشاد فرمائے تھے بلکہ وہ جو ہم نے تراش کر ان کی طرف منسوب کر دیے تھے۔ (حوالہ مذکور)

خود تراشیدہ اقوال کو حدیث کہہ کر رسول علیہ السلام کے ہر تھو پنا بلا شک ایک بدترین

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ) ایک نمونہ الفیل ما الفیل وما ادراک ما الفیل له ذنب و خرطوم طویل

حرکت ہے مگر صحیح و مستند مرفوع ثابت شدہ احادیث کو ”تراشیدہ اقوال“ قرار دینا یا تراشیدہ اقوال سے مرعوب ہو کر صحیح ثابت شدہ احادیث ہی کو چھوڑنے پر آمادہ ہو جانا کسی راسخ الاعتقاد مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا۔ مگر ہمارے برق صاحب پر ”تراشیدہ اقوال“ کا اس قدر اثر ہے کہ اب آپ کو صحیح و غیر صحیح میں تمیز کرنا ہی ناممکن معلوم ہو رہا ہے، چنانچہ از شہاد ہوتا ہے:

آج وہ اقوال رسولؐ کے ساتھ یوں غلط ملط ہو چکے ہیں کہ حق کو باطل سے علیحدہ کرنا ناممکن ہو رہا ہے۔ (دوا سلام ص ۳۷)

برق صاحب کا خیال یہ ہے کہ اب ”صحیح حدیث“ کا دنیا میں وجود ہی باقی نہیں رہا۔ لہذا اب کوئی بھی ”حدیث“ قابل اعتبار نہیں۔ اس غلط نظریہ کی بنا پر برق صاحب نے اس باب میں کلیہ ”حدیث میں تحریف“ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس بارے میں آپ نے کچھ ”وجوہات“ پیش فرمائی ہیں۔ پہلے ہم برق صاحب کی پیدا کردہ وجوہات ہی پر نظر ڈالیں گے تاکہ معاملہ کی صحیح نوعیت ہمارے معزز ناظرین کے سامنے آ سکے۔

برق صاحب فرماتے ہیں کہ حدیث میں تحریف کی اولین وجہ یہ ہوئی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ”احادیث“ کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا۔

(دوا سلام ص ۲۷)

برق صاحب کو اس دعویٰ پر کوئی دلیل بھی پیش کرنی ضروری تھی۔ شکر ہے کہ آپ نے اپنے اس دعویٰ کے اثبات میں اپنی تردید کرنے کے لئے خود ایک عدد ”حدیث“ ہی پیش فرمادی ہے اور ”عملاً“ اپنے دعویٰ کو خود جھٹلا کر ثابت کر دیا ہے کہ ایسی احادیث بھی موجود ہیں جن میں تحریف نہیں ہوئی اور ان سے آج بھی ”استشاد“ کیا جاسکتا ہے۔

لو آپ اپنے دام میں ضیاء آگیا۔

برق صاحب کے اس طرز عمل پر قدرتنا مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہو جاتے ہیں، امید ہے کہ اب کوئی اور ”نیا اسلام“ تصنیف کرتے وقت برق صاحب ان سوالات کو حل



کرنے کی تکلیف فرمائیں گے:

(۱) جب بقول آپ کے سب احادیث محرف ہو کر درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئی ہیں تو آپ کو کیا حق ہے کہ آپ اپنے نظریہ کے آثار کے لئے ایک عدد حدیث ہی پیش فرمائیں؟

(۲) جب کلیۃً جملہ احادیث محرف ہو کر ساقط الاعتبار ہو چکی ہیں تو یہ ”غیر محرف“ روایت آپ کو کہاں سے دستیاب ہو گئی؟ جس کو آپ اپنے مقصد کے لئے استعمال فرما کر عملاً حدیث کی تصدیق فرما رہے ہیں۔

(۳) جب رسول علیہ السلام نے مطلقاً کتبائے حدیث سے بقول آپ کے منع فرمادیا تھا تو یہ حدیث قید کتبائے حدیث میں آ کر کس طرح آج تک باقی رہ گئی۔ اس حالت میں کہ یہ قابل استنباد ہے۔

حضرت برق جب تک ان سوالات کو حل نہ کر دیں ان کو حق نہیں ہے کہ وہ اپنے غلط معومات کے اثبات کے لئے ”احادیث و روایات“ سے کام لیں ورنہ کہا جائے گا کہ برق ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عادت میں داخل ہے بیٹھا بیٹھا ہرپ اور کڑوا کڑوا تھو۔ برق صاحب! مکر سے بوجھ رہے ہیں کہ رنگ مستان زمیستہ“ کا رخرومند اس نیست۔ (شراب سے مکر ہونا اور شرابیوں کی سی زندگی گزارنا عقلمندوں کا کام نہیں ہے۔)

برق صاحب نے اپنے غلط نظریہ کے اثبات کے لئے جس روایت کو یہاں نقل کیا ہے اس کے الفاظ ہیں یہ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تکتبوا عنی و من کتب عنی شیئاً غیر القرآن فلیمحه۔ (صحیح مسلم) ابو سعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری طرف سے کچھ نہ لکھا کرو جس نے ابھی قرآن مجید سے کچھ لکھا ہو اس کو چاہئے کہ اس کو جو کر ڈالے اس روایت میں ”شیئاً غیر القرآن“ کا لفظ صاف دلالت کر رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے متن میں غیر قرآن کو لکھنے سے منع فرمایا تھا

اور ہتا کید حکم دیا تھا کہ اگر کسی نے قرآن مجید کے متن میں میرے تشریحی بیانات کو بھی درج کر لیا ہو تو اس کو ”محو“ کر دے تاکہ قرآن مجید کے خدائی الفاظ بطور ”وحی جلی“ کے محفوظ اور ممتاز رہیں اور اس کے مقدس متن میں دیگر اقوال کی ”آمیزش“ نہ ہونے پائے۔ یہ تھا اصل مفہوم و مقصد ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا جس کو آج برق صاحب اور دیگر منکرین حدیث ”حدیث دشمنی“ کے لئے استعمال کر کے اپنی حدیث دشمنی ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ قرآن کے متن سے علیحدہ ایک مستقل حیثیت میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کے حالات کے ماتحت اپنے ارشادات کو بھی لکھواتے تھے۔ اور جو لوگ لکھنا جانتے تھے ان میں سے بڑے بڑے مستند و محترم لوگوں کو اس خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ بھلا یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ اس پیغمبرؐ نے جسے قیامت تک آنے والے انسانوں کی رہ نمائی من جانب اللہ سونپی گئی ہو اپنی تعلیم کو لکھنے سے منع فرما دیا ہو، کوئی ذرا سی بھی عقل و خرد رکھنے والا انسان ایسی غلط بات اپنی زبان پر نہیں لاسکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے نامہ ہائے مبارک آج تک ہو بہو نقل مطابق اصل بلکہ اصلی شکل میں دنیا کے اندر موجود ہیں اگر آپ اپنے ارشادات گرامی کے لئے مطلقاً قلم و دوات کو شجر ممنوعہ قرار دے دیتے تو آج یہ نامہ مبارک کیسے باقی رہ سکتے تھے، خود برق نے اقرار کیا ہے کہ:۔۔۔

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزدگرد شاہ ایران اور قیصر شاہ روم کی طرف خطوط بھیجے اور انہیں اسلام کی طرف دعوت دی“۔ (دوا اسلام ص ۷۷)

معلوم ہوا کہ آپ نے علی الاطلاق یہ حکم نہیں فرمایا تھا کہ میرے ارشادات نہ لکھے جائیں اگر یہ حکم علی الاطلاق ہوتا تو آپ اپنی باتوں کو بشکل نامیہ یزدگرد اور قیصر کی طرف لکھوا کر ہرگز نہ بھجواتے۔

اپنی احادیث کو آپ نے خود لکھوایا۔۔۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے ایک اہم ترین تقریر فرمائی جس میں آپ نے حرمت مکہ پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور دیت اور قصاص وغیرہ کے بارے میں بھی احکامات

صادر فرمائے۔ اس موقع پر ایک یمنی شخص ابوشاہ نامی نے درخواست کی کہ حضور مجھ کو آپ کی یہ جملہ احادیث جو آج آپ نے ارشاد فرمائی ہیں کتابی شکل میں مطلوب ہیں۔ آپ نے فوراً کاتب کو بلا کر ہدایت فرمائی: ”اكتبوا لابی فلان“ (ارشاد الساری جلد اول ص ۱۶۸) یعنی ابوشاہ کو یہ ساری احادیث کتابی شکل میں لکھ کر دے دو۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ممانعت کتابت کا حکم علی الاطلاق نہ تھا ورنہ آپ کبھی ابھی لکھنے کی ہدایت نہ فرماتے۔ علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

اجیب بان النهی خاص بوقت نزول القرآن خشية التباسه بغيره والاذن في غير ذلك والاذن ناسخ للنهي عند الامن من الالتباس۔ (ارشاد الساری ص ۱۷۰) یعنی لکھنے کی ممانعت خاص طور پر نزول قرآن کے وقت کے لئے تھی اس لئے کہ قرآن میں غیر قرآن کے التباس کا خوف تھا، اس ”خوف التباس“ کے علاوہ دیگر اوقات میں لکھنے کی آپ کی طرف سے عام اجازت تھی اور آپ کا یہ اذن ناسخ ہے ممانعت ان کے لئے جبکہ التباس کا خوف نہ ہو۔

صلح حدیبیہ میں جو معاہدہ لکھوایا گیا وہ ایک اہم ترین ”حدیث رسول“ کا متن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ہی کے ماتحت قید کتابت میں لایا گیا۔ برق صاحب وہاں نہ ہوئے؟ ورنہ فوراً کاتب کا ہاتھ پکڑ لیتے، قلم کو توڑ دیتے اور پوری برق طاقت کے ساتھ احتجاج بلند کر دیتے کہ کیا کرتے ہو؟ حدیث رسول کو قید کتابت میں کیوں لاتے ہو؟ اس وقت کے اسلامی ماحول میں یہ چیز نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ”کلمات طیبات“ کو قید کتابت میں لانا مطلقاً منع ہے۔ بخاری شریف کی روایت میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ اس موقع پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت علیؓ کو حکم فرمایا: ”اكتب هذا منا قاضی علیہ محمد از سوال اللہ“ یعنی ہماری اس ”حدیث صلح“ کو لکھو قرآن پاک کے علاوہ آپ کی زبان مقدس

سے نکلے ہوئے الفاظ کو لکھوانا اگر ممنوع ہوتا تو آپ حضرت علیؓ کو ہر گز یہاں ”حدیث صلح“ لکھنے کا حکم نہ فرماتے۔ ”مکتبہ ابنِ حدیث“ کی عقلوں کا ماتم کیجئے جو ایسی غلط بات جناب آقائے نامدار کی طرف منسوب کرتے اور آپ کی شانِ اقدس میں ایسی غلط بات منسوب جتے اور شائع کرتے ہیں۔ جو پیغمبرؐ کو دنیا میں علم کا اولین متا دین کر مبعوث ہوا ہو اور جس کا مقصد عظیم دنیا کی جہالت کو دور کرنا ہو وہ اپنی تعلیم کو لکھنے لکھوانے سے منع کر دے؟ ہر گز ہر گز یہ چیز سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، جو شخص آپ کی شانِ اقدس کے بارے میں ایسا غلط خیال سوچتا ہے وہ آپ کی شانِ مقدس میں سخت ترین توہین کا ارتکاب کرتا ہے اور اپنی غواہیت و سفاهت کا بدترین مظاہرہ“

مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل حدیث پر غور کیجئے جو ”برقی قسم“ کے جملہ توہمات کے ازالہ کے لئے کافی دانی الہیہ اور یہ وہ حدیث ہے جس کو محدثین کی ایک جماعت بالاتفاق صحیح قرار دیتی ہے۔ جس کو حافظ ابن عبد البرؒ نے نہایت وثوق کے ساتھ اپنی کتاب جامع العلم میں نقل کیا ہے ”برقی صاحب“ نے اپنے ”دوا اسلام“ میں جگہ جگہ اس کتاب سے حوالجات نقل کئے ہیں۔ کیا امید کی جا سکتی ہے کہ آپ اپنی اس مسلمہ کتاب کی اس روایت کو بھی صحیح تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوں گے؟

..... یاد رہے کہ برقی نے اس حدیث کو دو اسلام میں ۱۷ پر ”وضع“ بتلایا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: قلت یا رسول اللہ اکتب کل ما اسمع منك؟ قال نعم قلت فی الرضاء والغضب؟ قال نعم فانی لا اقول فی ذلک کله الا حقاً۔ (جامع ض ۶۲) میں نے عرض کیا: کیا حضورؐ میں جو کچھ بھی آپ سے سنتا ہوں اجازت ہو تو سب کو لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں لکھ لیا کرو میں نے کہا کہ آپ بعض دفعہ خوشی یا غصہ کی حالت میں کچھ فرماتے ہیں کیا ان کو بھی لکھ لیا کروں؟ فرمایا ہاں ضرور۔ کیونکہ ان حالات میں بھی میرے منہ سے جو نکلے گا وہ حق ہی ہو گا۔ صحیح ہے نہ؟

۱۔ دینی امور میں آپ کا کہنا خدا کا کہنا تھا۔ وما یطقی عن اللہوی انہن الا وحی یوحی

گفتہ: او گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود  
یہ روایت روز روشن کی طرح اس حقیقت کو آشکارا کر رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کی طرف سے کتابت حدیث کے لئے ”اجازت“ تھی اور آپ نے خود اس  
خدمت دین پر قابل لوگوں کو مامور کیا ہوا تھا۔ اس ”شہادت“ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا  
کہ آنحضرتؐ نے اپنی احادیث کے لکھنے سے منع فرمایا تھا براسر ”کوڑھ مغزی“ یا  
حدیث دشمنی کا ثبوت دینا ہے۔  
اس روایت کی روشنی میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ نے جو مجموعہ احادیث  
رسولؐ جمع کیا تھا مندرجہ ذیل روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ نے اسی کی طرف اشارہ کیا  
ہے۔ بخاری شریف میں یہ روایت ہے۔

عن وهب بن منبه عن اخيه قال سمعت ابا هريرة يقول ما من  
اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم اخذوا اكثر حديثا عنه مني الا ما كان  
من عبد الله بن عمرو فانه كان يكتب ولا اكتب۔ (بخاری شریف)  
حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں آپ کی  
احادیث کا مجھ سے زیادہ بیان کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ البتہ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ اس  
سے مستثنیٰ تھے اس لئے کہ وہ ”احادیث رسول کو آپ کے حکم کے مطابق آپ کے سامنے  
لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔“

ظاہر ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے جو مجموعہ احادیث بحکم رسولؐ لکھا اس میں  
احادیث کی تعداد زیادہ ہی ہوگی۔ اسی لئے تو حضرت ابو ہریرہؓ ان کا استثناء فرما رہے ہیں۔  
اور بھی ایسی مستند شہادات موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم اپنے فرامین کو لکھوا لیا کرتے تھے۔ یہ  
مسند دارمی میں ابو قبیل کی روایت سے عبد اللہ بن عمروؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد بیٹھ کر آپ کے ارشادات کو لکھا کرتے تھے اور آپ سے

پوچھا بھی کرتے تھے۔ الفاظ یہ ہیں:

بینما نحن حول رسول الله صلى الله عليه وسلم نكتب اذ ينزل رسول الله صلى الله عليه وسلم اى المدينتين تفتح اولاً قسطنطينية او رومية، منذ دارى میں یہ روایت بھی ہے جس کی تصدیق امام نسائی نے بھی کی ہے: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كتب الى اهل اليمن و كان فى كتابه الخ، یعنی رسول الله صلى الله عليه وسلم نے یمن والوں کی طرف اپنی احادیث کا ایک مجموعہ لکھوا کر بھیجا تھا۔ اس میں فلاں فلاں مسائل بھی تھے۔

حضرت انسؓ نبی کریمؐ کے خادم خاص اور صحابہؓ میں معمر ترین بزرگ ہیں، مگر برحق نے آپؐ کو بالکل غیر ذمہ دار احادیث کا خاکہ از خود بنالینے والا تحریر فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو دوا سلام ص ۲۷: سچ ہے۔

☆ حاصل خواجہ بجز پندار نیست

ان کے بارے میں مستدرک میں سعید بن بلال کا بیان ہے:

كنا اذا اكثرنا على انس بن مالك رضى الله عنه فاخرج الينا محالا عنده فقال هذه سمعتها من النبى صلى الله عليه وسلم فكتبها وعرضتها عليه۔ (مستدرک حاکم)

ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک دفتر نکالتے اور فرماتے یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنی ہیں۔ اور میں نے آپؐ کی حیات مقدسہ میں ان کو لکھا اور لکھ کر آپؐ پر پیش کیا۔ معلوم ہوا کہ احادیث کا یہ مجموعہ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصدیق کردہ شدہ تھا۔ حضرت انسؓ کے بعض شاگرد اس مجموعہ سے نقل بھی کیا کرتے تھے۔ دارمیؒ میں ہے: راوی کہتا ہے: رايت ابان يكتب عند انسؓ۔ میں نے ابانؓ کو دیکھا کہ حضرت انسؓ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے ہوئے لکھنے میں مشغول ہیں۔ حضرت انسؓ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

یا بنی قید و اھذا العلم۔ اے میرے بچو! اس علم کو لکھ کر مقید کر لیا کرو۔

حضرت انسؓ کی بابت اوپر کا بیان الفاظ کے تھوڑے سے رد و بدل سے دوسری کتابوں میں بھی ملتا ہے۔ جس کی صحت میں شبہ کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اس عہد نبوت میں صحیح احادیث کے قلم بند ہونے میں شک و شبہ کی کوئی بھی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ ان جملہ تصریحات کی روشنی میں برقی ذہنیت کے انسانوں کی ہفتوات محض ایک پادروا بن کر رہ جاتی ہیں اور یہ حقیقت وضاحت کے ساتھ سامنے آ جاتی ہے کہ آپؐ کی طرف سے ”ممانعت“ متن قرآن میں غیر قرآنی ”آمیزش“ کے لئے تھی اور یہ بے حد ضروری امر تھا کہ قرآن مجید کا متن مقدس محفوظ رکھا جائے اور اس میں کچھ بھی ”غیر قرآن“ کی آمیزش نہ ہونے پائے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس تاکید سے ممانعت نہ فرماتے تو ممکن تھا کہ قرآن مجید میں ”غیر الفاظ قرآن“ کی بھی آمیزش ہو جاتی۔ اس تفصیل کی روشنی میں ہر دو قسم کی مرویات یعنی بابت ”ممانعت کتابت اور بابت امر کتابت“ اپنے اپنے محل پر بالکل ٹھیک طور پر درست ثابت ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جب تک پورے ”ماحول“ کو سامنے رکھ کر کسی حدیث پر غور نہیں کیا جائے گا اس کا صحیح مفہوم ذہن نشین ہونا ناممکن ہے اور اس بارے میں صرف ”احادیث“ ہی کا یہ معاملہ نہیں ہے، بلکہ قرآن مجید کے بارے میں بھی آپؐ کو آیات کا پورا سیاق سابق دیکھنا ہوگا۔ اگر آپؐ ”آگے پیچھے“ سے ”بے نیاز“ ہو کر محض درمیان کے چند لفظوں کو لے اڑیں گے تو یہ قرآن دوستی نہیں ہوگی بلکہ بدترین قسم کی قرآن دشمنی ہوگی۔

مگر نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ منکرین حدیث نے اپنے ”مزعومات“ کو ثابت کرنے کے لئے ایسا ہی غلط و طیرہ اختیار کیا ہوا ہے۔ سارے ماحول سے آنکھیں بند کر کے کسی جملہ کو لے اڑنا یہ بدترین قسم کی بددیانتی ہے، جسے علم اور اخلاق کی دنیا میں کسی طور سے بھی جائز اور مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا۔ شرعی اصطلاح میں اس ”حرکت“ کو لفظ

۱۔ حضرت عمرؓ سے بھی اس مضمون کو بیان العلم وغیرہ میں نقل کیا گیا ہے۔

”افتراء“ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جس پر قرآن مجید نے یہ سزا تجویز کی ہے۔

انما یفتری الکذذب الذین لا یؤمنون بأیات اللہ

افتراء پر دازی ان کا کام ہے جن کا خدا کی آیات پر ایمان نہیں۔

ایک پاکیزہ بحث

پچھلے تفصیلات سے معلوم ہو چکا ہے کہ جناب آقائے نادر صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مقدس الفاظ کے تحفظ کے لئے کتابت قرآن کے وقت خالصاً قرآنی الفاظ کو لکھنے اور غیر قرآن کی اس میں آمیزش نہ کرنے کے لئے تاکید فرمایا تھا۔ احادیث کا معاملہ اس سے بالکل الگ تھلک تھا۔ قرآن مجید کی طرح احادیث کو بھی بیشتر صحابہ حفظ یاد کرتے تھے مگر لکھنے والے بھی تھے جو آپ کی نگرانی میں اس خدمت پر مامور تھے۔ عام مسلمانوں کا رجحان طبع قرآن مجید کے لئے بھی اور حدیث شریف کے لئے بھی ”حفظ“ کی طرف زیادہ تھا۔ اس بارے میں ہم مناسب جانتے ہیں کہ مزید تفصیلات علامہ ابن عبد البر ہی کی پیش کردہ تصریحات کی روشنی میں ناظرین کے سامنے رکھیں۔ ناظرین نہیں بھولے ہوں گے کہ یہ علامہ ابن عبد البر ”برق صاحب“ کے نزدیک بھی مسلم ”ملا“ ہیں۔ اور ان کی کتاب سے بکثرت آپ نے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے ناظرین پر مزید واضح ہو جائے گا کہ حقیقت کیا ہے؟ اور برق نے حقیقت کو خرافات سے بدلنے کی کیسی ناکام خدمت انجام دی ہے۔

حضرت علامہ ابن عبد البر نے اپنی کتاب ”مختصر جامع بیان العلم“ میں ”علم حدیث“ کے جملہ متعلقات پر بہترین فاضلانہ تفصیلی بیانات حوالہ قلم کئے ہیں آپ نے قرآن پاک کی آیت ”انارة من علم“ سے ”روایت عن الانبیاء“ کو ثابت کرتے ہوئے ”علم حدیث“ کی صداقت کو نص قرآن سے ثابت کیا ہے۔ (دیکھو ص ۳۲) پھر اس کے متعلق شرائط و قواعد و ادب پر روشنی ڈالی ہے۔ اس ذیل میں ایک پاکیزہ بحث یہ



بھی سامنے آئی ہے کہ ”حدیث“ کو حفظ یاد کرنا ہی ضروری ہے یا اس کو قید کتابت میں بھی لانا چاہئے۔ قرونِ اولیٰ کے عربوں کے بارے میں غلامہ کی تصریح سنئے:

انهم كانوا مطبوعين على الحفظ مخصوصين بذلك. (جامع ص ۳۵)  
عربوں کی یہ جبلت تھی کہ وہ حفظ کرنے ہی کو زیادہ پسند کرتے تھے اور یہ ان کی خصوصیات میں سے ہے۔ مزید یوں تشریح فرماتے ہیں:

ان العرب قد خصت بالحفظ كان بعضهم بحفظ اشعار بعض في سمعة واحدة. (جامع ص ۳۵) یعنی عربوں کی خصوصیات میں سے ان کی ”قوتِ حافظہ“ بھی ہے۔ حتیٰ کہ ان میں سے بعض لوگ بعض کے پورے اشعار کو ایک ہی دفعہ سن کر حفظ کر لیا کرتے تھے۔ ان ہی خصوصیات کی بناء پر خود ”قرآن مقدس“ کو بھی ہیئتِ کذابیہ میں مکمل طور پر زمانہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں قید کتابت میں نہیں لایا گیا اور نہ آپ کی احادیث کو مکمل طور پر کتابت میں مقید کرنے کا خیال اس وقت تک عرب مسلمانوں میں پیدا ہوا۔ بعد میں اسلام عرب سے نکل کر دیگر ممالک میں شائع ہوا تو مسلمانوں کے سامنے نئی نئی ضروریات کے ماتحت ”کتابت“ کا مسئلہ بھی آیا۔ شروع میں ”کتابت و جمع قرآن“ کی تحریک تنگ پر مباحثے ہوتے رہے بالآخر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق قرآن مقدس کو مکمل طور پر لکھنے کا فیصلہ ہوا۔ بعد میں اکابر اسلام کی توجہ ”حدیث شریف“ پر ہوئی تو حدیث کو بھی قید کتابت میں لانے کا کام پورے حزم و احتیاط کے ساتھ انجام دیا گیا، پہلے خیال کے ماتحت بعض لوگ حدیث کو حفظ کرنا ہی ضروری جانتے رہے۔ اس کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ ان کے دماغوں میں حدیث کی اہمیت نہیں تھی بلکہ صرف لکھنے نہ لکھنے کی اولیت زیر بحث تھی۔ خود اصحاب ”رسول“ میں بہت سے بزرگ ایسے بھی ملتے ہیں کہ انہوں نے قرآن مجید کی سورتوں کی طرح احادیث نبوی کو بھی قلم بند کر لیا تھا جیسا کہ ابھی آپ پڑھ آئے ہیں۔ بعض حفظ

۱۔ عربوں میں کتابت کی بجائے حفظ ہی کو پسند کیا جاتا تھا (یورین مفکر گوٹ سپر)

ہی کو زیادہ بہتر جانتے تھے چنانچہ ان تفصیلات کے لئے علامہ ابن عبد البرؒ اپنی کتاب مختصر جامع بیان العلم میں باب منعقد فرماتے ہیں: باب ذکر کبراہیۃ کتاب العلم و تخلیدہ فی الصحف (جامع ص ۳۲) یہاں ”العلم“ کی شرافت، عظمت، اہمیت میں کوئی شبہ ہرگز نہیں ہے بلکہ اس کے لکھنے کی بحث کا ذکر ہے اور اس باب کے ذیل میں علامہ نے کچھ ایسے بزرگوں کے اقوال نقل کئے ہیں جو ”حفظہی کو بہتر جانتے تھے۔ اور ”العلم“ کو قید کتابت میں لانا وہ پسند نہیں کرتے تھے۔ یہی وہ اقوال ہیں جن کو برقیؒ نے ”حدیث دشمنی“ کے لئے استعمال کیا ہے۔ حالانکہ حدیث کی اہمیت اور عظمت کے متعلق یہاں مطلقاً ”تعرض“ نہیں ہے اور یہ انتہائی بددیانتی ہے کہ ”توجیۃ القول بما لا یرضی بہ القائل“ کے مطابق ہم اسلاف اسلام کی پاک ضمیروں کو اپنے ناپاک، ہفوات سے ملوث کرنا چاہیں، اس ”بدکرداری“ کے لئے بدخطوبائع ہی تیار ہو سکتی ہیں۔ اسلاف کرام صحابہ رسولؐ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں الزام تراشہ ان پر بہتان باندھنا اتنا بڑا جرم عظیم ہے کہ ایسے مجرمین کے لئے یقیناً لعنہم اللہ فی الدنیا والآخرۃ“ کی سزا ہے۔

تفصیلات کو حوالہ قلم کریں گے تو ہمارا صرف یہی مقالہ ایک ضخیم کتاب بن جائے گا۔ لہذا ہم ناظرین سے اپیل کریں گے کہ وہ اگر خود قابل ہیں تو حضرت علامہ ابن عبد البرؒ کی کتاب مختصر جامع بیان العلم کا مطالعہ فرمائیں اگر عربی کی قابلیت نہیں رکھتے ہیں تو اہل علم سے ان جملہ حوالجات کو اصل کتاب میں تلاش کرا کر برقیؒ کی کتبونت اور ناکام جدوجہد کا تماشا دیکھیں۔ خود علامہ ابن عبد البرؒ نے اپنی اسی کتاب میں بحث کے اس پہلو پر روشنی ڈالنے کے بعد بحث کے دوسرے پہلو یعنی ”اہمیت کتاب حدیث“ پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے چنانچہ آگے صاف موجود ہے۔ دیکھو ص ۳۶۔

## باب الرخصة فی کتاب العلم

”العلم“ کو لکھنے کی رخصت کے بیان میں اس میں علامہ نے خود صحابہ کرامؓ کے

اقوال اور ان کے عمل سے ثابت کیا ہے کہ علم حدیث کو بجائے ”حفظ محض“ کے قید کتاب میں لانا بہتر ہے۔ بزرگی و اہمیت یہاں بھی مسلم ہے۔ اس سے تو نہ وہاں تعرض تھا نہ یہاں۔ مگر افسوس کہ برق ”حدیث دشمنی“ کے ”بخار“ میں مبتلا ہو کر سرے سے ”حدیث“ ہی کا نام و نشان مٹانا چاہتے ہیں اور اپنے ناکام و ناپاک مقصد کے لئے بزرگان اسلام کے اقوال و افکار کو غلط اور بے محل استعمال کرتے ہیں۔ برق صاحب کان کھول کر سن لیجئے صداقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے کہ خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذ کے پھولوں سے

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں: وقد كره جماعة من الصحابة والتابعين كتابة الحديث واستحبوا ان يؤخذ عنهم حفظا كما اخذوا حفظا لكن لما قصرت الهمم و خشى الائمة ضياء العلم دونوه و اول من دون الحديث ابن شهاب الزهري على راس المائة بامر عمر بن عبد العزيز ثم كثر التدوين ثم التضييف و حصل بذلك خير كثير والله الحمد والمنة (ارشاد الساری جلد اول ص ۱۷۰)

یعنی صحابہؓ اور تابعینؒ میں ایک جماعت اس خیال پر رہی کہ حدیث کو جس طرح انہوں نے منہ زبانی حفظ یاد کیا ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد بھی حفظ ہی یاد کریں پھر بعد کے زمانوں میں جب لوگوں کی ہمت پست ہو گئی اور ائمہ اسلام کو علم دین کے ضائع ہو جانے کا خوف پیدا ہوا تو پھر انہوں نے ”تدوین“ کا کام شروع کر دیا اور پہلی صدی کے خاتمہ پر سب سے پہلے علم حدیث کی باضابطہ تدوین حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے حضرت علامہ ابن شہاب زہری نے شروع کی اور بعد میں تدوین و تصنیف کا یہ کام ترقی پذیر ہوتا گیا۔ جس سے الحمد للہ امت کو بے حد فائدہ حاصل ہوا۔ اور حقیقت ہے کہ اگر ان نازک ترین زمانوں میں جبکہ مسلمان خانگی سیاست میں الجھے ہوئے تھے ائمہ اسلام اس طرف متوجہ نہ ہوتے تو علم دین قطعاً ضائع ہو جاتا۔

قرآن مجید محض ”ایک معمر“ بن کر رہ جاتا۔ مگر اللہ تعالیٰ کو قرآن اقدس سے تاقیام  
سماعت بنی نوع انسان کی ہدایت کا کام لینا تھا۔ اس لئے اس کی تشریح کے لئے ”اسوہ  
رسول“ کو مدون کرا کر تاقیام ساجت محفوظ کر دیا۔ اب ”حدیث دشمن“ منہ زور لوگ  
ہزار چینیں چلائیں، غل غپاڑہ مچائیں ”علم حدیث“ کی آب و تاب میں ذرہ برابر بھی  
فرق نہ آ سکے گا۔ بلکہ حدیث ایسے لوگوں کے جواب میں یوں کہہ سکتی ہے: سہ

و اذا اتتک مذمتی من ناقص ☆ فہی الشہادۃ بی بانی کامل  
جب کوئی ناقص تجھے میری مذمت سنائے تو وہ اس بات کی شہادت ہے کہ میں  
کامل ہوں۔

قال الحافظ فی الفتح اختلاف السلف فی ذلک عملاً و ترکاً و ان  
کان الامر استقر والاجماع انعقد علی جواز کتابۃ العلم بل علی  
استحبابہ بل لا یبعد وجوبہ علی من رخصی النسیان ممن یتعین علیہ تبلیغ  
العلم۔ (تحفۃ الاحوذی جلد ۳ ص ۳۷۵) ان تفصیلات کے بعد آپ برق صاحب کی  
ہفوات کا اندازہ لگانے کے لئے ان سارے حوالجات کا مطالعہ کر جائیے جو انہوں نے  
اس باب میں ۲-۳-۹-۱۱-۱۳-۱۴ وغیرہ وغیرہ نمبروں کے تحت نقل کئے ہیں ان سب  
کا تعلق کتابت و عدم کتابت کی پاکیزہ بحث سے ہے ”اہمیت حدیث“ سے ان میں کچھ  
بھی تعرض نہیں ہے مگر برق صاحب کی وہ مثال ہے کہ

ہر چہ آید در گھیسٹم بیر گھسلی سب رواست

حدیث دشمنی کی عینک لگا لینے کے بعد آپ کو اپنے چاروں طرف ہر جگہ یہی  
منظر یہی تماشہ نظر آتا ہے۔ برق صاحب؟ کان کھول کر سنئے یہ  
تم اگر لاکھ برا چاہو تو کیا ہوتا ہے ☆ حاتی کار صداقت کا خدا ہوتا ہے

۱۔ علم حدیث کا لکھنا جائز مستحب بلکہ واجب ہے ان مبلغین کے لئے جن کا حافظہ کمزور ہو۔

## حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں

برقی ہفتات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے احادیث کا مجموعہ جلا دیا تھا اس کو برقی نے بار بار ذکر کرنے کی ”سعی“ کی ہے۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق کے بارے میں ایسا خیال قائم کرنا کہ وہ اپنے محبوب رسولؐ کے ارشادات کے مجموعہ کو نذر آتش کر دیا کرتے تھے ان ہی لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جن کے قلوب ناپاکیوں کے انبار سے متعفن ہو چکے ہیں۔ مگر ہمارا یقین ہے کہ ہمارے محترم ڈاکٹر برقی ان گندے لوگوں میں سے نہیں ہیں اس لئے خود ہی انہوں نے اپنی اس ”برقی گپ“ کا ازالہ فرما دیا ہے، چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

ذرا سوچو کہ رسولؐ کا عہد ہے شمع نبوت پر فدا ہونے والے ہزاروں پروانے موجود ہیں اور حضورؐ کے دو سب سے بڑے دوست اور فدائی آپؐ کے اقوال کا ذخیرہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کر رہے ہیں آخر کیوں؟ کیا انہیں ارشادات رسولؐ سے ضد تھی؟ یا اقوال رسولؐ میں تحریف ہو چکی تھی؟ ظاہر ہے کہ پہلی وجہ غلط ہے اور دوسری صحیح۔ (دو اسلام ص ۴۲)

برقی کا ضمیر کہہ رہا ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے یہ توقع کی ہی نہیں جاسکتی کہ وہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ کو نذر آتش کر دیں۔ پس جن کو آپؐ نے نذر آتش کیا ہے وہ اقوال رسولؐ ہی نہ تھے بلکہ مشتبہ اور مشکوک چیزیں تھیں اور یہ آپؐ کا کمال احتیاط تھا کہ کوئی مشکوک چیز میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔ ظاہر ہے کہ اسلام کے دورِ اول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حفاظت اسلام کی سب سے زیادہ ذمہ داری حضرت سیدنا ابوبکرؓ ہی کے

کاندھوں پر تھی اس لئے ان کو بہت دور اندیشی سے کام لینا تھا۔ وہ صحیح احادیث کے محافظ تھے۔ قرآن پاک کے محافظ، ان کا یہی فرض تھا کہ ہر اس سوراخ کو بند کر دیں جس میں سے اسلام اور بانی اسلام کے چشمہ صافی کسی ملاوٹ کے لئے کی بھی کثافت کے آنے اور ملنے کا امکان نہ ہو۔

### صدیق اکبرؓ پر بہتان عظیم

برق لکھتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے پانچ سو احادیث کے ”قابل اعتماد“ مجموعہ کو جلا دیا تھا۔ (دو اسلام ص ۴۲)

یہ حضرات ابو بکر صدیقؓ کی شان میں برق کی انتہائی دریدہ دہنی ہے۔ ہم پہلے لکھ آئے ہیں کہ جس مجموعہ کو حضرت صدیقؓ نے نذر آتش کیا وہ مشکوک اور مشتبہ اقوال پر مشتمل تھا۔ آپ سے جب اس کے جلانے کی وجہ دریافت کی گئی تو آپ نے فرمایا: خشیت ان اموت و ہی عندی فیکون فیہا احادیث عن رجل قد ائتمنتہ و وثقت ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت ذاک فہذا لا یصح۔ (تذکرۃ الحفاظ ص ۵ ج ۱) یعنی مجھے خوف ہوا کہ ان میں ایسے لوگوں کی مرویات ہوں جن کو میں نے امانتدار اور ثقہ سمجھا ہوا اور حالانکہ ان کی مرویات اعتبار کے قابل نہ ہوں اور میں نے ان کو نقل کر دیا ہو۔ پس میرا ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔

یاد رہے کہ برق صاحب نے ”صرف اپنے مطلب کی بات“ نقل کر کے روایت کے اس حصہ کو نقل ہی نہیں کیا ہے۔ دیکھو دو اسلام ص ۱۴۲

حضرت صدیق اکبرؓ کا بیان وضاحت کے ساتھ بتلا رہا ہے کہ وہ مجموعہ قابل اعتماد نہ تھا اس لئے اس کا تلف کرنا ہی مناسب تھا۔ اگر وہ قابل اعتماد ہوتا تو آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کرتے۔ پس ”برقی ذہنیوں“ کا یہ سراسر بہتان ہے کہ حضرت صدیقؓ نے احادیث کے

۱۔ یہ علامہ ذہبی کا قول بھی ہو سکتا ہے کہ یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے۔

قابل اعتماد مجموعہ کو جلا دیا۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت ہی سراسر باطل ہے۔ (برق اسلام ص ۹۱) اسی طرح مسند خلافت پر جلوہ آرائی کے وقت آپ نے عامہ مسلمین کو انتباہ کیا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کرنے میں اگر ابھی سے تم لوگ اختلافات شروع کر دو گے تو بعد کے لوگ یقیناً بہت کچھ اختلافات میں پڑ سکیں گے۔ اس لئے آپ کے بارے میں جو بات نقل کرو اس میں احتیاط اور اعتماد کو پورے طور پر ملحوظ رکھو، اس پر علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

مراد الصديق التثبت في الاخبار والتحري لا سد باب الرواية  
الاتراه لما نزل به امر الجدة ولم يجده في الكتاب كيف سال عنه في  
السنن فلما اخبره الثقة ما اكتفى حتى استظهر بثقة آخر ولم يقل حسبنا  
كتاب الله كما تقوله الخوارج. (تذكرة ج ۱ ص ۴۳)

یعنی صدیق اکبر کا مقصد احادیث نبوی کے بارے میں زیادہ سے زیادہ احتیاط کا پہلو اختیار کرنا تھا۔ رسول علیہ السلام سے احادیث کو مطلقاً روایت کرنے کی روک تھام ہرگز ہرگز آپ کا منشاء نہ تھا۔ آپ تو خود بیشتر مقامات پر جب کوئی مسئلہ صراحۃً قرآن میں نہ پاتے تو احادیث کی تلاش کے لئے لوگوں سے پوچھا کرتے تھے، جیسا کہ وادی کے ورثہ کے بارے میں آپ نے حدیث کو تلاش کیا اور اس کی تصدیق کرا کر اسکے مطابق فتویٰ صادر فرمادیا اور آپ نے ”خارجیوں“ اور ”برقیوں“ کی طرح اس موقع پر حسبنا کتاب اللہ کا نعرہ نہیں لگایا۔

### دیانتداری کا نمونہ

برق کی دیانتداری ملاحظہ ہو کہ ناقص بیان نقل کر کے اور تفصیلات کو چھوڑ کر کس طرح سے حضرت صدیق مہتمم کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے۔ برق کے دل میں اگر ذرہ برابر بھی حضرت صدیق کی وقعت ہے تو ہم حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی

روایت کردہ ایک حدیث گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔ سنئے حضرت صدیق کیا پیاری حدیث روایت فرماتے ہیں:

ایاکم والیکذب فان الکذب یهدی الی الفجور والفجور یهدی الی النار (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۲) لوگو! جھوٹ سے بہت بچو۔ جھوٹ انسان کو فسق (بے دینی اور حد سے تجاوز کرنے) کی طرف پہنچا دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ سراسر دوزخ کا داخلہ ہے۔  
برق صاحب کو چاہئے کہ کم از کم حضرت صدیق اکبرؓ کی اس نقل کردہ حدیث ہی پر کار بند ہو جائیں۔ پھر انشاء اللہ دل کی تمام ”خلش“ دور ہو جائے گی۔ بلا شک میرے پیارے محبوب فدائے ابی و امی کا فرمان واجب الاذعان بالکل برحق ہے۔

علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر و ابن البر یهدی الی الجنة۔ (حدیث) لوگوں سچائی کو اپنے لئے لازم قرار دے لو اس لئے کہ سچائی تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے اور ظاہر ہے کہ نیکیوں کا نتیجہ جنت ہے۔

### صحیح مستند احادیث اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

قرآن پاک کے بعد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی کا دستور العمل تھیں اس پر اگر تفصیل سے لکھوں گا تو بہت طوالت ہو جائے گی۔ مختصراً صرف دو ایسے واقعات پیش کرتا ہوں جن کی صحت پر تمام امت کا اجماع ہے حتیٰ کہ شیعہ حضرات کو بھی ان کے وقوع میں کلام نہیں ہے۔

(۱) اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تخت خلافت پر جلوہ افروز ہونا ایسے وقت ہوا کہ مسلمانوں میں انتشار عام کا خطرہ تھا۔ مہاجرین مصر تھے کہ غلیفہ ہم میں سے ہو، انصاری کہتے تھے کہ ہم زیادہ حقدار ہیں یہ کش مکش جاری تھی اور خطرہ تھا کہ معاملہ طول نہ پکڑ جائے، صدیق اکبر کھڑے ہوئے اور اس جھگڑے کو ختم کرنے کی اپیل کی اور یہ ”حدیث“ پیش فرمائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ”الاثمۃ من قریش“



خلاف قریش کا حق ہے۔ اس حدیث کو صدیق اکبرؓ نے ”استدلالاً“ پیش کیا۔ جس کو سنتے ہی فوراً تمام صحابہؓ کے سر تسلیم خم ہو گئے اور جھگڑے کو ختم کر دیا۔ حضرت عمرؓ بھی مجمع میں موجود تھے مگر آپ نے حضرت صدیق کی زبان مبارک سے یہ حدیث سن کر ”برقی گپوڑے“ کے مطابق ”حسبنا کتاب اللہ“ کا نعرہ نہیں لگایا۔ بلکہ حدیث کو تسلیم کر لیا۔ اس سے یہ پہلو بھی واضح ہو گیا کہ جمیع صحابہؓ اقوال و احادیث رسولؐ کو دین میں بطور حجت و دلیل تسلیم کرتے تھے اور کسی ایک کو بھی اس بارے میں اختلاف نہ تھا اور یہ کیونکر ممکن تھا جبکہ قرآن پاک کا حکم: فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموا فیما شجر بینہم السخ: ان کے سامنے موجود تھا۔ جس میں اللہ پاک نے قسم کھا کر بتلایا ہے کہ جو لوگ رسول علیہ السلام کی احادیث کو تسلیم نہ کریں ان میں ایمان کی بو بھی نہیں ہے۔

(۲) بعد تقرر خلافت حضرت خاتون جنت رضی اللہ عنہا نے دعوائے وراثت از والد بر بنائے تعلیم قرآن کیا۔ کون نہیں جانتا کہ مسئلہ وراثت شرعی مسئلہ ہے اس کے جواب میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے حدیث ”لا نورث ما ترکنا صدقہ“ ”ہمارا ترکہ تقسیم نہیں ہو سکتا ہم نے جو کچھ چھوڑا وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ ہے“ بنا کر دعویٰ خارج کر دیا۔ یہ دونوں واقعات ایسے ہیں کہ جن کے وقوع میں ساری امت کا اتفاق ہے۔ اور ان کی بنیاد محض دو حدیثوں پر ہے۔ جن کو حضرت صدیق اکبرؓ نے بطور دلیل پیش کیا تھا اور اس استدلال کو جمہور مسلمانوں نے پسند فرما کر قبول فرمایا۔ ان واقعات سے آفتاب نصف النہار کی طرح یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جمہور اہل اسلام صحابہؓ و تابعینؓ ”حدیث رسولؐ“ کو دین میں دلیل و حجت تسلیم کرتے تھے اور حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ و سیدنا عمرؓ ”حدیث رسولؐ“ کو قرآن پاک کے بعد دین کے لئے ”مدار علیہ“ جانتے تھے۔ اور اسی کے مطابق آپ حضرات کا دستور العمل تھا۔ پس جس مجموعہ کو صدیق اکبرؓ نے جلایا وہ مشکوک اور مشتبہ ہونے کی بنا پر جلانے ہی کے قابل تھا جس طرح آج کل مطالع میں ہم دیکھتے ہیں کہ غلط اور مخلوط اور مشکوک کاپیوں کو خارج

کر دیا جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ساری کتاب ہی مشکوک اور مشتبہ ہو چکی اور اب اس کا صحت کے ساتھ تیار ہونا ہی ناممکن ہے۔

ایک اور روشن کارنامہ

حضرت انسؓ کہتے ہیں:

ان ابا بکر کتب له هذا الكتاب لما وجهه الى البحرين . بسم الله الرحمن الرحيم . هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم على المسلمين والتي امر الله بها رسوله فمن سئلها من المسلمين على وجهها فليعطها ومن سئل فوقها فلا يعط في اربع و عشرين من الابل الخ . (بخاری شریف)

کہ جب مجھ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بحرین کی طرف عامل بنا کر بھیجا تو صدقات کے بارے میں ایک نصاب نامہ لکھ کر دیا جس کا متن یوں تھا: بسم الله الرحمن الرحيم یہ نصاب ہے صدقات کا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے اور جس کے ساتھ اللہ نے اپنے رسول کو حکم فرمایا ہے۔ پس اس کے مطابق جس مسلمان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جائے وہ بلا تردد ادا کر دے اور جس سے اس سے زیادہ مطالبہ کیا جائے اس کو حق ہے کہ وہ انکار کر دے۔ پھر آگے تفصیلات کو آپ نے قلم بند فرمایا۔ اس روایت سے ان امور پر روشنی پڑتی ہے کہ:

(۱) حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس اس نصاب نامہ کا متن نبوی موجود تھا۔

(۲) اس کی کاپی کر کے آپؓ نے حضرت انسؓ کے سپرد کی، جبکہ وہ بحرین میں

بحیثیت تحصیلدار بھیجے جا رہے تھے۔

(۳) حضرت ابو بکرؓ کا عقیدہ تھا کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن کے لئے قرآن

پاک میں کھلی ہدایات نہیں ہیں اور اللہ نے اپنے حبیب کو ”غیر قرآن“ یا ”وحی خفی“ کے

ذریعے سے ان سے آگاہ فرمایا ہے اور ایسے امور کے بارے میں فرمودات رسول صمیمین فرمودات خدا ہیں۔

(۴) وہ ایسی ”غیر قرآنی“ ہدایات کو بھی من عند اللہ ہی جانتے تھے۔

(۵) اس سے یہ بھی واضح ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ میں بہت سے اہم مسائل کی کتابت کرا دی تھی۔

ان جملہ تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرامین رسول کو جو قرآن میں نہ ہوں اللہ ہی کی طرف سے جانتے تھے اور اس ”حرکت بد“ کے حق میں ہرگز ہرگز نہ تھے کہ فرامین رسول کو جلا دیا جائے یا ان کی اشاعت روک دی جائے۔ بلکہ آپ تو خود ایسی خصوصی دستاویزات نبوی کو محفوظ رکھتے اور ان کی بوقت ضرورت کا پیاں کرایا کرتے تھے۔ مزید وضاحت کے لئے مندرجہ ذیل روایت پر غور کیجئے: عن عبد اللہ بن عمر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد کتب الصدقة ولم یخرجھا الی عمالہ حتی توفی قال فاخرجھا ابو بکر من بعدہ فعمل بها حتی توفی الخ۔ رواہ احمد (مقدمہ تحفۃ الاحوزی ص ۲۰)

عبد اللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق نصاب نامہ اپنی حیات مقدسہ ہی میں تحریر کرا دیا تھا۔ مگر اس کی اشاعت عام کا موقعہ نہیں ملا۔ آپ کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے اسے شائع کیا اور تادم وفات اسی کو ”مالیات“ میں معمول بنایا اور زکوٰۃ عشر اسی کے مطابق لیتے رہے۔

ان ساری تفصیلات سے ان جملہ ہفتاب کی بھی قلعی کھل جاتی ہے جو ”حدیث دشمن“ بد لگاموں نے حوالہ قلم کی ہیں۔ اور روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے احکامات و ہدایات کو قلم بند کرایا کرتے تھے اور آپ کے خلفاء نے ان کی اشاعت کی اور ان کو اپنا معمول بنایا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بابت ایسا گمان بد کرنا کہ ان کو فرامین رسولؐ سے اس قدر نفرت ہو گئی تھی کہ ان کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر

وہ جلاتے رہتے تھے۔ ان ہی بد باطن لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جن کے قلوب نور ایمان سے قطعاً خالی ہو چکے اور جن کو خدا کی لعنت و پھینکار نے اسفل السافلین کے طبقہ میں ڈال دیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا تو یہ حال تھا کہ بہر حال اطاعت فرمان رسولؐ کے لئے ہمہ تن تیار رہتے۔ آپؐ کے ہر ہر ارشاد پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتے اور اس بارے میں کسی بھی غلامت کرنے والے کی غلامت کی پروا نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حدیث ”لا نوث الخ“ کے مشہور تاریخی واقعہ سے ظاہر ہے۔

مسئلہ کذاب کی لڑائی میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن پاک جاتا رہے گا۔ اس لئے قرآن کی جمع و ترتیب کا معقول بندوبست ہونا چاہیے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کھلے لفظوں میں فرمایا کہ:

”جو کام رسول اللہؐ نے نہیں کیا میں کیوں کر کروں؟“

بار بار یہی فرماتے رہے، مگر حضرت عمرؓ نے جب اس مسئلے کے نشیب و فراز کو آپؐ کے ذہن نشین فرمادیا تو پھر آپؐ حضرت عمرؓ کی رائے سے متفق ہوئے۔ اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا آپؐ کی متابعت آپ کے ہر فرمان کا امتثال حضرت ابوبکر صدیقؓ کی زندگی کا نصب العین تھا۔ رضی اللہ عنہ

مرویات حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

اسماء الرجال کی مستند کتاب خلاصۃ التہذیب میں آپ کے بارے میں لکھا ہے:

اول الرجال اسلاماً و رفیق سید المرسلین فی حجرتہ شہد المشاہد و کان من افضل الصحابة و روی مائة و اثنین و اربعین حدیثاً الخ۔

یعنی مردوں میں سب سے پہلے اسلام کی دولت سے نالا مال ہونے والے اور جناب سید المرسلین کے رفیق ہجرت ”یار غار“ جناب ابوبکر صدیقؓ ہیں جو بیشتر لڑائیوں میں آپؐ

کے ہمراہ رہے۔ صحابہ میں آپ کا درجہ سب سے افضل ہے آپ نے ۱۴۲ حدیثوں کو روایت کیا ہے۔ جن میں ۶ حدیث متفق علیہ ہیں اور صرف بخاری شریف میں ۱۱، اور صرف مسلم میں ایک۔ باقی دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں۔ برقی صاحب کیا بقول آپ کے قابل اعتماد احادیث کے ذخائر کو جلانے والے صدیق اکبرؓ سے ۱۴۲ حدیثیں نقل ہو سکتی ہیں؟ واللہ یہ قابل اعتماد کالفاظ ایجاد کر کے آپ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں وہ گستاخی کی ہے جس کی مثال شاید سارے شیعہ لٹریچر میں بھی نہ مل سکے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں ”مسند ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نام سے“ نو احادیث کو نقل کیا ہے۔ جس میں بیشتر کا تعلق مسئلہ خلافت سے ہے دیکھو ازالۃ الخفاء ص ۱۱۴)

یہ جملہ تفصیلات منکرین حدیث کی اس ”بکواس“ کی تردید کے لئے کافی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ احادیث نبوی کے خلاف تھے اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے رہتے تھے۔ آخر میں اس ”جلانے“ پر ہم اتنا اور مزید اشارہ کر دیتے ہیں کہ یہ جلانا ایسا ہی تھا۔ جیسے کہ قرآن پاک کا صحیح نسخہ مرتب ہو جانے کے بعد غیر مرتب شدہ تمام نسخوں کو تلف کر دیا گیا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ مشکوک چیز ختم ہو جائے اور غیر مشکوک یقینی چیز باقی رہے۔ ”احادیث“ کے بارے میں حضرات شیخینؓ کا یہی منشا تھا۔ اس کے خلاف جو شخص کچھ کہتا یا سوچتا ہے وہ یقیناً حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے پاکیزہ ضمیروں پر حملہ کرتا ہے اور ان کی منشاء کے قطعاً خلاف ان پر کھلا ہوا اتہام لگاتا ہے۔

ثم یرم بہ بریئاً فقد احتمل بهتاناً و اثماً مبیناً ۵

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں

حدیث دشمنی کے لعنتی مرض میں گرفتار ہونے والے ”ملاحدہ“ نے اپنی بدباطنی کے

لئے بطور ”ڈوبتے کو تنکے کا سہارا“ حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے نام نامی کو بھی بہت کچھ ”اچھالا“ ہے اور یہ ثابت کرانے کی ناکام کوشش تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”حدیث“ کے سخت خلاف تھے اور احادیث کو ختم کرنے، مٹانے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ”یہ آج کل کے رنگین ملاحدہ“ کی ایسی بکواس ہے کہ خیال ناقص میں آج سیدنا عمر فاروقؓ دینائے اقتدار میں تشریف لے آئیں اور ان ”ملاحدہ“ کی ان ہفوات کو سن پائیں تو مارے کوڑوں کے ان کے اوسان خطا کردیں اور تازیانہ فاروقی سے ان کی چڑیوں کو اڈھیڑ ڈالیں۔ حضرت عمرؓ کی شانِ جلالت سے بالکل یہی امید ہے۔ یہ سچ ہے کہ جھوٹے مضامین کذاہین کے لئے آپؐ ہمہ وقت شمشیر بکف رہتے تھے اور یہ بھی اپنی جگہ پر سچ اور حق ہے کہ امر حق کی تکذیب کرنے والوں تک کے لئے بھی آپؐ کا وجود قضائے مہم کا حکم رکھتا تھا۔

چونکہ حضرت عمرؓ کا نام نامی ہمارے برقؓ نے بھی بار بار اچھالا ہے۔ اس لئے ہم حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اس بارے میں صحیح کیفیت بیان کرنے کے لئے ذرا تفصیل سے کام لیں گے۔ یہ اللہ عزوجل کے فضل سے ہے۔

برقؓ نے جگہ جگہ اس ناپاک الزام کو دہرایا ہے کہ حضرت صدیقؓ اور فاروقؓ جدیدیوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر فنا کرتے رہے۔ (دور اسلام ص ۵۱) حضرت صدیقؓ کے بارے میں تو تفصیلات ملاحظہ فرما چکے ہیں، ایسا حضرت فاروقؓ کے بارے میں سمجھ لیجئے یہ قطعاً جھوٹ، بہتان ہے جو حضرت عمرؓ کے بارے میں منکرینِ حدیث کی طرف سے بار بار دہرایا جاتا ہے۔

**اصل معاملہ**

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا مقام صدیق اکبرؓ کے بعد بہت بڑا ہے اپنے وقت میں آپؐ پر بھی اسلام اور ملت اسلامیہ کی اہم ترین ذمہ داریاں تھیں۔ اور سب سے بڑا

۱۔ حدیث نبوی کے جلانے کی روایت کسی بد معاش کی گب ہے (برق اسلام ص ۹۹)۔

اہم کام جو جملہ امور ملت پر فوقیت رکھتا تھا وہ حفاظت اسلام اور تحفظ قرآن کا معاملہ تھا۔ ساتھ ہی اس چیز کا بھی انتظام کرنا تھا کہ ارشادات رسولؐ کے نام پر کوئی غلط بناوٹی جعلی بات مسلمانوں میں زوال نہ پکڑنے لگ جائے کہ انبیائے سابقین کی طرح آپ کے فرامین مخلوط ہو کر رہ جائیں۔ ان تمام چیزوں کے پیش نظر آپ ہمیشہ اس جستجو میں رہتے کہ جو بھی حدیث رسولؐ آپ کے سامنے آئے اس کی صحت و صداقت کا پورا یقین ہونا ضروری ہے۔ آپ کی اس محتاط روش سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ آپ نفس حدیث ہی کے خلاف تھے انتہائی بددیانتی اور سراسر ”بے ایمانی ہے۔“ اسلاف اسلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کرنا جن سے ان کا دامن تقدس قطعاً پاک ہوا اتنی بڑی جسارت ہے جس کے ارتکاب کے لئے ”برق طبع“ لوگ ہی تیار ہو سکتے ہیں۔

برق نے یہاں دو روایتیں نقل کی ہیں: ایک کا مضمون یہ کہ آپ نے تمام صحابہؓ سے حدیث کے ذخائر منگ کر جلادیئے۔ دوسری روایت ہے کہ آپ نے حدیث لکھنے کے لئے استخارہ کیا۔ بالآخر آپ اس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ برق صاحب جبکہ احادیث کی روایت میں بہت زیادہ کھوج کرنے کے دعویدار ہیں تو آپ کا فرض تھا کہ اس ”ذخائر حدیث کو جلانے کی روایت“ کو پہلے روایت اس قدر صحت کے ساتھ نقل کرتے کہ مخالف کو انکار کی گنجائش نہ رہتی۔ مگر افسوس کہ برق نے محض ”نعلی گپ“ کا ایک نمونہ پیش کر دیا اور ایک تنکے کا سہارا پا کر اپنے آپ کو ”کامیاب ساحل“ سمجھ لیا حالانکہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا یا سنا افسانہ تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت ہی سراسر غلط ہے جس میں دفاتر احادیث کو جلانے کا ذکر ہے۔ اس کی سند صحت کے ساتھ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی اور اگر بالفرض ہم اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیں تو ”حق یقین“ کے طور پر ہم بانگِ دہلی یہ کہیں گے کہ جن ذخائر کو آپ نے نذر آتش کیا وہ قابلِ اعتماد نہ تھے۔ مشکوک اور مشتبہ تھے اور وقت کے حالات کے ماتحت

۱۔ یہ روایت غلط اور کسی دشمن دین یہودی کی فریب کاری ہے۔ (برق اسلام ص ۹۶)





صلى الله عليه وسلم وبما ذكرنا في هذا الباب من الاحاديث وغيرها وجعلوا ذلك ذريعة الى الزهد في سنن رسول الله صلى الله عليه وسلم النبي لا يتوصل الى مراد كتاب الله الالبها والطن على اهلها ولا حجة في هذا الحديث ولا دليل على شيء مما ذهبوا اليه من وجوه قد ذكرها اهل العلم: (جامع العلم ص ۵۷۱)

حضرت عمرؓ کی حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات کم کرو اور اس قسم کی دیگر احادیث جو ہم نے اس باب میں ذکر کی ہیں۔ ان سے بعض جاہل اور بے وقوف بدعتیوں نے احادیث نبوی میں طعن کرنے کے لئے دلیل پکڑی ہے اور احادیث رسولؐ سے انکار اور بے پرواہی کرنے کے لئے اس قسم کی روایات کو ذریعہ بنانا چاہا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کتاب اللہ کی امراد کو محض احادیث رسولؐ ہی کے ذریعہ سے معلوم کیا جاسکتا ہے اور حدیث عمرؓ و دیگر اس قسم کی روایات میں ان اہل بدعت کے خیالات فاسدہ کے لئے مطلقاً کچھ بھی سہارا نہیں ہے۔ جس کی بہت سی وجوہات ہیں جن کو اہل علم نے ذکر کیا ہے۔ آگے غلامہ نے تفصیل سے ان وجوہات کو بیان کیا ہے۔ جن کی بنا پر حضرت عمرؓ نے اس قسم کی روک تھام کی جن کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا مقصد عظیم صرف یہ تھا کہ رسول پاک علیہ السلام سے صرف صحیح ثابت شدہ یقینی احادیث روایت کی جائیں اور کوئی غلط بات حدیث کے نام پر آپ کی طرف نہ منسوب ہونے پائے۔

(تفصیلات کے لئے دیکھئے جامع العلم ص ۱۲۵)

ناظرین! برق صاحب نے جس قدر بھی ایسے حوالہ جات نقل کئے ہیں ان سب کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے علامہ ابن عبد البر کے اس بیان کو ملاحظہ فرما لیجئے۔ ان تمام حوالہ جات کا اصلی مفہوم و مقصد ان لوگوں کی روک تھام ہے جو بغیر تحقیق و تفتیش کئے اور بغیر سوچے سمجھے جہاں بھی حدیث کا لفظ پایا اسے بیان کرنے اور روایت کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں ان کی مذمت میں وہ تمام بیانات ہیں جن کو نقل کر کے برق نے اپنے

خیالات فاسدہ پر استدلال پکڑنا چاہا ہے۔  
 دیکھئے: (جامع العلم باب ذکر من ذم الکفار الخ ص ۷۷۱)

ایک اور غلط فہمی کا ازالہ  
 اصل واقعہ پہلے معلوم کر لیجئے تاکہ برق نے اس سے جو غلط فہمی پھیلانے کی کوشش  
 کی ہے وہ واضح طور پر معلوم ہو جائے۔ بخاری شریف میں پورا واقعہ یوں ہے:

عن ابن عباس قال لما اشتد بالنبي صلى الله عليه وسلم وجعه قال  
 اتنوني بكتاب اكتب لكم اكتبوا لا تضلوا بعده قال عمر بن الخطاب

رضي الله عنه (لمن حضره من الصحابة) ان النبي صلى الله عليه وسلم  
 غلبه الوجع وعندنا كتاب الله حسنا فاختلقوا وكثرا اللفظ قال قوموا

عني ولا ينبغي عندي التنازع فخرج ابن عباس يقول ان الرزينة كل  
 الرزينة ما حال بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين كتابه۔ (ارشاد

الہادی جلد ۱ ص ۱۶۹) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر  
 مرض الموت میں درد کی شدت کا حملہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میرے پاس دوایت قلم لاؤ

میں تمہارے واسطے ایک مکتوب لکھ جاؤں تاکہ بعد میں تم بھٹک نہ جاؤ۔ حاضرین صحابہ

سے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تکلیف اور درد کی شدت کا حملہ  
 ہو رہا ہے۔ اس لئے ایسے وقت میں آپ کو تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔ اسلام کے

ضروری بنیادی احکامات کے لئے ہمارے پاس ”کتاب اللہ“ ہے جو ہمارے لئے ہر

حال کافی ہے حضرت عمرؓ کی اس بات کو سنے لوگوں میں اختلاف برائے ہو گیا اور حاضرین

کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔ اس پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں  
 سے چلے جاؤ۔ میرے پاس بیٹھ کر تنازع مباحث نہیں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ یہ کہتے  
 ہوئے باہر نکلے کہ افسوس صد افسوس! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لکھنا چاہتے تھے مگر

یہ باہمی تنازع اس میں حائل ہو گیا۔

موقعہ اور محل کے لحاظ سے سوچنا چاہئے کہ اس آخری وقت میں آپ کیا لکھنا چاہتے تھے؟ یوں تو اللہ ہی اپنے حبیب کی منشاء کو بہتر جانتا ہے مگر قرینہ یہ ہے کہ امر خلافت کے بارے میں آپ اپنی موجودگی میں خاص ”ہدایات“ لکھنا چاہتے تھے لیکن اللہ تبارک کو اس بارے میں ”نص صریح“ منظور نہ تھی۔ اس لئے حضرت عمرؓ کی زبان سے باری تعالیٰ نے الفاظ مذکورہ نکلوائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اس ارادے کا نسخ کرنا ہی منجانب اللہ بہتر معلوم ہوا تو پھر آپ نے خاموش اختیار فرمائی۔ چنانچہ علامہ قسطلانی ارشاد البازنی ج ۱ ص ۱۲۹ میں لکھتے ہیں:

يَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ ظَهَرَ لَهُ اَلْحَيْنَ هَمَّ بِالْكِتَابِ اَنَّهُ مُصْلِحَةٌ ثُمَّ ظَهَرَ لَهُ وَاَوْحَى اِلَيْهِ بَعْدَ الْمُصْلِحَةِ فِتْرَةٌ وَلَوْ كَانَ وَاجِبًا لَمْ يَضُرَّكَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ لِاخْتِلَافِهِمْ لِأَنَّهُ لَمْ يَتْرَكَ التَّكْلِيفَ لِمُخَالَفَةِ مَنْ خَالَفَ وَقَدْ عَاشَ بَعْدَ ذَلِكَ أَيَّامًا وَلَمْ يَعَادْ وَأَمَرَهُمْ:

یعنی احتمال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لکھوانے کا قصد فرمایا تو آپ پر ظاہر ہوا کہ یہ مصلحت ہے کہ ”امر خاص“ کے بارے میں لکھ دیا جائے۔

پھر بعد میں آپ پر وحی سے ظاہر ہو گیا کہ اس امر کو لکھنا نہ جائے۔ چنانچہ آپ نے اس خیال کو چھوڑ دیا۔ اگر اس وقت کا لکھنا واجب ہوتا تو آپ حضرت عمرؓ کے کہنے پر یا لوگوں کے اختلاف کرنے پر اس کو ہرگز چھوڑنے والے نہ تھے۔ اس لئے کہ امر واجب کو آپ نے کسی کی مخالفت کے خوف سے کبھی بھی ترک نہیں کیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد روز تک آپ زندہ رہے اور اس غرض میں آپ نے دوبارہ ان کو ایسا حکم صادر نہیں فرمایا۔ (قسطلانی ص ۱۶۹) یہ ہے اصل واقعہ اس سے برق صاحب نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت عمرؓ بھی برق ہی کی طرح ”حدیث رسول“ کے دشمن تھے اور اس لئے انہوں نے اس موقعہ پر ”حسبنا کتاب اللہ“ کا نعرہ بلند فرمایا، حالانکہ خود ان ایام کے واقعات یہ بتلانے

کے لئے کافی ہیں کہ حضرت عمرؓ کا منشاء ”حدیث دشمنی“ ہرگز ہرگز نہ تھا۔ اس لئے کہ  
 ۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین کا مسئلہ ”حدیث“ کے سامنے آنے پر طے ہوا۔

۲۔ قریش میں خلافت کا تقرر ”حدیث“ کی بنا پر ہوا۔  
 ۳۔ حضرت فاطمہ الزہراءؓ نے ورثہ کا جو مطالبہ کیا تھا ان کو محض ”حدیث“ کی بنا پر

جواب دیا گیا۔

اور ظاہر ہے کہ یہ سارے کام حضرت عمرؓ کے علم میں تھے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے  
 بعد اس وقت امت کی باگ ڈور حضرت عمرؓ ہی کے ہاتھ میں تھی۔ اگر وہ نعوذ باللہ برقی کی  
 طرح ”حدیث دشمن“ ہوتے تو صدیق اکبرؓ کی یا اور کسی مسلمان کی زبان پر ”حدیث“ کا  
 لفظ بھی نہ آنے دیتے۔

پس اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے بازوئے میں غلط فہمی پیدا کرنا اور پھیلانا اور اس کو  
 اپنی ناپاک ہفوات کے اثبات میں استعمال کرنا انتہائی کمینہ خیز حرکت ہے۔ خدا ہر مسلمان  
 کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

ایک اور بد تمیزی

مسلم شریف میں ایک صحیح مرفوع روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب نبی کریم  
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شان ”رحمة للعالمین ورحیما للمومنین و مظهر  
 للجمال علی وجہ الکمال“ کے تحت امت کے خوف اور ناامیدی کو زائل فرمانے کے  
 لئے ایک موقع پر حضرت ابو ہریرہؓ کو ارشاد فرمایا کہ جاؤ، جو شخص بھی درجہ یقین پر پہنچ کر ”لا  
 الہ الا اللہ“ کی شہادت دیدے، اس کو بشارت دیدو کہ اسے جنت ملے گی۔ حضرت ابو  
 ہریرہؓ جب اس بشارت عظمیٰ کو لیکر واپس ہوئے تو راستے میں حضرت عمرؓ سے ملاقات ہو گئی  
 اور سب سے پہلے آپ نے اس بشارت کو حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا، آپ نے یہ سن کر  
 حضرت ابو ہریرہؓ کو دربار رسالت میں مزید تحقیق کی غرض سے لوٹنے کے لئے سختی کے ساتھ

مجبور کیا اور ان کی چھاتی پر ہاتھ بھی مازویا اس پر شارحین حدیث لکھتے ہیں:

اما دفع عمر رضی اللہ عنہ لہ فلم یقصد بہ سقوطہ و ایذاء ہ بل قصد ردہ عما ہو علیہ و ضربت بیدہ فی صدرہ لیکون ابلغ فی زجرہ (فتح الملہم ص ۲۰۴)

یعنی حضرت عمرؓ کا قصد حضرت ابو ہریرہؓ کو ایذا دینے یا ان کو زمین پر گرانے کا ہرگز نہ تھا۔ صرف واپسی کے لئے آپ نے یہ زجر و توبخ فرمائی تھی۔

ان کے الغرض جب دربار رسالت میں ہر دو حضرات پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بحقیقت الا امر کو دریافت فرما کر تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے ان لفظوں میں اظہار معذرت کیا: فانی اخشی ان یتکل الناس علیہا (فتح الملہم ص ۲۰۵)

بارے حضور! مجھے یہ بشارت سن کر ڈر ہوا کہ عوام جو حقیقت کی تہ کو کم سمجھتے ہیں وہ اس بشارت حقیقہ پر بھروسہ کر کے عمل کرنا نہ چھوڑ بیٹھیں، اس لئے میں نے اس اعلان پر مزید غور کرنے کی درخواست کے لئے دربار میں مراجعت کی۔ اس پر قاضی عیاض لکھتے ہیں:

ولیس فعل عمر رضی اللہ عنہ و مراجعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتراضاً علیہ ورداً لامرہ اذ لیس فیما بعث بہ ابا ہریرۃ غیر تطیب قلوب الامۃ و بشرامہم قرأی عمر رضی اللہ عنہ ان کنتم هذا اصلح و احوی ان لا یتکلبوا و انه اعوذ علیہم بالخیر من تعجل هذه البشرى فلما اعرضه علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم صوبہ فیہ (فتح الملہم ص ۲۰۴)

یعنی حضرت عمرؓ کی یہ ”مراجعت“ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض یا رد کے طور پر ہرگز نہ تھی، ان کا خیال یہ ہوا کہ امت کے لئے یہ بشارت یقیناً موجب فخر و مسرت ہے، مگر عوام کو خیر پر آمادہ کرنے کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس بشارت کو مشہور نہ کیا جائے تاکہ لوگ اس پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔ ”الایمنان بین السرجاء والخوف“ (ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔) کے تحت حضرت عمرؓ کا یہ ”کہنا“

بھی بے جا نہ تھا۔ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ بشارت دیکر لوٹایا تھا آپ پر ”رجا“ کی شان غالب تھی اور حضرت عمرؓ نے ”خوف“ کے پہلو کو سامنے رکھ کر مراجعت فرمائی تھی۔ بہر حال ”حقیقت الامر“ کے ہر دو پہلو اپنی اپنی جگہ پر بحال تھے، بحال رہے اور بحال رہیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے فتح الکلمہ میں اس مقام پر وہ ایمان افروز مقالہ ملاحظہ کیجئے جو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے اس جگہ حوالہ قلم کیا ہے۔

### یہ تو تھا اصل معاملہ

اب اس پر ”برق“ نے برقی طبیعت سے مجبور ہو کر ”بد تمیزیوں“ کا جو انبار لگایا ہے اور ایک ہی مقام پر نہیں بلکہ جگہ جگہ اپنی کتاب میں اپنے اس ”تغفن“ کو پھیلایا ہے۔ اس پر ہم تفصیلی روشنی ڈالیں تو ایک طویل دفتر بن جائے گا۔ مختصر اتنا ہی عرض کئے دیتے ہیں کہ ایمان کے یہ چہر دو پہلو ”رجا اور خوف“ قرآن مقدس میں بیشتر مقامات پر نمایاں ہیں۔ کہیں تو صرف ”ضبط نفس“ ہی پر جنت کی بشارت وارد ہے اور کہیں ”مصلین“ تک کے لئے دوزخ کی وعید شدید موجود ہے۔ ”برق کو چاہیے کہ ”نیا قرآن“ تصنیف کرتے وقت ”رجا“ کے ماتحت بشارات کی جملہ آیات قرآنی ”کی کات چھانٹ کر ڈالیں اور ساتھ ہی یہ ”زیمارک“ کر ڈالیں کہ یہ آیات سب ”ملا“ نے میدان جنگ کی مصیبتوں سے بچنے اور اپنی جان کو آزمائش و ابتلا سے بچانے اور نفس پرستی کرنے کے لئے از خود ایجاد کر لی ہیں۔ اس لئے یہ سب ناقابل اعتبار ہیں۔ برق صاحب! اگر آپ ایسا کر بیٹھیں تو ہمیں مطلق تعجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ”فتنہ بازی“ کو

بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ”فتنہ گر“ پہلے

برق اور علامہ شبلی مرحوم مصنف الفاروقؒ

برق نے اپنی کتاب دو اسلام میں ”ملا“ کے خلاف جگہ جگہ بے حد غیظ و غضب کا

اظہار کیا ہے اور طرح طرح سے ”ملا“ کو گردن زدنی قرار دیا ہے۔ مگر شکر ہے کہ کچھ ”ملا“ برق کے نزدیک ”متثنیٰ“ بھی ہیں اور ان ہی میں سے حضرت علامہ شبلی مرحوم ہیں جن کے بارے میں برق نے کئی جگہ اپنی حسن عقیدت کا اظہار کیا ہے اور علامہ شبلی کو اور ان کی کتاب ”الفاروق“ کو معتبر و مستند تسلیم کیا ہے۔ ان کی کتاب الفاروق پر بہترین رائے بھی قائم کی ہے۔ ملاحظہ ہو دو اسلام ص ۳۲۳ لکھتے ہیں:

(الفاروق) یہ وہ کتاب عظیم ہے جو اس وقت تک لاکھوں کیریکٹر (کردار) بنا چکی ہے۔ مولانا شبلی مرحوم اپنی اسی کتاب الفاروق میں ”منکرین حدیث کا منہ توڑنے کے لئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں حدیث کے متعلق صحیح پوزیشن بتلانے کے لئے حسب ذیل بیان حوالہ قلم کرتے ہیں:

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ ان کی دقیقہ منجی کی سب سے بڑی دلیل ہے وہ بجز مخصوص صحابہؓ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

چنانچہ فاروق اعظمؓ عبد اللہ بن مسعودؓ را با جمع کوفہ فرستاد و معتقل بن یسار و عبد اللہ بن مغفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامتؓ و ابودرداءؓ را بشام و بہ معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قدغن بلیغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند۔ (موطاء امام محمد ص ۲۲۷) (ترجمہ خلاصہ یہ کہ حضرت عمرؓ نے عبد بن مغفل اور عمران بن حصین کو بصرہ بھیجا اور عبادہ بن صامتؓ اور ابودرداءؓ کو شام روانہ کیا۔ جہاں امیر معاویہ بن ابی سفیان حاکم تھے ان کو بتا کید شدید لکھا کہ جن کو میں نے بھیجا ہے ان ہی کی احادیث کو روایت کیا جائے اور رواج دیا جائے اور ان سے تجاوز نہ کیا جائے۔) حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کئے تھے وہ ان کی نکتہ منجی کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۱۰۸)

اس تفصیل سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ حضرت فاروق اعظمؓ "نفس حدیث" کے خلاف ہرگز ہرگز نہ تھے۔ ان کے سامنے یہی پہلو تھا کہ روایت حدیث میں احتیاط کا ہونا (بے حد ضروری ہے تاکہ پیارے رسولؐ کے فرمودات مشکوک و مشتبہ نہ ہونے پائیں اور اس قدر احتیاط اس زمانہ کے خلیفہ اسلام کو کرنی ہی تھی بحیثیت فاروق اعظم ان کا منصب متقاضی تھا کہ وہ حق و باطل کو مخلوط نہ ہونے دیں اور اس بارے میں اپنی پوری پوری کوشش صرف کر دیں۔

منکرین حدیث کے منہ پر شبلی مرحوم کا دوسرا طمانچہ مولانا شبلی مرحوم کا دوسرا بیان سنئے جس کو منکرین حدیث کے منہ پر شبلی مرحوم کا ایک زبردست "تھپڑ" کہا جاسکتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ کو روایت میں جو احتیاط تھی اگرچہ ان سے پہلے بھی اکابر صحابہؓ کو تھی۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ الحفاظ میں حضرت ابو بکرؓ کے حال میں لکھا ہے کہ نسبت سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابو بکرؓ تھے۔ علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے ۵۵ حدیثیں قلم بند کی تھیں لیکن پھر ان کو آگ میں جلادیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھا کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت (ثقلہ) نہ ہو۔ (اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت صدیقؓ نے اس مجموعہ کو مشکوک اور مشتبہ ہونے کی وجہ سے تلفت کر دیا تھا اور یہ آپ کا بہترین اقدام تھا کہ ایسا نہ کیا جاتا تو ایک مشکوک اور مشتبہ چیز آپ کے توسط سے اشاعت پا جاتی اور پھر اگر ایسا ہو جاتا تو دیگر صحیح احادیث و تالیف و ترتیب قرآن پاک میں بھی ان کا مقام پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتا) لیکن حضرت عمرؓ کی احتیاط اور دیگر صحابہؓ کی احتیاط میں فرق تھا اور صحابہؓ صرف راوی کے ثقہ اور عدم ثقہ ہونے کا لحاظ رکھتے تھے کہ زاوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی ہے یا نہیں؟ حضرت عائشہؓ حضرت ابو ہریرہؓ پر اکثر مواخذات کئے



ورنہ حضرت ابو ہریرہؓ کے ثقہ ہونے میں ان کو بھی کلام نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں۔ (الفاروق جلد دوم ص ۱۸۵)

شبلی مرحوم کا یہ بیان محتاج تشریح نہیں ہے۔ ”اہل نظر“ اس کو پڑھ کر معاملے کی حقیقت کو معلوم کر لیں گے اور ان پر روشن ہو جائے گا کہ حضرت عمرؓ ”نفس حدیث“ کے خلاف ہر گز ہر گز نہ تھے۔ آپؐ کی شان دیانت سے ایسا وہم میں بھی نہیں آ سکتا، آپؐ کی تمام تر زندگی کا مدار ”قال اللہ وقال الرسول“ تھا۔ بھلا جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کردہ پیغام کا جان و دل سے عاشق ہو، جس نے ساری عمر آپؐ کی کفش برداری میں گزاری ہو، جو اسلام کی خدمت کے لئے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دے چکا ہو، جس کی زندگی سراسر اسلام کے رنگ میں رنگی جا چکی ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد اس قدر ”اسلام دشمنی“ پر تل جائے کہ اپنے پیارے مقدس رسولؐ کے ”فرامین“ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتا پھڑے۔ آپؐ کی شان میں ایسا لفظ بھی منہ سے نکالنا صرف ان ہی لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے جو در پردہ ”اسلام دشمن“ ہیں۔ جن کے قلوب ”اسلام دشمنی“ کی وجہ سے ”لعنن“ کا انبار بن چکے ہیں۔ بلا شک حضرت عمرؓ نے مشکوک مشتبہ احادیث کی روک تھام کی۔ غلط احادیث کے مکاتیب کو جلایا۔ بناوٹی باتوں کو رواج پانے کا کوئی موقعہ ہر گز ہر گز نہیں ہاتھ آنے دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے تھا کہ میرے پیارے رسولؐ کے صحیح فرمودات دنیا میں محفوظ رہ سکیں اگر کوئی حکومت دودھ کے نام پر فروخت ہونے والے سفید پانی کی فیکٹریوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر فنا کرنا چاہتی ہے اور ایسے جعل سازوں کو سخت سزا دینے پر تل جاتی ہے تو اس کی بابت یہ شہرہ دینا کہ وہ ”نفس دودھ“ ہی کو اپنی حدود حکومت سے نابید کر رہی ہے، یہ برق جیسے عالی دماغ ڈاکٹروں ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

ایک اور؟

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تخصیص و تلاش پر توجہ کی۔ آنحضرتؐ کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جن کو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود آنحضرتؐ سے دریافت کر لیتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق حدیثیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں۔ اس لئے مختلف صحابہ سے استفادہ کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقرا کا راستہ نکلا۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں چونکہ زیادہ کثرت سے واقعات پیش آئے۔ کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سینکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیئے تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے احادیث کی زیادہ تفتیش کی تاکہ یہ مسائل آنحضرتؐ کے اقوال کے موافق اٹے کئے جائیں۔

براق صاحب! دیکھ رہے ہو آپ کے مدلول اور ہمارے بھی مدلول جو حضرت شبلی مرحوم کیا فرماتے ہیں اور خط کشیدہ الفاظ کیا زاہد نمائی کر رہے ہیں؟ یہی وہ عمر ہیں جو ”حسبنا کتاب اللہ“ کا نعرہ بلند فرماتے ہیں اور یہی وہ عمر ہیں جو مسائل کو طے کرانے کے لئے اقوال رسولؐ کی تفتیش میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگاتے ہیں۔ بے شک ہر چیز کا موقع ہوتا ہے، ہر بات اپنے محل پر عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ بلاشبہ حضرت عمرؓ نے جو بھی اپنے عہد مقدس میں قدام اٹھایا نہایت بر محل تھا، وہ ”حسبنا کتاب اللہ“ کی جگہ یہ نعرہ بلند فرماتے ہیں حق بجانب ہوتے تھے اور بروقت ضرورت مسائل کو طے کرنے کے لئے اقوال رسولؐ کی تلاش بھی آپ کا دانشمندانہ کا زمانہ ہوتا تھا۔

براق صاحب! ہمارے سامنے تذکرۃ الحفاظ اور جامع التعلیم وغیرہ جملہ کتب رکھی ہوئی ہیں۔ ان سب کے حوالجات سے اگر آپ کے ہفتوبات کا تجزیہ ادھیڑیں تو ہمازی یہ

کتاب ایک دفتر عظیم بن جائے، اس لئے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ ہم الفاروق کو ہی سامنے رکھ کر ”برقی مواد“ کا آپریشن ڈاکٹر شبلی مرحوم ہی کے ہاتھوں سے کرا دیں۔ آپ نے غالباً سوچا ہوگا کہ الفاروق دنیا میں کوئی نایاب کتاب ہے جو چاہے سو کہہ دو اور جو چاہے سو لکھ دو، حقائق کی تلاش کے لئے کون سہارا بنا پھرے گا۔ اسلئے ہمارا ”برقی جادو“ عام مسلمانوں پر چل جائے گا، مگر افسوس! برقی صاحب آپ کی ساری کوششوں کا پل کھل گیا اور خود الفاروق نے آپ کی ساری ناپاک جدوجہد پر طوفانی سیلاب بن کر پانی پھیر دیا۔ سچ ہے:

قل جاء الحق و زهق الباطل ان الباطل كان زهوقاً (القرآن)

دشمنانِ حدیث کے چہروں پر شبلی مرحوم کا ایک اور طمانچہ

مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ”احادیثِ رسول“ کی تلاش کے لئے صحابہ کرامؓ کے عام اجلاس طلب فرمایا کرتے تھے ”احادیثِ رسول“ کی اشاعت کے لئے ہر ممکن بہتر تدبیر کو عمل میں لایا کرتے تھے۔ احادیثِ نبویؐ کو بالفاظہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجا کرتے تھے۔ صحابہؓ میں جو لوگ فنِ حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا کرتے تھے۔ پورا بیان ملاحظہ فرمائیے:

اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ مجمع عام میں جس میں اکثر صحابہؓ موجود ہوتے تھے پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کسی کو کوئی حدیث معلوم ہے؟ تکبیر جنازہ، غسل جنابت، جزیہ مجوس اور اس قسم کے بہت سے مسائل ہیں جن کی نسبت کتبِ حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہؓ سے استفسار کر کے احادیثِ نبویؐ کا پتہ لگایا۔ چونکہ حدیث جس قدر زیادہ شائع و مشہور کی جائے اسی قدر اس کو قوت حاصل

ہوتی ہے اور پچھلون کے لئے قابل استناد قرار پاتی ہے، اس لئے اس کی اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔ (۱) اجادیث نبویؐ کو بالفاظہ نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجتے تھے جس سے ان کی عام اشاعت ہو جاتی تھی۔ یہ حدیثیں اکثر مسائل و احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔ (۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے ان کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لئے بھیجا۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۱۷۹)۔

### مزید تشریح

حضرت شہابیؒ مرحوم ”اجادیث نبویؐ کے لئے حضرت عمر فاروقؓ کی جدوجہد کے بارے میں دوسری جگہ الفاروق میں مزید تشریح یوں فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تہا ان کی رائے بھی فتوے کے لئے کافی ہو سکتی تھی تاہم احتیاط کے لئے وہ اکثر مسائل کو عموماً صحابہؓ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور نکتہ سنجی کے ساتھ بحثیں ہوتی تھیں۔

علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا، بغیر صحابہؓ کے مشورہ کے فیصلہ نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ الباقیہ میں لکھتے ہیں: ”کان من سیرۃ عمرؓ انہ کان

یشاور الصحابة ویناظرهم حتی تنكشف الغمة ویاتیہ الثلج فصار

غالباً قضایاہ و فتاواہ متبعۃ فی مشارق الارض و مغاربہا۔“ حضرت

عمرؓ کی عادت تھی کہ صحابہؓ سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ پردہ اٹھ

جاتا اور یقین آ جاتا تھا۔ اس وجہ سے عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش

کر کے طے کیا ان کی تعداد کچھ کم نہیں اور کتب احادیث و آثار میں ان کی

پوری تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً بیہقیؒ نے روایت کیا ہے کہ غسل جنابت کی ایک صورت خاص میں (بیہقی نے اس کی تصریح بھی کی ہے) صحابہؓ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرینؓ اور انصار جمع کئے جائیں۔ چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا۔ تمام صحابہؓ نے ایک رائے پر اتفاق کیا۔ لیکن حضرت علیؓ اور معاذؓ مخالف رہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ اصحاب بدر ہو کر مختلف رائے ہیں تو آگے چل کر کیا حال ہوگا؟ غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انہوں نے جو فیصلہ کیا حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کر دیا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہؓ میں بہت اختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہؓ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخر معمول کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ دریافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اس میں چار تکبیریں کہی تھیں۔ اسی طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن یہ تفصیل کا محل نہیں۔ (الفاروق حصہ دوم ص ۱۹۳)

یہ جملہ تفصیلات تاریخ کی ایسی مستند شہادات ہیں کہ انصاف پسند انسانوں کے لئے ان کے انکار کی مجال ہو ہی نہیں سکتی اور یہ ایسے حقائق ہیں جن کی تکذیب کرنارات اور دن کے وجود کی تکذیب کرنے کے مترادف ہے جو کسی مخبوط الحواس دماغ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ ان تفصیلات کی روشنی میں ہمارے ناظرین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہو جائیں گے کہ ”نفسِ خدیث“ کے لئے حضرت عمرؓ کے کتنے پاکیزہ جذبات تھے اور وہ کس قدر کوشاں رہتے تھے ”احادیثِ رسول“ کی زیادہ سے زیادہ چھان بین کر کے ان کو اطرافِ عالم میں پھیلا دیا جائے۔ ”جھوٹی اور بوکس باتوں کی روک تھام کے لئے حضرت عمرؓ کی جدوجہد بے شک نہایت درجہ قابل ستائش ہے اور حقیقت ہے کہ اوائل اسلام میں خلفائے رسول اگر اس قدر اہتمام نہ فرماتے تو آج اسلام کچھ کا کچھ بن گیا

ہوتا۔ اس قدر جدوجہد کے باوجود یار لوگوں نے کیا کیا؟ ”اضافی“ بن گئے جن کے نتائج آج ہم برق جیسے ”لوگوں“ کے وجود کی شکل ”میں بھگت“ رہے ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ حق پھر بھی حق ہے۔ گردوغبار کی آندھیاں کتنی بھی زور شور سے طوفانی شکل میں برپا ہوں سورج اپنی جگہ پر بالکل بے داغ چیز ہے۔ الحمد للہ کہ یہی حال ”قال اللہ وقال الرسول“ کا ہے جو اپنی جگہ پر ہر قسم کے گردوغبار سے پاک آج بھی اپنی پوری تابناکی سے دنیائے انسانیت کو منور کر رہا ہے۔

مرویات عمر فاروق کے بارے میں ظاہر ہے کہ اگر حضرت عمرؓ نفسِ حدیث ہی کے دشمن ہو جاتے، جیسا کہ ”برق جیسوں“ کا خیال باطل ہے۔ تو آج دنیا میں ان کے نام پر دفاتر اسلامیہ میں ایک بھی حدیث نہ پائی جاتی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کی روایت کردہ احادیث کی کافی تعداد موجود ہے اور وہ مرویات بیشتر ایسی ہیں جن کو اس قدر مورخین و محدثین و اصحاب سیر نقل کرتے ہیں کہ ان کو درجہ نوازی میں بھی رکھا جائے تو غالباً بے جا نہ ہوگا۔ آپ کی مرویات کے بارے میں خلاصۃ التہذیب کا بیان یہ ہے:

لہ خمس مائة وتسعة وثلاثون حديثا اتفاقا على عشرة و انفراد البخاری بتسعة و مسلم بخمسة عشر الخ

آپ سے ۵۳۹ حدیثیں مروی ہیں جن میں متفق علیہ احادیث ۱۰ ہیں اور منفردات بخاری نو اور منفردات مسلم ۱۵ ہیں باقی دیگر کتب احادیث میں ہیں۔ ان تفصیلات کے بعد ہم برق جیسے ”منہ زوروں“ سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جب نعوذ باللہ حضرت عمرؓ حدیث کے ایسے دشمن تھے کہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے پھرتے تھے تو پھر یہ پوری ۵۳۹ احادیث کہاں سے پیدا ہو گئیں؟ یہ کہنا کہ یہ بھی وضع کر لی گئی ہوں گی آسان ہے، مگر حقائق و دلائل کی دنیا میں محض ”زبانی گیوڑے“ کوئی وزن نہیں رکھتے۔ اس طرح تو

کہنے والوں نے قرآن اقدس کے بارے میں بھی ”زبان درازیاں“ کر دی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایسی ”بکواسوں“ کو حقائق کی دنیا میں کوئی وزن نہیں دیا جاسکتا۔

اچھا ہم برقی جیسوں کی ”گپ“ کو کچھ ذرا سا وزن دے دیتے ہیں مگر شبلیؒ مرحوم تو برق کے نزدیک بھی سچے، معتبر، مستند ہیں وہ ”ملا“ نہیں ہیں۔ ان کی کتاب کے بارے میں شاندار یرمیا رکٹ برق کی قلم سے ناظرین ملاحظہ کر چکے ہیں۔ مرویات عمر فاروقؓ پر حضرت شبلیؒ مرحوم کا بیان ملاحظہ فرمائیے اور دشمنانِ حدیث پر لعنت بھیج دیجئے جن کو جھوٹ، کذب، اتہام، سے ذرہ برابر بھی حجاب نہیں، جن کی ”بے لگام زبانوں“ سے آج فضائے اسلامی میں ایک بدترین تعفن پھیل رہا ہے اور جن کی حرکاتِ شنیعہ سے آج جبریلؑ تک انگشت بدنداں ہیں جن کی ”ہفوات“ و بائے عام کی شکل میں نوجوانانِ اسلام کے ایمانوں کا قلع قمع کر رہی ہیں۔ سنے مرحوم شبلیؒ کیا فرماتے ہیں؟

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال میں رکھنے کے قابل ہے وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں۔ چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں ۷۰ سے زیادہ نہیں یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابیؓ جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس میں رائے اور اجتہاد کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے۔ حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں لکھ کر بھیجا کہ زکوٰۃ فلاں فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے تو اس احتمال کا محل نہیں کہ حضرت عمرؓ خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں۔ لامحالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا کی حقانیت کا اعلان فرمادیا۔

دشمنانِ حدیث کیلئے حضرت عمرؓ کا الٰہی مہیم

اور حدیث سیکھنے کیلئے آپؐ کا تائیدی حکم

اس عنوان کے ذیل میں بھی ہم ایسی کتاب سے تفصیلات نقل کرتے ہیں جو ”برق“ کے نزدیک بھی مسلم اور مستند ہے اور جس کی عبارات سے جگہ جگہ برق نے استشہاد کیا ہے۔ اس سے ہماری مراد علامہ ابن عبد البر کی مشہور کتاب جامع میان العلم ہے۔ اس تفصیل کو غور سے ملاحظہ کرنے والے ناظرین پر متکرمین حدیث کی ”وجل کاریوں“ کا رہا سپاہ پرہ بھی تازیک ہو کر زبردست گاہ شہدائے حق بن جائیں گے۔

عن عثمان بن عفان قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: **مَنْ عَلَّمَ نَفْسًا حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ عَشْرُ مِائَاتٍ بِحَرْفٍ وَكَانَ لِأَقْبَرِ النَّاسِ عِلْمًا** (جامع بیان العلم ص ۱۷۷) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ لوگو! قرآن اور سنن کے بارے میں اتنی ہی کوشش کرو جتنی تم قرآن پاک کا علم حاصل کرنے میں کوشش کرتے ہو۔ اس پر خود علامہ ابن عبد البر کے الفاظ یہ ہیں: **فَبَسُوْا بَيْنَهُمَا** (جامع ص ۱۷۷)

یعنی حضرت عمرؓ نے یہاں حدیث شریف اور قرآن پاک کے علم کے درمیان پوری مساوات قائم فرمادی۔ دشمنانِ حدیث کے بارے میں حضرت عمرؓ یوں انتباہ فرماتے ہیں: **سَيَأْتِي قَوْمٌ يُجَادِلُونَكُمْ بِشَبَهَاتِ الْقُرْآنِ فَخَذُّوهُمْ بِالسِّنَنِ** افان اصحاب السنن اعلم بكتاب الله عز وجل (جامع ص ۱۷۷)

یعنی عنقریب ایسے لوگ (متکرمینِ حدیث) پیدا ہوں گے جو آیات قرآن اور احادیث میں ٹکراؤ پیدا کر کے شکوک و شبہات کو ہوا دینے کے لئے تم سے جھگڑیں گے تم ان کی گرفت احادیث سے ہی کرنا اس لئے کہ بے شک حدیث والے ہی اللہ کی کتاب قرآن مقدس موقع باقی رہتا تھا کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کا مطلب نہیں سمجھا اور اس لئے

ممكن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو



بلکہ حضرت عمرؓ اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابیؓ نے علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیا ہو۔ اس اصول کی بناء پر حضرت عمرؓ نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، فرامین میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصول مسائل بیان کئے وہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں۔ گو انہوں نے آنحضرت کا نام نہ لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

”ہفتم آنکہ مضمون احادیث در خطب خود ارشاد فرماید تا اصل احادیث بآں موقوف خلیفہ قوت یا بد یا راہینکہ بغور سخن نمی رسند و زبند آنکہ در متفق علیہ از حضرت صدیق صحیح تشدد مگر شش حدیث و از فاروق اعظم بہ صحت نہ رسید مگر قریب ہفتاد حدیث این را نمی فہمند و نمی دانند کہ حضرت فاروق تمام علم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ۔“ (ازالۃ الخفاء حصہ دوم ص ۶)

(الفاروق حصہ دوم ص ۱۷۹)

شاہ ولی اللہؒ مرحوم کی فارسی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ ”لفظ احادیث“ کی بجائے ”مضامین حدیث“ کو حضرت عمرؓ اپنے مواعظ و خطبات میں بیان فرمایا کرتے تھے تاکہ ”اصل حدیث“ خلیفہ کی قوت سے مستحکم ہو جائے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ حضرت صدیق سے متفق علیہ احادیث صرف ۶ مروی ہیں اور حضرت فاروقؓ سے صحت کو پہنچی ہوئی ۷۰ احادیث مروی ہیں۔ مگر یار لوگ جو فہم سخن کی قوت سے محروم ہیں اور اس بارے میں ”اعتراض“ ٹھوکنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ اجمالی طور پر حضرت عمرؓ نے علم حدیث کو بے پناہ طاقت پہنچادی اور قوت دیدی اور علم حدیث کو زیادہ جاننے اور سمجھنے والے ہیں۔

اور حضرت عمرؓ کے بارے میں روایت ہے: انه خطب يوم جمعة فحمد الله

واثنى عليه ثم قال اما بعد فاني اريد ان اقول مقالة قد قدر لي ان اقولها

من وعانها وعقلها وحفظها فليحذر بها حيث تنتهي به راجلته ومن  
خشى ان لا يعينها فانسى لا اجل له ان يكذب على ان الله بعث محمداً  
صلى الله عليه وسلم الخ: (جامع بيان العلم من العلماء)

آپ نے جمعہ کے خطبہ میں حمد و ثناء کے بعد فرمایا کہ لوگو! توجہ سے سن لو آج ایک  
خاص بات تم سے کہنا چاہتا ہوں اور ساتھ ہی اعلان کرتا ہوں کہ جو شخص میری کہی ہوئی  
بات کو خوب سمجھ لے اور اس کو ذہن نشین کر لے اس کو چاہئے کہ جہاں تک اس کی پہنچ  
ہو سکے اس حدیث کی وہ تبلیغ کرنے اور بخوشہ یاد رکھ سکے اس کے لئے میں حلال قرار نہیں  
دیتا کہ وہ میرے اوپر غلط بات کا الزام لگا دے۔ اس لئے اسے زور و روش کی طرح واضح  
ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حدیث کے سیکھے سکھانے اس کی تبلیغ کرنے کے لئے  
کس شد و مد کے ساتھ تاکید فرمائی ہے اور ساتھ ہی کس قدر تاکید کی کہ حدیث کا روایت  
کرنا کرنا ان ہی لوگوں کے لئے حلال ہے جو اسے اچھی طرح یاد رکھیں، سمجھیں، حفظ  
کریں۔ ان کے علاوہ غیر محتاط لوگوں کے لئے حلال حدیث روایت کرنا جائز نہیں کیونکہ ان کی  
طرف سے کذب و نسیان کا بہت زیادہ امکان ہے۔

احتیاط کا پہلو

ہمارا بیان ناقص رہ جائے گا اگر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے احتیاطی پہلو پر بھی  
کچھ مزید وضاحت سے روشنی نہ ڈالیں تا کہ ہمارے ناظرین اس حقیقت سے اچھی طرح  
واقف ہو جائیں کہ سیدنا عمر فاروقؓ کا منشاء صرف اتنا تھا کہ لوگ بغیر سوچے سمجھے غلط سلسلہ  
باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ کرنے پائیں اور اس بارے میں  
زیادہ سے زیادہ احتیاط برتی جائے۔ اسلام کا ابتدائی دور تھا، ملت کی تعمیر و استحکام کے  
لئے ہر ممکن تدبیر پر غور و فکر کرنا حضراتِ شیعین ہی کا سب سے بڑا فرض تھا۔ اس لئے ہر  
معاملہ میں سوچ بچار کرنا غور و فکر کرنا احتیاط کا انتہائی پہلو اختیار کرنا بے حد ضروری تھا۔

مناسب ہے کہ اس پہلو کو بھی حضرت شبلی مرحوم ہی کے لفظوں میں روشن کیا جائے تاکہ حضرت برق کو جمال انکار نہ ہو اور ناظرین پر واضح ہو جائے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے احتیاط کا کون سا پہلو تھا؟ اور ”یار لوگوں“ نے اس سے کیا غلط نتیجہ نکال کر عوام کے سامنے کیسا سامان گرا ہی پیدا کیا ہے؟ مولانا شبلی مرحوم فرماتے ہیں:

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کمی بیشی ہو جاتی ہے، اس لئے روایت کے بارے میں سخت احتیاج شروع کی۔ اس کے متعلق انہوں نے جو بندشیں کیں آج کل لوگوں کو اس پر مشکل سے یقین آ سکتا ہے، اس لئے میں اس موقع پر کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بڑے بڑے محدثوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ ذہبیؒ جن سے بڑھ کر ان کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا اور جو حافظ ابن حجر و سخاوی وغیرہ کے شیخ الشیوخ ہیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں:

وقد كان عمر من وجله يخطي الصاحب على رسول الله يا مرهم ان يقلوا الرواية عن فينهم ولنا يتشاغل بالاحاديث من حفظ القرآن عن قرظة بن كعب قال لما سیرنا عمر الى العراق مشى معنا عمر و قال اتدرون لم شيعتكم قالوا نعم مكرمة لنا قال و مع ذلك فانكم تاتون اهل قرية لهم دوى بالقران كدوى النحل فلا تصدوهم بالاحاديث فتشغلوهم جردوا القرآن و اقلوا الرواية عن رسول الله و انا شريككم فلما قدم قرظة قالوا حدثنا فقال نهانا عمر عن ابى سلمة عن هريرة قلت له كنت تحدث في زمان عمر هكذا فقال لو كنت احدث في زمان عمر مثل ما احدثكم لضربني بمخفقة ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود و ابا الدرداء و ابا مسعود الانصاري فقال قد اكرتتم

الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم. یعنی حضرت عمرؓ ان ڈار سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں غلطی نہ کریں، صحابہؓ کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہؐ سے کم روایت کریں اور تاکہ لوگ حدیث میں مشغول ہو کر قرآن کو یاد کرنے سے غافل نہ ہو جائیں۔ قرظہ بن کعبؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے ہم کو عراق پر روانہ کیا تو خود مشایعت کو نکلے اور کہا تم کو معلوم ہے کہ میں کیوں تمہارے ساتھ آتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھانے کو فرمایا کہ ہاں لیکن اس کے ساتھ یہ غرض بھی ہے کہ تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں کے لوگوں کی آواز شہد کی مکھی کی طرح قرآن پڑھنے میں گونجتی رہتی ہے تو تم ان کو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا۔ قرآن میں آمیزش نہ کرو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کم کرو اور میں تمہارا شریک ہوں، پس جب قرظہ وہاں پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ حدیث بیان کیجئے، انہوں نے کہا کہ عمرؓ نے ہم کو منع کیا ہے۔ ابوسلمہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو ہریرہؓ سے پوچھا کہ آپ عمرؓ کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، انہوں نے کہا اگر میں ایسا کرتا تو عمرؓ مجھ کو درے سے مارتے۔ حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن مسعودؓ اور دراءؓ و ابوسعودؓ کو مجبوس کیا اور کہا تم لوگوں نے آنحضرتؐ سے بہت حدیثیں روایت کرنا شروع کر دیں۔

اس تشریح سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ فاروق اعظمؓ کے سامنے دو اہم ترین مقاصد تھے جس کی بنا پر انہوں نے اس شدت کے ساتھ یہ پہلو اختیار کیا: اول تو یہ کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو بات منسوب کی جائے وہ فی الواقع آپ ہی کا فرمان ہونا چاہئے اس میں جھوٹ اور ملاوٹ کی ذرا سی بھی آمیزش نہ ہو۔ دوم یہ کہ اسلام کا اصل الاصول جو قرآن مقدس ہے وہ اقوال رسولؐ کے ساتھ مخلوط نہ ہونے چاہئے۔ قرآن پاک اپنی جگہ پر محفوظ رہے اور فرمودات رسولؐ اپنی جگہ پر محفوظ رہیں۔

رہیں۔ یہ تھے اہم ترین مقاصد جن کی بناء پر حضرت فاروقؓ نے اس سختی کے ساتھ ان چیزوں کا اہتمام فرمایا۔ مولانا شبلی مرحوم اس تشریحی بیان پر لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کا مقصد خود ان ہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا ہے مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے کوئی مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: لو لا انی اکرہ ان ازید فی

الحديث او انقص لحدثکم به۔ یعنی اگر مجھے یہ ڈرنہ ہوتا کہ حدیث کی روایت کرنے میں مجھ سے کچھ کمی بیشی ہو جائے گی تو میں حدیث بیان کرتا۔

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رواۃ یہ

ہیں: محمد بن سعد عبد الحمید بن عبد الرحمن الحمائی، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو

حنیفہ) موسیٰ بن طلحہ ابو الحوکیۃ۔ حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جوڑ رہا تھا وہی اوروں کی

نسبت بھی ہونا چاہئے تھا۔ اس خیال کی تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ

عبد اللہ بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ خاص تھے ان

کی نسبت محدثین نے لکھا ہے: یشد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن

التھاون فی ضبط الالفاظ۔ (تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عبد اللہ بن مسعود)

یعنی وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈانٹتے رہتے تھے کہ

الفاظ حدیث کو محفوظ رکھنے میں بے پروائی نہ کریں۔

اس تفصیل کے بعد یہ حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی ہے کہ حضرت عمرؓ کے ان

اقدامات کا صرف ایک یہی مقصد تھا اور وہ اس قدر پائیدار مقصد تھا کہ اس کے حصول

کے لئے یہ اقدام کرنا ہی چاہئے تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات صرف اصلی

حالات میں بغیر کسی اضافہ اور ملاوٹ کے دنیا میں باقی رہیں۔ کسی بھی ہستی کو ان میں کمی

بیشی کی اجازت نہ دی جائے۔ یہ تھا نصب العین حضرت فاروقؓ اعظمؓ کا اور اسی لئے

آپ نے یہ احتیاطی پہلو اختیار کیا، سند اور روایت کے بارے میں آپ نے اس مقدس

مقصد کے ماتحت یہ شرائط قائم کئے گئے۔

(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا روایت کے اعتماد کے لئے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے، جس کو محدثین کی اصطلاح میں

تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابلِ بحث نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار سے موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

(الفاروق حصہ ۲ ص ۱۸۶)

روایت کے بارے میں ان دفعات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ آپ کتنے

احتیاط کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ احادیث کو مستحکم طرائق سے رواج

دینا چاہتے تھے۔ یہ چیزیں محض ”قول“ تک محدود نہ تھیں بلکہ عمل بھی آپ کا یہی تھا۔

جب بھی کسی مسلمان نے آپ کے سامنے کوئی روایت بیان کی اور وہ آپ کو کھٹی آپ نے

فوراً حکم صادر فرمایا کہ اس روایت کی صحت و تصدیق کے لئے ”گواہ“ پیش کرو۔ مقصد یہی

ہوتا تھا کہ کوئی بھی غلط چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہونے پائے۔

یہ ہے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ کارنامہ جس پر آج بھی امت ناز

کرتی ہے اور فریاد کرتی ہے کہ اس کے رسول مقبول سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے

فرمودات آج بھی دنیا میں اتنی احتیاط کے ساتھ محفوظ موجود ہیں کہ دنیا کا کوئی نبی،

رسول، رفیقِ امر اس بارے میں آپ کا مقابلہ نہیں کر سکا اور یہ جنابِ سرورِ کائنات علیہ

افضل السلام واکمل التحیات کی صداقت کی ایک روشن زندہ دلیل ہے جو اس وقت تک

قائم رہے گی جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہے۔

برق اور برقی پرستوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق و سیدنا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہم کے بارے میں ان کا بار بار یہ لکھنا کہ وہ اپنے پیارے

رسولؐ کی احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے پھرتے تھے۔ یہ صرف ”حدیث“ پر حملہ نہیں بلکہ اسلام پر حملہ ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس اعظم پر حملہ ہے اور اس قدر خطرناک حملہ ہے کہ ایسا حملہ کرنے کی جرأت نہ عیسائیوں کو ہوئی نہ یہودیوں کو نہ دیگر غیر مسلموں کو۔ بھلا اگر حضرات شیخین ہی اس قدر ”رسول دشمنی“ پر آمادہ ہو جائیں تو بتلائے پھر اسلام کی خیر کہاں باقی رہتی ہے۔ برق سے تو یہ توقع کم ہے کہ وہ ایسے ”ہزل“ اور ”جہل“ پر نظر ثانی کریں مگر اہل نظر انصاف پسند حضرات سے ہم اپیل کریں گے کہ وہ مذکورہ بالا تفصیلات کو بار بار مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ حضرات شیخین کا صحیح مقام کیا ہے؟ اور کس طرح سے برق جیسے اسلام کے نادان دوست آج ”عبداللہ بن ابی“ کے سجادہ نشین بن کر اس کی ڈیوٹی ادا کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ نورانی ہے ”برق“ کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

### دیگر مستند تاریخی شہادات

مناسب ہوگا کہ چند دیگر مستند تاریخی شہادات بھی یہاں درج کر دی جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ شیخین اور دیگر صحابہؓ اپنے مقدمات میں ”احادیث رسول“ کا تتبع کرتے تھے اور امت کے بیشتر مستند ائمہ اسلام کی حدیث و اہل حدیث کے بارے میں کیا رائے ہے؟

(۱) حضرت ابو بکر صدیقؓ کا طریق فیصلہ کیا تھا؟ اس بارے میں جناب میمون بن مہران کا بیان یہ ہے: کان ابو بکر اذا ورد عليه الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہا ما یقضىٰ بینہم قضیٰ بہ و ان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک الامر سنة قضیٰ بها فان اعیاه

خرج فمئبل المسلمين و قال اتاني كذا و كذا فهل علمتم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى في ذلك بقضاء فرما اجتمع عليه النصر كلهم بذكر ان رسول الله صلى الله عليه وسلم فيه بقضاء فيقول ابو بكر الحمد لله الذي جعل فينا من يحفظ على نبينا الخ (۱)

(ترجمہ) حضرت ابو بکرؓ کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا تو پہلے قرآن پاک میں تلاش کرتے اگر اس سے فیصلہ مل گیا تو اس کے مطابق کرتے ورنہ کوئی حدیث اس کے متعلق معلوم ہوتی تو اس سے فیصلہ کر دیتے، اگر دونوں صورتیں نہ ہوتیں تو عام مسلمانوں سے دریافت فرماتے کہ اس طرح کا مقدمہ ہے، کیا تمہیں معلوم ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا کس طرح فیصلہ کیا تھا؟ پس بعض دفعہ تو لوگ بول اٹھتے کہ ہاں حضورؐ کا فیصلہ اس مقدمے کی نسبت ہمیں معلوم ہے آپ نے اس کا اس طرح فیصلہ فرمایا تھا۔ اس وقت جناب ابو بکرؓ خدا نے تعالیٰ کی تعریف کرتے کہ اس نے ہمارے اندر ایسے افراد پیدا کئے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کو یاد رکھتے ہیں۔ (حجۃ اللہ الباقیہ ص ۱۳۹)

(۲) حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت شریح کو ایک مکتوب تحریر فرمایا جس میں

آپ نے لکھا: ان جاءك شيء في كتاب الله فاقض به ولا يلتفتك عنه البرجال فان جاءك ما ليس في كتاب الله فانظر سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم فاقض بها الخ ترجمہ تمہارے سامنے اگر ایسا مسئلہ آجائے جو قرآن کریم میں مذکور ہے تو کسی کی مت سنو اور اسی کے مطابق فیصلہ کرو اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہیں تو حدیث رسول اللہ میں دیکھو اور اس کے مطابق فیصلہ کرو۔ (حجۃ اللہ الباقیہ ص ۱۳۹)

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: فمن عرض له قضاء بعد اليوم فليقض فيه بما في كتاب الله عز وجل فان جاءه ما ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به رسول الله صلى الله عليه وسلم ترجمہ اگر کسی کے پاس



کوئی کیس آوے تو احکام کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرے اگر قرآن کریم میں اس کے متعلق فیصلہ نہ ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کی رو سے فیصلہ کرے۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۰)

(۴) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جو امت مسلمہ کے بہترین علماء سے ہیں، جن کے لئے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور جن کو حضرت عمر بن خطابؓ مشیر خاص کی حیثیت سے ارکان حکومت میں نمایا جگہ دیتے تھے۔ (اسماء الرجال ص ۲۰) جن کو برق نے بڑی دلیری کے ساتھ ”بچہ بیحد غیر ذمہ دار“ (دو اسلام ص ۵۳) قرار دے کر اپنی ”برقی شرافت“ کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ ان کا طرز عمل کیا تھا؟

كان ابن عباس اذا سئل عن الامر فان كان في القرآن اخبر به وان لم يكن في القرآن وكان عن رسول الله صلى الله عليه وسلم اخبر به وان لم يكن فعن ابي بكر وعمر الخ. ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ جتنے جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اگر وہ قرآن مجید میں ہوتا تو اس سے بتلا دیتے، اگر اس میں نہ ملتا تو حدیث رسول اللہؐ سے بتلاتے، اگر دونوں میں نہ ملتا حضرات ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے اثر سے بیان فرماتے۔ الخ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۰)۔

جن بزرگان اسلام کا یہ طرز عمل ہو کہ وہ بات بات پر قرآن مجید کے بعد حدیث رسولؐ کے متلاشی رہتے ہوں ان کے بارے میں ”حدیث دشمنی“ کا وہم و گمان بھی ذہن میں لانا انتہائی دریدہ دہنی اور سخت ترین گستاخی ہے، جس کے مرتکب یقیناً دوزخ میں لعنت خداوندی کا مستحق ہے۔

(۵) امام سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں: لا اعلم علماً افضل من علم الحديث لمن اراد به وجه الله تعالى ان الناس يحتاجون اليه حتى في طعامهم و شرابهم فهو افضل من التطوع بالصلوة والصيام لانه فرض كفاية انتهى۔ میرے نزدیک علم حدیث سے زیادہ بہتر اور کوئی علم نہیں ہے بشرطیکہ اس تحصیل سے

رضائے الہی مد نظر ہو۔ بلا شک لوگوں کو کھانے پینے تک کے آداب و مسائل سیکھنے میں اس علم کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس علم کے حصول میں وقت خرچ کرنا نفلی نماز و روزہ تک سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ (مقدمہ تحفۃ الأحوذی ص ۷)

(۶) قاضی ابوبکر ابن العربی فرماتے ہیں: ما من رجل يطلب الحديث إلا

كان على وجه نضرة لقول النبي صلى الله عليه وسلم: نضر الله امرأ سمع مقالتي فوعاها فادها كما سمع (حوالہ مذکورہ) جو شخص بھی علم حدیث حاصل کرتا ہے اس کے چہرے پر ایمان کی تروتازگی ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی ہے: خدا تروتازہ رکھے اس انسان کو جس نے میری حدیث کو سنا اور اس کو خوب اچھی طرح یاد کر لیا اور پھر ہو بہو جیسا سنا تھا اس کو دوسروں تک پہنچا دیا۔

(۷) اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ نزدیکی وہ لوگ ہوں گے جو مجھ پر بکثرت درود بھیجتے ہیں۔ (رواہ الترمذی) اس حدیث کی

شرح میں علامہ ابن حبان فرماتے ہیں: فی الخبر بیان صحیح علی ان اولی الناس برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی القيامة يكون اصحاب الحديث اذ ليس في هذه الامة قوم اكثر صلاة عليه منهم۔

(مقدمہ مذکور ص ۲)

بلا شک و شبہ قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سے زیادہ نزدیک ”حدیث والے“ حضرات ہی ہوں گے۔ اس لئے اس امت میں ان سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے والی کوئی بھی قوم نہیں ہے۔ سچ ہے کہ

(۸) علامہ ابن القطان فرماتے ہیں: ليس في الدنيا مبتدع الا وهو يبعث اهل الحديث. (مقدمہ تحفۃ الأحوذی ص ۸) دنیا میں کوئی گمراہ بدعتی ایسا نہیں ہے جو

اہل حدیث سے بغض نہ رکھتا ہو۔ یعنی اہل حدیث سے بغض رکھنا ہی اہل بدعت و ضلالت کی علامت ہے۔

(۹) امام حاکم فرماتے ہیں: لو لا كثرة طائفة المحدثين على حفظ الاسانيد لدرس منار الاسلام ولتمكن اهل اللاحاد والمبتدعة من وضع الأحاديث و قلب الاسانيد: (حوالہ مذکور) یعنی اگر حفظ اسانید کے لئے اس کثرت کے ساتھ اہتمام کرنے کے لئے محدثین کا گروہ نہ کھڑا ہوتا تو اسلام کے نور کے مینار نسب بجھ جاتے اور ظہور بدعتی لوگ احادیث وضع کرنے میں اور سندوں کو الٹ پلٹ کرنے میں کامیاب ہو جاتے، مگر طائفہ محدثین نے تمام مضامین و جالین، مبتدعین و ملاحذہ کا ناطقہ بند کر کے رکھ دیا۔

کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون ☆ نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون  
طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا ☆ نہ ملا کو چھوڑا، نہ صوفی کو چھوڑا  
(حالی بالاختصار)

(۱۰) شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں: وکان من خبر الخاصة انه کان اهل الحديث منهم يشغلون بالحديث يخلص اليهم من احاديث النبي صلى الله عليه وسلم الخ۔ مسلمانوں میں جماعت اہل حدیث وہ ہے جو رات دن حدیث کی خدمت میں لگی رہتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پھر صحابہ کرام کے آثار وہ تحقیق و تدقیق کے بعد اس کثرت سے ہم پہنچاتی تھی کہ کسی مسئلہ اور کسی معاملہ میں اب دوسری چیزوں کی ضرورت ہی باقی نہ رہی تھی۔ (حجۃ اللہ الباقیہ)

اکابر اسلام کے یہ اقوال بطور نمونہ نقل کئے ہیں ورنہ امت میں بڑے بڑے مستند ائمہ عظام کے ہزار ہا ”ارشادات“ اس مضمون کے موجود ہیں، امید ہے کہ ”اہل نظر“ کے لئے برق کی ”ہفوات“ کے جواب کے لئے یہ کافی ہوں گے۔

## ایک اور برقی گپ

”حدیث دشمنی“ میں برق کا دماغ اس قدر گرم ہو گیا ہے کہ اب قوت خیالی پر بھی آپ کو قابو حاصل نہیں ہے، جو بھی سوچتا ہے بے تحاشا آپ قلم کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں آپ نے نہایت بے باکی کے ساتھ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مقدس میں ایک اس قدر ناپاک جملہ حوالہ قلم کیا ہے کہ جس کے لعفن سے صدمہ ”مغربیت“ کے زہر خوردہ افزاؤ کا اگر ”ایمانی ہارٹ فیل“ ہو جائے تو تعجب نہیں ہے، وہ لکھتے ہیں اور بڑی بیباکی کے ساتھ لکھتے ہیں:

خود رسول کریم صلی اللہ کی زندگی میں ان کے اقوال محرف ہو چکے تھے۔

(دو اسلام ص ۳۹)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا آپ کی حیات طیبہ ہی میں کوئی وزن نہیں رہا تھا۔ ان میں ہر شخص اپنی منشاء کے مطابق تحریف، تغیر، تبدل کر کے ان کے اصل حلیہ کو بگاڑ کر رکھ دیا کرتا تھا اور پھر آپ کو اس بارے میں کچھ اطلاع نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے آپ ہی کی حیات میں آپ کے مشن کا سارا ڈھانچہ ردو بدل ہو چکا تھا اور پھر اس بارے میں نہ خداوند تعالیٰ کوئی نوٹس لیتا تھا، نہ آپ کی وحی اس بارے میں کچھ رہ نمائی کرتی تھی، نہ حضرت جبریل ایسی تحریفات پر آپ کو کچھ معلومات بہم پہنچاتے تھے۔ ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ جس ”رسول“ کا یہ حال ہو اس کے پیش کردہ ”پیغام“ کا دنیا کے بازار میں کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ نعوذ باللہ من ذلک۔

برق کو چاہئے کہ اب وہ قرآن پاک کی ان جملہ آیات کو قرآن پاک سے خارج کر دے، جن میں جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات آپ کے فیصلہ جات، آپ کے احکامات، آپ کے ارشادات کو تسلیم کر لینا ایمان کی شرط اولیں کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جب آپ کے ”اقوال“ آپ کے بنانے ہی ”محرف“ ہوتے رہے اور آپ اس کا

کچھ سد باب نہ کر سکے تو پھر ان کو تسلیم کرنا چہ معنی دارد؟

ہم ”اسلام دوست اہل نظر“ کے سامنے کھلے لفظوں میں اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ یہ برق کے بدترین ”گیوڑے“ ہیں ”قرآنیات“ کی روشنی میں ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ دینی امور اور شرعی ہدایات کے ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ فرمایا وہ منجانب اللہ فرمایا، پورے وثوق سے فرمایا، عین حق اور سچ فرمایا اور وہ خود خیات طیبہ میں محفوظ رہا، آپ کے بعد محفوظ رہا اور اب تک محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ وہ قرآن مقدس کی شکل میں محفوظ ہے اور صحیح مرفوع متواتر مستند احادیث کی شکل میں محفوظ ہے۔ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کے اور بانی اسلام کے ایسے وفادار بندے تھے کہ دنیا میں زمین کے پیٹ نے ایسی کوئی وفادار، اطاعت شعار قوم پیدا نہیں کی وہ ہرگز ہرگز غدار بے وفا نہیں تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وہ ایسے ”گرتے ہوئے برتاؤ“ پر آمادہ ہو جائیں کہ آپ جو بھی فرمائیں وہ فوراً رد و بدل کر کے اس کا حلیہ ہی بگاڑ ڈالیں۔ اصحاب رسول ہرگز ہرگز ایسے ”کم ظرف“ نہیں تھے، جو بھی ان کی شان میں ایسا خیال قائم کرتا ہے وہ خود اسلام کا، بانی اسلام کا، قرآن کا، امت کا غدار ہے، کم ظرف ہے، باغی ہے، بے وفا ہے، نمک حرام ہے۔ کسے باشد۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے: کان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا قعدوا يتحدثون کان حدیثہم الفقہ الا ان یامروا رجلاً لیقرأ علیہم سورۃ او یقرأ رجل سورۃ من القرآن۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا یہ دستور تھا کہ جب بھی وہ بات چیت کرنے بیٹھتے تو حدیثیں بیان کیا کرتے تھے اور ان کی گفتگو زیادہ تر دینی فقہ ہوا کرتی تھی یا وہ کسی ایک کو حکم دیتے اور وہ قرآن حکیم کی کوئی سورت پڑھ کر سناتا۔ (طبقات ابن سعد جلد ۱ قسم دوم ص ۱۲۵)

سچ ہے۔ ﴿لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ وَالْبَرِّ﴾ ان کے لئے کہ تم نہ گرمی نہ سردی میں نہ نکلو۔  
 اولاً تک اصحاب میخدا اختیار ہم اللہ لصیحة نبیہ ولا قامۃ ذبیہ۔  
 اگر ہم یہاں محض ”قرآن مقدس“ کی وہ آیات نقل کریں جن میں جناب آقاؐ نے  
 نامدار سید البراءہ مدینہ کے تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر دینی ارشاد کی تعمیل کے لئے  
 گزروں جھکا دینا ایمان کی اولین شرط قرار دی گئی ہے تو ہمارا مضمون بہت طویل پکڑ جائے  
 گا، اس لئے ہم صرف چند آیات پر اکتفا کرتے ہیں جن سے ناظرین کو ”برق“ کی بات  
 کا رنگ معلوم ہو جائے گا۔  
 ارشاد باری ہے:

ولو تقول علينا بعض الاقاويل ○ لا خذنا منه باليمين ○ ثم لقطعنا منه  
 الوتين ○ فما منكم من احد عنه حاجزين ○ (قرآن مقدس) اگر یہ رسول کوئی  
 بات اپنی طرف سے گھڑ کر ہمارے ذمہ تھوپ دے تو ہم اس کا دایاں حصہ پکڑ کر اس کی  
 گردن کی رگ کاٹ ڈالیں اور تم میں سے کوئی بھی اس کو ہمارے عذاب سے نہ بچا سکے۔  
 اس آیت میں دینی امور میں ارشادات رسولؐ کے اصل مقام کی حقیقت ہمارے  
 سامنے آتی ہے اور بتلایا جاتا ہے کہ یہ قطعاً ناممکن ہے کہ دین مذہب شریعت کے نام پر  
 آپ کوئی فرمان صادر کریں اور وہ الہی تعلیم کے خلاف ہو یہ قطعاً ناممکن ہے اور جب  
 آپ کے دینی ارشاد کا یہ درجہ ہے تو پھر یکسر ان کے محرف اور مبطل ہونے کا تصور بھی  
 کرنا اس کی اہمیت کو گرائنا اور اس کے مقام سے انکار کرنا ہے۔  
 اور ارشاد ہوتا ہے:

وما ينطق عن الهوى ○ ان هو الا وحي يوحى ○ ”دینیات“ ”شرعیات“  
 میں آپ کا کوئی بھی ”بول“ محض اپنی خواہش کے تحت نہ ”دماغی بات“ پر مبنی نہیں ہوتا۔  
 اس بارے میں آپ جو بھی کچھ بولیں گے وہ سر اسروحی الہی کی ترجمانی ہوگی۔ یہ ہے اس  
 رسول کا اصل مقام جو بازی تعالیٰ سے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ اگر آپ ”رسول“ اس مقام

سے گراتے ہیں اور علی الاعلان آپ یہ کہنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں کہ دینی امور میں جو کچھ آپ نے فرمایا وہ سب آپ کی حیات مقدس ہی میں ”گڈڈ“ ہو چکا تو پھر آپ کو یہ حق ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ آپ بانی اسلام کی شخصیت کو ایک عالمگیر، ہمہ گیر، قیامت گیر، پیغمبر کی شخصیت میں دنیائے انسانیت کے سامنے پیش کر سکیں اور پھر ”نعوذ باللہ“ جو پیغمبر اس پوزیشن میں ہو اس نے قرآن کے نام پر جو کچھ بنی نوع انسان کو دیا اس کا بھی کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ اور اس کا بھی رد و بدل سے محفوظ رہنا محض ایک داستانِ بن کر رہ جاتی ہے۔ برقی صاحب مسلمان بن کر اسلام اور بانی اسلام پر آپ کی مہربانیوں کا یہ حال ہے۔

اگر تم خشکیں ہوتے خدا معلوم کیا کرتے

اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم پر برقی تبصرہ

بعض صحابہؓ سے بھی اخلاقی لغزشیں سرزد ہوتی تھیں..... رحلتِ رسولؐ کے بعد بعض مرتد ہو گئے تھے اور بعض نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کی جنگ میں دونوں طرف صحابہؓ کی ایک بہت بڑی تعداد تھی اور ظاہر ہے کہ دونوں راستی پہ نہیں ہو سکتے تھے ان حالات میں بہت ممکن ہے کہ کسی صحابیؓ نے بھی عداوت کسی حدیث کے الفاظ بدل دیئے ہوں اور سہو و نسیان کا خطرہ تو ہر وقت (ان کے) تعاقب میں رہتا تھا۔ (دو اسلام ص ۴۵)

اب اگر کوئی دشمن قرآن برقی کے اس بیان کی مزید یوں تشریح کر دے کہ جن صحابہؓ کا یہ حال ہے کہ وہ عمداً احادیث کے الفاظ بدل دیں، ہر وقت سہو و نسیان کے شکار ہیں، کیا بھروسہ ہے کہ قرآن پاک کے نقل کرنے میں ان سے کوئی لغزش نہ ہوگی ہو؟ اور جبکہ ان میں آپس میں اس قدر طول و طویل لڑائیوں کا سلسلہ بھی چالو تھا تو بالکل ممکن ہے کہ کسی فریق نے دوسرے فریق کے خلاف قرآن مجید کی آیات میں بھی دست اندازی





لاکھ راوی۔ جن میں سے ۳۲،۳۰ لاکھ لازماً مرچکے ہوں گے۔ نہ ان کے حالات محفوظ نہ انہیں کوئی جاننے والا موجود، اقام بخاری کو کیسے پتہ چل گیا تھا کہ اس کے تمام راوی سچے تھے؟ الخ (دو اسلام ص ۴۶)۔ ناظرین بھولے نہیں ہوں گے جو کچھ برق صاحب نے ابھی پیچھے ارشاد فرمایا تھا کہ امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں سے صرف ۷۲۵ انتخاب کیں اور باقی تمام کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیا۔

دماغ فیل ہے

یقیناً برق صاحب کا دماغ فیل ہو گیا ہے ان کے حافظے کا یہ حال ہے کہ ابھی تو ۶ لاکھ میں سے صرف ۷۲۵ کا انتخاب کر کے بتایا کہ امام بخاریؒ کے ہاتھوں ردی کی ٹوکری میں ڈالواچکے ہیں اور اب یہاں پوری چھ لاکھ احادیث کے ۶،۶ راوی کم از کم بتلا کر ان پر ۳۶ لاکھ راویوں کے علم الرجال کی دیوار تعمیر فرما رہے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی دعویٰ ہے کہ ان چھ لاکھ احادیث میں سے ہر ہر راوی صرف ایک ایک ہی حدیث کا علم رکھتا تھا اور یہ ناممکن تھا کہ ایک ایک راوی دس دس بیس بیس احادیث کا عالم بن سکے۔ آخر ۳۶ لاکھ کی تعداد پوری کرنے کا کوئی تو ڈھنگ ہونا چاہیے۔ افسوس! برق صاحب نے اپنی ناول نویسی اور افسانہ تراشی کی مشق کے لئے حدیث ”علم الرجال“ کو انتخاب کر کے کسی بڑی دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ امت مسلمہ کے ”علم الرجال“ پر غیروں کو بھی رشک ہے مگر برق صاحب ہیں کہ افسانہ تراشی کے نشہ میں جملیہ ”حقائق عالم“ کو اس ذیل میں لانے کے لئے بے باکانہ طور پر تیار ہو جاتے ہیں۔ باوجود حدیث و علم الرجال کی تاریخی و ثابت کو دیکھ کر یہ لکھنے پر مجبور ہوا ہے۔ کوئی شخص یہاں سیرت نبوی کے متعلق نہ خود کو دھوکا دے سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے کہ یہاں دن کی پوری روشنی ہے۔ (لائف آف محمدؐ از

بابا سورتھہ اسمتھہ ص ۱۰۸)

ڈاکٹر اسپرنگر لکھتے ہیں

کوئی قوم دنیا میں نہ ایسی گزری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح

’اسماء الرجال‘ کا یہاں عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ

لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

(تدوین حدیث ص ۲۵)

ٹومس ولیم بیل اور ٹیل جیوگرٹفیل ڈکشنری مطبوعہ لنڈن ۱۸۹۰ء میں لکھتے ہیں:

امام بخاریؒ کی تصنیف صحیح بخاری کی سب سے زیادہ قدر کی جاتی ہے اور روحانی و دنیوی

دنیاوی معاملات غرض دونوں حیثیت سے قرآن کے بعد معتبر سمجھی جاتی ہے۔

اس کتاب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے الہامات و افعال و اقوال ہی

درج نہیں بلکہ قرآن کے اکثر مشکل مقامات کی تفسیر بھی درج ہے۔

الغرض ساری دنیا چلاتی رہے، مگر برقی صاحب اپنی ہی دھن میں مست ہیں اور

ان کو حدیث دشمنی نے حقائق سے بہرہ، گونگا، اندھا بنا دیا ہے۔

اور زعلیات

(۱) امام بخاریؒ نے چھ لاکھ احادیث میں ۲۷۵ کو انتخاب کیا۔ اس زہل کی حقیقت

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری مرحوم کی قلم سے معلوم کیجئے آپ فرماتے ہیں۔

و جملة ما فى صحيح البخارى من الاحاديث المسندة سبعة

آلاف و مائتان و خمسة و سبعون حديثاً بالاحاديث المكررة

ويحذف المكررة نحو اربعة الاف (مقدمہ صحیح البخاری ص ۴)

یعنی بخاری شریف میں احادیث میں جو مکرر بیان ہوتی ہیں ان سب کی مجموعی

تعداد ۷۲۷۵ ہے اور مکررات کو حذف کرنے کے بعد اصل احادیث کی کل تعداد چار

ہزار کے قریب ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں احادیث کی تعداد صرف چار ہزار کے لگ بھگ ہے۔ ان ہی کو جگہ جگہ بار بار استشہاداً وارد کیا گیا ہے۔

برق صاحب کی معلومات کا حال یہ ہے کہ وہ چھ لاکھ احادیث میں امام بخاریؒ کی منتخب احادیث ۷۲۷۵ بتلا رہے ہیں کیا برق صاحب میں یہ طاقت ہے کہ وہ بخاری شریف میں بحذف کمرات ۷۲۷۵ احادیث کی گنتی پوری کر ادیں؟

(۲) ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ہر حدیث میں کم از کم ۶، ۶، ۶، راوی ضرور ہیں۔ بخاری شریف کوئی نایاب کتاب نہیں ہے۔ اہل بصیرت اصل کتاب کھول کر بزق کی آس برقی زل کی اصل حقیقت بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ آپ کو بہت سی احادیث ایسی مل جائیں گی جن میں حضرت امام بخاریؒ اور روایت کرنے والے صحابی تک درمیان میں صرف ۳، ۴، ۵ ہی واسطے ہیں۔ بعض جگہ اس سے کم بھی مل سکیں گے۔ مگر برق صاحبؒ اپنی زل پر مصر ہو کر اپنی معلومات کا بھانڈا پھوڑنے میں ذرہ برابر بھی باک محسوس نہیں کرتے۔

(۳) آپ کے خیال میں بخاری میں ہر ہر حدیث کے زاوی الگ الگ ہیں۔ آپ کے علم میں یہ ناممکن ہے کہ صرف ایک ہی راوی بہت سی احادیث روایت کر سکے۔ اس زل کی ہی بنا پر آپ نے راویوں کی تعداد چھتیس لاکھ تک پہنچا ڈالی ہے۔ خیر ہوئی کہ معاملہ چھ لاکھ تک ہی رہا۔ ورنہ ۶ کو ۱۴ لاکھ میں ضرب دے دیتے تو راویوں کی تعداد چوراسی لاکھ تک بآسانی پہنچا سکتے تھے۔ برق صاحب! سہ

کوئے کی دم میں ٹانگی کرن آفتاب کی

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

تذکرۃ الحفاظ میرے سامنے پڑا ہے

برق صاحب اپنے سوانح نگاروں پر تنقیدی نگاہ ڈالنے کی گرمی میں علامہ ذہبیؒ پر بھی گرم ہو کر فرماتے ہیں: (حالانکہ یہ وہی علامہ ذہبیؒ ہیں اور وہی تذکرۃ الحفاظ ہے،

جس سے صد ہا مقامات پر آپ نے اپنے خیال میں استفادہ بھی فرمایا ہے۔  
 اس وقت ذہنی کا تذکرۃ الحافظ میرے سامنے پڑا ہے، جس میں ہزار ہا بڑے  
 بڑے اذیان (غالباً ”لفظ“ راویان ہے مگر گرنی دماغ کی وجہ سے قلم بھی قابو  
 سے باہر ہو گئی ہے) و حفاظ حدیث کے حالات مرقوم ہیں۔ (دوا اسلام ص ۴۷)  
 آگے آپ نے اپنے سوانح نگاروں کی ”مبالغہ پسندی اور بے حد مدح سرائی“ کی  
 دس پانچ مثالیں نقل کی ہیں اور اس حقیقت کو قطعاً نظر انداز کر دیا ہے کہ اگر مبالغہ پسندی  
 کی یہ چند مثالیں ملتی ہیں تو تنقیدی میدان میں بھی ایسے ایسے حق گو سوانح نگار مل سکیں گے  
 جنہوں نے مشاہیر اسلام پر بھی تنقیدی نگاہ ڈال کر ان کے بھی معائب و مثالب کو کھول  
 کھول کر رکھ دیا ہے۔

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا ☆ مناقب کو چھانا مثالب کو نہایت  
 مشائخ میں جو فتح نکلا جتایا ☆ ائمہ میں جو بدائع دیکھا بتایا  
 طلسم و راز ہر مقدس کا توڑا

نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا  
 رجال اور اہل انبیا کے جو ہیں دفتر ☆ گواہ ان کی آزادی کے ہیں یکسر  
 نہ تھا انکا احسان یہ اک اہل دین پر ☆ وہ تھے اس میں ہر قوم و ملت کے رہبر  
 البری میں جو آج فائق ہیں سب سے  
 بتائیں کہ لبرل ہے ہیں وہ کب سے

تصویر کے صرف ایک ہی رخ کو دیکھنا اور دوسرے سے آنکھیں بند کر لینا یہ برق  
 جیسے ہی ”برق نگاروں“ کا کام ہو سکتا ہے۔ بلا ریب مبالغہ پسند مدح سرا سوانح نگار اسی  
 قابل ہیں کہ ان کے بیانات کو محض مبالغہ سمجھ کر نظر انداز کر دیا جائے، مگر یہ

نہ ہر زن زن است نہ ہر مرد مرد  
 خدا بیچ انگشت یکنساں نہ کردا

## ایک اور ”گپ“

برق کو ”ذکر اللہ“ سے اس قدر نفرت ہے کہ وہ کسی قیمت پر بھی اس کام کے لئے تیار نہیں۔ اس کو ذکر الہی کرنے والے بے حد قابل نفرت ست الوجود، جنگ و جہاد سے جی چرانے والے نظر آتے ہیں۔ بڑی دلیری کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے:

ساری امت قرآن سے بیگانہ ہو چکی ہے، ہر فرد حدیث کی ارزاں جنت کی تلاش میں ہے، سارا ازور اور ادو ظائف پر صرف ہو رہا ہے صرف وضو کرنے پر گناہوں کی مغفرت ہو رہی ہے..... اس قدر سستی جنت اور مفت مغفرت چھوڑ کر قرآن کے شمشیر و سناں والے اسلام کے قریب کون جائے کیوں نہ مسجد کے کونے میں گھس کر کچھ وقت کے لئے اللہ اللہ کرے اور مرنے کے بعد سیدھا جنت میں چلا جائے۔

(ملخص دو اسلام ص ۶۲، ۶۳)

برق کا جوش جہاد سبحان اللہ! اس قدر تیزی پر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نشہ میں اگر بس چل جائے تو دنیا میں ایک بھی ”وضو“ کرنے والے ”مسجد کے کونے میں گھس کر اللہ اللہ کرنے والے“ کو باقی نہ چھوڑے، پھر تعجب ہے کہ اپنے اس ”کیر کمر“ کو لفظ ”ایثار و شہادت“ کے پردے میں چھپا کر عوام کی آنکھوں میں سرخروئی چاہتا ہے۔ برق صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایثار و قربانی و شہادت کی جس قدر بھی مثالیں تاریخ اسلام میں ملتی ہیں وہ سب ان ہی مسجد کے کونوں میں گھس کر اللہ اللہ کرنے والوں کے پاک نفوس سے متعلق ہیں اور محض بات بنانے والے ”خالی گپ ہانکنے والے“ طالوت علیہ السلام کے ”بھگوڑے سپاہیوں“ کے بھائی بند، قبل از وقت جوش دکھلانے والے تحض ہنگامی لوگ ہمیشہ ”لا طاقة لنا الیوم“ کا نعرہ بلند کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز ☆ قبلہ رو ہو کے زمین بوس ہوئی قوم حجاز

”ذکر اللہ“ کے فضائل سے متعلق احادیث سے بھی آپ کو بے حد ”نفرت“ ہے۔

چنانچہ آپ نے موطاء کی دو روایات نقل کر کے ان کے پاکیزہ مفہوم کو حدیث کی ساری سے تعبیر کیا ہے۔ پہلی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ”سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ“ روزانہ سو مرتبہ پڑھنے والے کے جمع گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسری کا یہ کہ اللہ کا ذکر جملہ اعمال حتیٰ کہ جنگ و جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بہتر ہے۔ یہ ہر دو حدیثیں برق کو ”مفت کی سستی جنت“ لینے کے لئے ”ملا“ کی بناوٹ معلوم ہوتی ہیں۔ برق یہ نہیں جان پاتا کہ ہر دو احادیث میں ایک ایسی حقیقت کا اظہار ہے جو اسلام کی روح ہے، ایمان کی جان ہے۔ ”اللہ کی یاد“ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام کے جس قدر بھی ارکان، فرائض، واجبات، مستحبات اور امر ہیں ان سب کی روح ”ذکر اللہ“ ہے۔ اسی حقیقت کو ان احادیث میں ظاہر کیا گیا ہے۔ مگر دیکھنے اور سمجھنے کے لئے نہ سہ

چشم بینا چاہئے۔

برق نہیں جانتا کہ مسلمان کو ٹھنڈی راتوں میں برقی پھاڑوں پر پہرہ دلانے والی طیاروں اور توپوں کی دواؤں کے سامنے سینہ سپر کر دینے والی، گولیوں سے سینوں کو چھلنی کرانے کے لئے ”میدانِ وعا“ میں بھیج کر بے جانے والی ”طاقت“ صرف ”ذکر اللہ“ ہے۔ یہ ہے تو مسلمان کا ہر عمل ”اسلامی عمل“ ہے اور یہ نہیں تو سب بے کار ”حرکات“ ہیں۔ آیت شریفہ: وَتَسْرِعُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور بتلایا گیا ہے کہ مومن کا مقام اس لئے بلند ہے کہ اس کا ہر کام حصولِ رضائے الہی کے لئے ہے۔ اگر اس مضمون کو ہم قرآن کی روشنی میں مفصل لکھیں تو ہمارا اشہب قلم بہت دور جا پہنچے گا۔ اس لئے ہم ”اہل نظر حضرات کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ”ذکر اللہ“ وہ اہم ترین عمل ہے جس کے لئے قرآن پاک بار بار ”بندگانِ مومنین“ کو دعوت دیتا ہے۔ چند آیات پر غور کیجئے:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ (مومن صاحب عقل)

بندے صرف وہ ہیں جو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے ہیں۔

فاذکرونی اذکرکم و اشکرو لی ولا تکفرون ○ تم مجھ کو یاد کرو گے تو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ تم کو چاہئے کہ ہر وقت میرا شکر کرو اور ناشکری ہرگز نہ کرو۔  
یا ایہا الذین امنوا اذکرو اللہ ذکراً کثیراً ○ و سبحوه بکرة و اصلیلاً ○  
اے ایمان والو! اللہ کو بکثرت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہو۔

انما یؤمن بالایاتنا الذین اذا ذکروا بلہا خرّوا سجداً و اسبحوا بحمند ربہم و ہم لا یستکبرون ○ ہماری آیات پر ایمان لانے والے صرف وہی لوگ ہیں جب ان کو (یاد الہی کے لئے بلایا جائے) فوراً سجدے میں گر جاتے ہیں اور اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو جاتے ہیں اور وہ قطعاً تکبر نہیں کرتے۔

تتجافی جنوبہم عن المضاہج یدعون ربہم خوفاً و طمعاً و مما رزقناہم ینفقون ○ ایمان والے صرف وہی ہیں جو ذکر اللہ کی تڑپ میں رات کو بستر وں پر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور اپنے رب کو ”خوف اور امید“ کی بنا پر پکارا کرتے رہتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے ایثار اور قربانی کے میدان میں اس سب کو پیش کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

رجال لا تلہیہم تجارۃ ولا بیع عن ذکر اللہ و اقام الصلوۃ خدا کے محبوب بندے وہ ہیں جو تجارتی اور لین دین کے مشاغل کی وجہ سے بھی ”ذکر اللہ“ سے اور نماز قائم کرنے سے غافل نہیں ہوتے۔

ان جملہ آیات میں ”ذکر اللہ“ کے لئے جس قدر تاکیدات و ترغیبات ہیں۔ ناظرین نے ملاحظہ کیا۔ مگر افسوس! ہمارے برق صاحب کو یہ سب کچھ ”حدیث کی ساجری“ نظر آرہی ہے۔ برق کو چاہئے کہ آئندہ ”نئے اسلام“ میں قرآن مقدس کی ان آیات کو بھی ”حدیثی ساجری“ کی مطابقت کی وجہ سے ”قابل آپریشن“ قرار دے





لازم قرار دیتا ہوں جس کے پاس کوئی کتاب ہو کہ وہ واپس جا کر اس کو ”محو“ کر دے، اس لئے کہ پہلے لوگ اسی طرح ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے ”علماء“ کی باتوں کا تتبع کیا اور اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا۔

ظاہر ہے کہ حضرت علیؑ ایسی کتابوں کو مٹا ڈالنے کا حکم فرما رہے ہیں جن میں لوگوں کے قول اقوال جمع کر لئے گئے ہیں اور بے شک حضرت علیؑ کا یہ فرمان اپنی جگہ پر بالکل بر محل ہے۔

### اس بیان کو

برق نے الٹا کر کے یوں ادا کیا ہے:

حضرت علیؑ نے تمام صحابہؓ کو جمع کر کے حکم دیا کہ یہاں سے واپس جانے کے بعد ہر شخص پہلا کام یہ کرے کہ اپنے ذخیرہ احادیث کو جلا ڈالے۔

(مختصر بیان جامع العلم ص ۳۳)

کتاب محولہ میرے سامنے رکھی ہوئی ہے ص ۳۳ پر کہیں بھی یہ بیان نہیں ہے جو برق صاحب نقل کر رہے ہیں ص ۳۲ پر جو اصل بیان تھا وہ میں نے اوپر نقل کر دیا ہے۔ ناظرین کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ برق نے کس طرح حضرت علیؑ کو بھی اپنے ناپاک غلط خیالات میں شریک کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

حدیث کی ایک کتاب خود حضرت علیؑ نے لکھی تھی

حضرت علیؑ نے خود ایک حدیث کی کتاب لکھی تھی اور وہ ان کی خاص یادداشت تھی، جس کے بارے میں بخاری شریف میں تفصیل یوں مرقوم ہے: عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلی هل عندکم کتاب قال لا الا کتاب اللہ و فہم اعطیہ رجل مسلم و ما فی ہذہ الصحیفۃ قال قلت و ما فی ہذہ الصحیفۃ قال العقل و فکاک الاسیر و لا یقتل مسلم بکافر۔ (ارشاد الساری ص ۱۶۶)



”تذاوڑوا و تذاکروا الحدیث فانکم ان لم تفعلوا یدرین علمکم“ (جامع  
بخاری ص ۱۰۱)

یعنی ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہا کرو اور احادیث پاک کا خوب دورہ کیا کرو  
ورنہ علم حدیث مٹ جائے گا۔ آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب احادیث لکھنے لگو تو  
ان کو اسانید کے ساتھ لکھا کرو۔ اذا کتبتہم الحدیث فاکتبہ بالاسانید۔  
(منتخب کنز العمال) برق صاحب! سنا آپ نے حضرت سیدنا علیؑ ابن ابی طالب کا  
فرمان عالی شان، مگر جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرتے ہیں۔

### چند اور بزرگان اسلام پر الزامات

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں چند لوگ حاضر ہوئے اور  
آپ سے انہوں نے ملاقات کی۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: ان ما انتم فیہ حدث  
فی الاسلام فانا لله وانا الیہ راجعون ما ہکذا کنا نطلب العلم ولکنا کنا  
ناتی المشیخۃ فلا نری انفسنا اہلا للجلوس معہم فی الحلق فجلس  
دونہم ونسترق السمع فاذا مر الحدیث سئلناہم اعدتہ وقیدناہ وانتم  
تطلبون العلم بالجهل وقد ضیعتہم کتاب اللہ الخ

تم لوگ جس کیفیت میں ہو اس کو اسلام میں ایک حادثہ ہی کہنا زیادہ مناسب ہے  
انا لله وانا الیہ راجعون ہم نے تمہاری سی بے پرواہی و عدم توجہی کے ساتھ کبھی بھی  
علم حاصل نہیں کیا۔ ہمارا تو یہ حال تھا کہ حدیث کی طالب علمی کے زمانہ میں ہم مشائخ  
حدیث کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے کو ان کے ساتھ بیٹھنے کا اہل نہ پا کر ان سے  
نیچے ہو کر بیٹھتے اور کان لگا کر ان کی باتوں کو بہت توجہ سے سنتے، جب درس حدیث ختم  
ہو جاتا تو ہم دوبارہ اس کے مکرر لوٹانے کی درخواست کرتے اور اس کو لکھ کر اپنی کتابوں

میں قید کر لیا کرتے تھے۔ ہمارا طالب علمی کا زمانہ اس طرح گزرا اور آج تمہارا حال یہ ہے کہ علم حدیث طلب کرتے ہو مگر عدم توجہی کی بنا پر جہالت تمہارے اوپر سوار ہے۔ حقیقت میں تم لوگوں نے اللہ کی کتاب کو ضائع کر دیا اگر تم اللہ کی کتاب کو (جس میں حدیث رسول بھی داخل ہے) غور سے پڑھتے تو اس میں ہر قسم کی شفا پاتے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی **يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ** الخ۔

برق نے آدھی عبارت کو چھوڑ کر آدھی کو نقل کر کے یہاں بھی اپنی عادت ثانیہ کا ثبوت بہم پہنچا کہ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے خیالات فاسدہ کے ہم نوا ہونے کا الزام لگایا ہے۔ **قَالَا اللَّهُ وَآلَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ**

حضرت علامہ ابن عبد البر اپنی کتاب مختصر جامع بیان العلم میں باب منعقد فرماتے ہیں: **بَابُ ذِكْرِ مَنْ ذَمَّ الْإِكْثَارَ مِنَ الْحَدِيثِ دُونَ التَّفْهَمِ لَهُ وَالتَّفَقُّهِ فِيهِ** یعنی یہ باب ان لوگوں کی مذمت میں ہے جو حدیث کو بکثرت روایت کرتے ہیں مگر ان کو سمجھنے سے اور ان کی حقیقت تک پہنچنے سے غاری ہیں۔ اس باب کے ذیل میں حضرت علامہ نے مختلف بزرگان اسلام کے اقوال اس باب کے متعلق امر میں نقل کئے ہیں جن میں حضرت امام داؤد طائی، حضرت فضیل بن عیاض، حضرت سفیان ثوری، حضرت سفیان بن عیینہ، حضرت یحییٰ بن سلیمان القطان وغیرہ کی وہ نصائح ہیں جو انہوں نے وقتاً فوقتاً علم دین کے طلباء کو کی ہیں اور ان کو تفہم و تدبر و تفقہ کے لئے رغبت دلائی اور عدم توجہی و کم فہمی و عدم تدبر سے بچنے کے لئے حکم فرمایا ہے۔ ان بزرگان اسلام کے ان سنہری بر محل اقوال میں کتر بیونت کر کے ان سب کو برق آنے اپنا ہم نوا بنانے کی بے فائدہ کوشش کی ہے۔ حقیقت الامر میں یہ جملہ بزرگان اسلام اپنے اپنے وقت کے جید ترین علمائے حدیث تھے اگر علم حدیث (نعوذ باللہ) ان بزرگوں کی نظروں میں اتنا گرا ہوا علم ہوتا تو آج ہم ان کو محدثین کی بارگاہی فہرست میں ہرگز ہرگز نہ پاتے مگر اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے کس طرح ان کو علم حدیث کے ممتاز علماء میں گنویا گیا ہے۔ حضرت

علامہ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں:

و ابن عیینہ و معمر و سائر اصحاب ابن الشہاب الثقات کابن جریج و عقیل و یونس و شعب و الزبیدی و اللیث و حدیث ہؤلاء عند ابن وہب و غیرہ و كذلك حدیث حماد بن زید و حماد بن سلمة و یحییٰ بن سعید القطان و ابن المبارک و امثالهم من اهل الثقة و الامانة فہؤلاء کلہم ائمة حدیث و علیم عند الجميع و علی حدیثہم اعتمد المصنفون للسنن (الصحاح) الخ (جامع ص ۲۰۶)

یعنی ابن عیینہ و سفیان ثوریؒ و یحییٰ بن سعید القطان اور یہ تمام حضرات جن کے نام نامی اس فہرست میں آئے ہیں یہ سب متفقہ طور پر حدیث کے امام ہیں اور ان کی روایت کردہ احادیث پر جملہ مصنفین کتب حدیث نے کامل اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ ان میں سے پیشتر بزرگوں کا ”جمع احادیث“ میں پیش پیش ہونا خود برق نے تسلیم کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو دو اسلام ص ۷۸) برق کے دو متضاد بیان ہمارے سامنے ہیں ایک کی تفصیلات کے لئے دو اسلام کو ص ۶۵ سے ص ۶۹ تک پڑھ جائیے جس سے آپ سمجھیں گے کہ مذکورین حضرات ”حدیث دشمنی“ میں برق سے بھی آگے تھے۔ اب ان ہفتوں کی تردید کے لئے دوسرا بیان دو اسلام ص ۷۸ پر ملاحظہ فرمائیے جہاں ان میں سے پیشتر بزرگوں کا ”جمع حدیث“ میں پیش پیش ہونا مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تلافی ماقاب کے لئے برق نے حقیقت کو یہاں تسلیم کر لیا ہے۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ☆ ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا برق صاحب! دیکھتے ہیں جن بزرگوں کو آپ نے اپنے ناپاک خیال میں شریک کرنے کے لئے جن جن راستوں سے گھسٹنا چاہا تھا ان ہی راستوں سے ان کی جرأت و ثقاہت کا کتنا کھلا ہوا بیان موجود ہے۔ افسوس! آپ نے جامع العلم کے خوالجات نقل کرتے وقت اتنا تو سوچ لیا ہوتا کہ یہ کتاب دنیا کی نایاب کتابوں میں نہیں ہے اور جب



## دوسرا باب

### تدوین حدیث

اس عنوان کے ذیل میں برقی نے پہلے تو بڑے طمطراق کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ صحابہ کرام جمع احادیث کے خلاف تھے، پھر اپنے اس دعویٰ کی تکذیب کے لئے خود آگے ہی ارقام فرماتے ہیں کہ:

تین بزرگ یعنی انس بن مالکؓ، ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ ایسے نظر آتے ہیں جن کے پاس کچھ احادیث محفوظ تھیں۔ (دو اسلام ص ۷۰)

صحابہ کرامؓ کی جماعت میں جمع احادیث کے لئے صرف ان تین بزرگوں کی جدوجہد گویا برقی کے نزدیک قابل التفات نہیں ہے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حدیث دشمنی کے زہر نے برقی کے دماغ کو مفلوج کر دیا ہے جس میں اتنا بھی سوچنے کا مادہ نہیں رہا کہ دو معتبر شاہدوں کی شہادت سے اہم ترین مقدمات طے پا جایا کرتے ہیں اور یہاں تو بقول اسکے تین بزرگ ”محفوظ احادیث“ کے لئے بطور شاہد موجود ہیں جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موجودگی میں احادیث کو جمع کر کے محفوظ کر دیا تھا۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان تین بزرگوں کے اس ”عمل“ کے باوجود یہ کہا جائے کہ صحابہ کرام جمع احادیث کے خلاف تھے، اگر امر واقع ایسا ہوتا تو یہ تینوں بزرگ بھی کیوں ”محفوظ احادیث“ کو اپنے پاس رکھتے؟ اور صرف ان تینوں کی خصوصیت محض ایک ”گپ“ ہے ورنہ صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت حدیث کو لکھنے والی محفوظ کرنے والی ملتی ہے۔ خود حضرت شیخین کے بارے میں مستند روایات موجود ہیں کہ انہوں نے حدیث کو خود لکھا اور لکھوایا اور اشاعت کی، اسلامی ممالک میں پھیلا یا جیسا کہ پیچھے تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

## حدیث کی تکذیب

حضرت عبداللہ بن عمرو کا واقعہ ابوداؤد شریف میں ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا حضور کیا میں آپ کی ہر حدیث جو بھی آپ فرمائیں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا تھا ہاں لکھ لیا کرو، خواہ میں حالت غضب اور صفا میں ہی کیوں نہ ہوں، کیونکہ جو کچھ میرے منہ سے نکلتا ہے بہر حال حق و صواب ہی نکلتا ہے۔ (ابوداؤد مع عون جلد ۳ ص ۳۵۶) اس حدیث کو برق اپنے ’فرضی خیال‘ کی بنا پر وضعی قرار دیا ہے۔ (دیکھو دوا اسلام ص ۱۷) حالانکہ حدیث ہذا وضعی ہرگز نہیں ہے اور نہ اس میں اور صحیح مسلم کی روایت لا یتکسبوا عنتی شیئاً غیر القرآن میں کوئی ٹکراؤ ہے کیونکہ اس میں ’جو‘ نہیں ہے اس کا تعلق نزول قرآن کے وقت سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے نزول کے وقت میں جو کچھ لکھواتا ہوں اس میں صرف قرآنی الفاظ ہی کو لکھو میری اور کسی بات کو قرآنی الفاظ کے ساتھ آمیزش نہ کرو۔ پیچھے تفصیل سے اس حدیث پر لکھا جا چکا ہے۔ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:

والجمع بينهما ان النهی خاص بوقت نزول القرآن خشية التباسه بغيره والاذن في غير ذلك او ان النهی خاص بكتابة غير القرآن مع القرآن في شيء واحد والاذن في تفريقها. (عون المعبود ج ۳ ص ۳۸۷)

یعنی ”نہی“ نزول قرآن کے وقت تھی تاکہ قرآن پاک کے ساتھ ”غیر قرآن“ کے اختلاط کا موقع نہ پیدا ہو، یا یہ کہ اس نہی سے قرآن مجید کے ساتھ غیر قرآن کی کتابت مراد ہے اور الگ الگ جدا جدا لکھنے کے لئے ”اذن“ ہے۔

برق صاحب محدثانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ:

ابوداؤد والی حدیث وضعی ثابت ہوئی ہے۔ (دوا اسلام ص ۱۷)

کسی حدیث صحیح مرفوع کو ”وضعی“ بنانے کے لئے دلائل قویہ کی ضرورت ہے، ائمہ



فن کی شہادت کی ضرورت ہے محض زبان سے کہہ دینا کہ فلاں حدیث وضعی ہے اور کوئی دلیل نہیں۔

### ایک غلط بیانی

اس موقع پر برق نے بار بار یہاں کئی جگہ عبد اللہ بن عمرؓ کا نام لیا ہے کہیں ”ابن عمرؓ“ بھی لکھا ہے حالانکہ جس بزرگ کے ساتھ اس واقعہ کا تعلق ہے وہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بن خطاب نہیں ہیں بلکہ وہ بزرگ عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ ہیں۔

اکمال ص ۲۱ پر حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ کے حالات میں مرقوم ہے:

واستاذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ان یکتب حدیثہ فاذن لہ۔

انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی احادیث کو لکھ لینے کی اجازت طلب کی تھی اور آپ نے ان کو اذن کتابت سے مشرف فرمایا تھا۔

### مکرر جھوٹ

برق نے حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے بارے میں اپنے پہلے جھوٹ کو پھر یہاں دہرا کر بڑی دیر تری کے ساتھ لکھا ہے کہ ان بزرگوں نے ”احادیث“ جلانے کا حکم دیا تھا۔ اس جھوٹ کی حقیقت پیچھے تفصیل کے ساتھ لکھی جا چکی ہے اور یہ ان بزرگوں کی پاکیزہ ضمیروں پر ”برق کا“ برقی حملہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن رسائل کو ان بزرگوں نے جلایا وہ مشکوک اور مشتبہ تھے۔ ان کا یہ جلانا صرف اس بناء پر تھا اور نہ حدیث کی جمع و تدوین اور حدیث کی اہمیت و بزرگی میں ان بزرگوں کو مطلقاً شک و شبہ نہ تھا بلکہ یہ تو خود صحیح مستند پختہ احادیث کو لکھتے لکھواتے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل سے بیان ہوا۔ پس ان بزرگوں

۱ شہادت نہ پیش کرنا ایسے لوگوں کا رویہ ہو سکتا ہے جو اپنی عقل و فہم کے ساتھ اپنی دیانت و امانت کا دہوالہ نکال چکے ہوں۔ ہم بلا خوف و تردید یہ کہیں گے کہ یہ حدیث ”وضعی“ ہرگز نہیں ہے اس کی صحت و صداقت پر بیشتر مستند ائمہ فن کی شہادات موجود ہیں۔ جن کا پیچھے بھی ذکر ہو چکا ہے۔

کے بارے میں برق کا یہ ”مکر جھوٹ“ اس قابل ہے کہ اسے ”لیعنۃ اللہ علی الکاذبین“ کا مصداق ٹھہرا کر البرق کی جھولی میں ڈال دیا جائے۔

### ترمذی شریف کے بارے میں ایک غلط بیانی

پہلے ترمذی شریف کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے: عن ابی ہریرۃ قال کان رجل من الانصار یجلس الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیسمع من النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث فیعجبه ولا یحفظہ فشکی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ انی لاسمع منک الحدیث فیعجبنی ولا احفظہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعن بيمينک وادماء بیده الخط۔ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۳ ص ۲۷۵) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد انصاری جناب آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ احادیث کو کان لگا کر بہت غور سے سنا کرتا تھا اور حدیث نبویؐ کا بہت بڑا شائق تھا، اس نے شکایت کی کہ حضورؐ آپ کی احادیث مجھے پسند تو بہت ہیں مگر حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے مجھ کو یاد نہیں رہتی ہیں، آپ نے فرمایا کہ ان کو لکھ لیا کرو۔ اس حدیث سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث مقدسہ کو لکھوا بھی دیا کرتے تھے اور صحابہؓ کے اشتیاق حدیث پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے اور کیوں نہ ہو محبت کا تقاضا یہی ہے کہ محبوب کی ہر بات کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جائے، ان کی قدر کی جائے۔ الغرض اصل واقعہ یہ ہے مگر برق صاحب لکھتے ہیں کہ:

ترمذی کے مجموعے میں حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ احادیث لکھ

لیا کرتے تھے۔ (دو اسلام ص ۱۷۱)

جہاں تک ہم نے ترمذی کے مجموعے کو دیکھا یہ الفاظ کہیں نہیں پائے کہ حضرت

ابو ہریرہؓ احادیث لکھ لیا کرتے تھے۔

صاحب تحفۃ الاحوذی نے ایک روایت مسند ابن وہبؒ کی ضرور نقل کی ہے جس میں راوی کہتا ہے: فاخذ بیدی الیٰ بیتہ فارانا کتباً من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال هذا هو مکتوب عندی (حوالہ مذکور) یعنی حضرت ابو ہریرہؓ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی کتابیں ہم کو دکھلائیں اور کہا کہ یہ میرے پاس کتابی شکل میں موجود ہیں۔ اس سے اس قدر تو بالیقین ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس حدیث کی کتابیں محفوظ تھیں، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے یہ مجموعہ زمانہ نبوی میں لکھا تھا یا بعد میں، قرینہ بتلاتا ہے کہ آپ نے عہد نبوی کے بعد یہ مجموعہ قلم بند کیا تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: لا یلزم من وجود الحدیث مکتوباً عندہ ان یکون مکتوباً بخطہ و قد ثبت انه لم یکن یکتب فتعین ان المکتوب بغیر خطہ یعنی ان حدیث کی کتابوں کا ان کے پاس پایا جانا اس چیز کے لئے لازم نہیں ہے کہ وہ خود ان ہی کے قلم سے لکھی گئی ہوں کیونکہ صحیح طور پر ان کا نہ لکھنا ثابت ہے، پس معلوم ہوا کہ وہ کسی اور کی قلم سے لکھی ہوئی تھیں۔ الغرض ان تفصیلات کو جامع ترمذی شریف میں کہیں نہیں پایا گیا جس طور کہ برق صاحب نقل کر رہے ہیں اور ترمذی کا حوالہ دے رہے ہیں۔ سچ ہے۔

دروغ گورا حافظہ نہ باشد

ممکن ہے کوئی ”نئی حدیث“ تصنیف کرتے وقت برق صاحب اپنے منقولہ الفاظ کا کھوج جامع ترمذی میں کہیں نکال سکیں پھر ہم کو بھی مجال انکار نہ ہو سکے گی۔

حضرت انسؓ کی شان میں گستاخیاں

جن صحابہ کرامؓ سے برق صاحب کو لٹھی بغض ہے ان میں سے ایک حضرت انسؓ

رضی اللہ بھی ہیں، آپ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کا یہاں موقعہ نہیں۔ افسوس ہے کہ برق صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی پاکیزہ شخصیتوں کو آج کل کے ”لوٹوں“ کا ماحول سامنے رکھ کر ”مانپتے“ ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

حضور جب مدینہ میں تشریف لائے حضرت انسؓ کی عمر صرف ساڑھے نو برس

کی تھی، رحلت رسول کے وقت قریباً بیس برس۔ کیا کوئی لڑکا ۱۸، ۱۹ برس کی عمر

تک کسی قسم کی کوئی ذمہ داری محسوس کر سکتا ہے؟ دن کا بیشتر حصہ ذات نبویؐ کی

خدمت، لین دین، جھاڑ پھونگ میں گزر جاتا تھا۔ لڑکپن کا زمانہ تھا انہیں کیا

پڑی تھی کہ ہر ارشاد اور ہر واقعہ تمام جزئیات کے ساتھ یاد کرتے پھرتے کوئی

بات کان سے ٹکرائی سن لی اور پھر کام میں لگ گئے۔ جب حضورؐ کی رحلت کے

بعد لوگ قرآن کو چھوڑ کر احادیث کے پیچھے پڑ گئے تو آپؐ نے بھی بھولے

بسرے واقعات کا جائزہ لینا شروع کیا۔ (دو اسلام ٹیوٹن از ص ۷۲)

برق کی اس تفصیل پر ہمیں لکھنے کی ضرورت نہیں ہاں ”اہل بصیرت“ کے توسط

سے برق تک یہ آواز ضرور پہنچائیں گے۔

کارپا، کان، راقیاس از خود مکیر۔

گرچہ باشد در نوشتن شیر شیرت

مالک بن دحشم کے بارے میں

چونکہ حضرت انسؓ بھی کتابت حدیث کر لیا کرتے تھے اس لئے برق صاحب کو ان

سے ”خدا واسطے کا بیر“ ہے۔ اب جہاں بھی ان کا اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور ہوگا برق

صاحب اسے ”جھٹلانے“ کا فرض انجام دیں گے۔ ایسا ہی ”محل نظر“ یہ واقعہ ہے جو

آپؐ نے مالک بن دحشم کے بارے میں صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بعض صحابہؓ

نے منافقوں کی حرکتوں کا اصل ذمہ دار ان کو سمجھا ہوا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ آنحضرتؐ

صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ہلاکی کے لئے بددعا فرمائیں، اس پر آپ نے فرمایا کہ کیا وہ توحید رسالت کا قائل نہیں ہے جو میں اس کے لئے بددعا کروں؟ اس بارے میں صاحب فتح الملہم کی تشریحات ملاحظہ کیجئے:

واعلم ان مالک بن دحشم هذا من الانصار ..... انه شهد بدرًا وما بعدها من المشاهد ولا يصح عنه النفاق قد نصل النبي صلى الله عليه وسلم على ايمانه باطنا وبرائة من النفاق وشهد له في شهادته لاهل بدر بما هو معروف فلا ينبغي ان يشك في صدق ايمانه ..... وانما انكر الصحابة عليه تودده للمنافقين ولعل له عذرا في ذلك كما وقع حاطب الخ ملخص (فتح الملہم ج ۱ ص ۲۰۷)

یہ مالک بن دحشم انصاری ہیں، بدر میں اور بعد کی جملہ لڑائیوں میں شریک رہے اور ان سے نفاق کا صحیح ثبوت نہیں ملا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایمان پر ”نص“ فرمائی جیسا کہ بخاری شریف میں مذکور ہے اور آپ نے بتلایا کہ یہ ذل سے صاحب ایمان ہے اور نفاق سے بری ہے، بدر کی جنگ میں شریک ہونے کا شرف ان کو حاصل ہے اور اہل بدر کے لئے آپ نے جو بشارت دی اس کے یہ مصداق ہیں، جس طرح ”حاطب بن ابی بلتعہ“ کے مشرکین مکہ سے کسی مصلحت کی بنا پر کچھ تعلقات تھے حالانکہ وہ پختہ مومن تھے۔ اسی طرح کی کسی نیک مصلحت کے ماتحت منافقین سے ان کا کچھ دوستانہ تعلق تھا اسی بنا پر بعض صحابہؓ کو ان کے بارے میں شک پیدا ہوا۔

جلن کیوں ہوئی؟

چونکہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید و رسالت کے صدق دل سے قائلین کے لئے جنت کی بشارت دی تھی۔ اس لئے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بڑی پیاری معلوم ہوئی اور میں نے اسے اپنے بیٹے سے ”قلم بند“ کرا لیا۔

حضرت انسؓ کے اس فعل سے برق صاحب کو جلن پیدا ہوئی اس لئے اس ساری حدیث ہی کو خواہ مخواہ قرآن پاک کی آیات منافقین سے ذکر کرنا کر جھوٹا ثابت کرنے پر تل گئے اور مالک بن دشتم کو منافق ثابت کرنے کے لئے ”ساری برق قوت“ کو خرچ کر ڈالا۔ بیشک منافقین کے لئے اللہ پاک کے ہاں بخشش کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ مگر ایک بدری صحابی کو جن کے بارے میں صحیح مستند روایات اس کے صاحب ایمان ہونے کی موجود ہوں، منافق ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کرنا ایک ”برق“ ہی جیسے ”مُجَدِّث“ کا کام ہو سکتا ہے۔ برق صاحب سے قرآنی مقدر (تعلیم لایَجْرُافُنْکُمْ شَتَاوَانِ قَوْمِ عَلٰی اَنْ لَا تَعْدِلُوْا اَعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی) کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

برق صاحب! ایک بدری صحابی کو منافق ثابت کرتے ہوئے ذرا خود گریبان میں منہ ڈال کر اتنا اور سوچ لیجئے کہ ”الْمَرْءُ یَقِیْنُ عَلٰی نَفْسِهِ“ یعنی بھیجئے آدمی کو تمام انسان بھیجئے ہی نظر آیا کرتے ہیں۔

حضرت انسؓ پر ایک اور اتہام ناظرین نے ابھی ملاحظہ فرمایا ہے اور برق صاحب کو بھی تسلیم ہے کہ حضرت انسؓ رات دن خدمت نبویؐ میں رہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ آپؐ کی خدمت اقدس میں رہنے سے حضرت انسؓ کو آپؐ کی زبان مبارک سے اسلام اور بانی اسلامؐ کی تاریخ گذشتہ کے سننے کے بیشتر مواقع ملتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت انسؓ نے بھی آپؐ کی زبان مبارک سے ”شق صدر“ کا واقعہ بھی سنا ہوگا جس کو انہوں نے روایت کر دیا۔ روایت کی ابتداء ان لفظوں سے ہے: عن انس بن مالک ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتاه جبرئیل: انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرئیل آئے۔ الخ اس میں حضرت انسؓ کا یہ بیان ہر گز نہیں ہے کہ میں خود اپنی آنکھوں سے ان واقعہ کو دیکھ رہا تھا۔ مگر برق صاحب کا ”ارشاد“ یہ ہے کہ حضرت انسؓ خود اپنا یعنی

مشاہدہ بیان کر رہے ہیں کہ میں شق صدر کا واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کاش برق صاحب وہ الفاظ ہی نقل کر دیتے جن کا ترجمہ آپ نے ”یعنی مشاہدہ“ کیا ہے۔ ممکن ہے آئندہ کسی ”نئی حدیث“ کی تصنیف کے وقت برق صاحب ان الفاظ کو پا سکیں۔ افسوس! یہ جھوٹ کو بیچ کر دکھانا کوئی ان سے سیکھ جائے۔

برق کے الفاظ کو ملاحظہ کیجئے کس دلیری کے ساتھ فرماتے ہیں: ”آپ ایسے واقعہ کے عینی شاہد بنے ہوئے ہیں جو آپ کی پیدائش سے چھتیس برس پہلے ہوا تھا۔“ (دوا اسلام ص ۷۴)

آگے آپ نے واقعہ ”شق صدر“ کو اپنے ڈاکٹری آلات سے جانچنے اور سائنس و فلسفہ کی ”عینک“ سے ٹٹولنے کی کوشش کرتے ہوئے جو جو ہر زیات حوالہ قلم کئے ہیں ان سب کے جواب میں ہم اپنے ڈاکٹر صاحب سے کہیں گے: ”ہے تری اسباب ظاہر پر نظر ☆ سر پیغمبر کی تجھ کو کیا خبر“

”شق صدر“ اور اسکے جملہ ”واردات“ کے بارے میں اکابر اسلام و علماء اعلام کا بیان یہ ہے: ”و جميع ماورد من شق الصدر واستخراج القلب وغيره ذلك من الامور الخارقة للعادة مما يجب التسليم له دون التعرض لصرفه عن حقيقته لصالحية القدرة فلا يستحيل شي من ذلك.“ (فتح الملبم ج ۱ ص ۳۲۲)

شق صدر کے واقعہ میں ”استخراج قلب“ وغیرہ جس قدر ”واردات“ احادیث صحیحہ (متواترہ) سے ثابت ہیں وہ سب بطور ”امور خرق عادات“ کے ہیں جن کو تسلیم کرنا واجب ہے، کوئی ضرورت نہیں کہ ان حقائق کی تاویل کرنے کے لئے بیکار تکلف کیا جائے، اس لئے کہ قدرت میں ہر ناممکن کو ممکن بنادینے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔

خطرہ ہے؟

”یقینی خطرہ“ کہ آئندہ برق صاحب نے قرآن کی تصنیف کے وقت ”بوکھلا“ کر

کبھی آیات شریفہ: الم نشرح لک صدوک ○ ووضعننا عنک وزرک ○  
الذی انقض ظہرک ○ ہی کو قرآن سے نہ خارج کر دیں یا ان کی ایسی تاویلات  
فاسدہ کر دیں کہ آیات کریمہ کا ”اصلی حلیہ“ ہی بگڑ کر رہ جائے۔

برق صاحب! :

سنجیل کے رکھو قدم دشتِ خار میں مجنوں

کہ اس نواح میں سودا بزرہ نہ پا بھی ہے

آدم بر سر مطلب

حضرات صحابہ ابو ہریرہؓ و انسؓ و ابن عمرؓ کی کتابت ”حدیث“ پر فتح حاصل کر لینے  
کے بعد اب برق صاحب زمانہ تابعین میں ”تدوین حدیث“ کی طرف متوجہ ہوتے  
ہیں، آپ کو ”فتحیابی یا کامیابی“ جس رنگ میں حاصل ہوئی ہے اس کی ”کیفیت“  
ناظرین کے سامنے بھی روشن ہو چکی ہے۔ بہر حال

فتح و شکست تو ہے قسمت سے ولے اے میر

مقابلہ تو دل ناتواں نے خوب کیا!

آپ فرماتے ہیں کہ تابعین میں مغیرہ، شععی، عیش اور قاسم جمع احادیث کو ناجائز  
سمجھتے رہے۔ اس ”برقی بیان“ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ہم صرف حضرت امام  
شععی ہی کا بیان نقل کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں: ما کتبت سوداء فی بیضاء  
وما استعدت حدیث من النسیان میں نے کبھی سیاہی سے سفیدی پر کچھ نہیں لکھا  
اور نہ کسی شخص کی گفتگو میں نے کبھی بھولنے کے باعث دہرائی۔ (تدوین حدیث ص ۶۵  
بحوالہ ابن سعد)

حضرت شععیؓ کا یہ بیان واضح طور پر بتا رہا ہے کہ ان کا حافظہ اس قدر قوی تھا کہ کبھی  
ان کو لکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ جمع احادیث کو



ناجائز جانتے تھے سراسر جھوٹ افترا اور ان بزرگوں پر بہتان ہے، دیگر بزرگوں کے متعلق بھی آپ اسی سے اندازہ لگا لیجئے۔ احادیث رسول کو حفظ یاد کرنا ان بزرگوں کا معمول تھا اسی کو یہ پسند کرتے تھے اور اس وقت جو عرب مسلمانوں کا ذہنی ماحول تھا اس میں ”علمی باتوں“ کے لئے حفظ ہی کا مقام اعلیٰ اور ارفع سمجھا جاتا تھا، لیکن حالات کے پیش نظر کتابی شکل میں حدیث کی تدوین کا کام بھی ضروری سمجھا گیا۔ جیسا کہ برقی صاحب خود لکھتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام ابن شہاب الزہریؒ کو احادیث جمع کرنے کے لئے حکم فرمایا اور امام ابن شہاب نے احادیث کو جمع کیا یہ دونوں بزرگ اکابر تابعین میں سے ہیں۔ دیکھو (اکمال ص ۲۶، ۲۹)

اور برقی صاحب لکھتے ہیں کہ ”سفیان ثوریؒ نے احادیث کو جمع کرنے کا فرض کوفہ میں انجام دیا“ یہ بھی تابعین میں سے ہیں۔ دیکھو (اکمال ص ۱۴)

نیز برقی کو یہ بھی تسلیم ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ نے جمع احادیث کا کام خراسان میں انجام دیا۔ یہ بھی تابعین میں سے ہیں۔ (دیکھو اکمال ص ۲۳)

نیز برقی کو تسلیم ہے کہ جمع حدیث کا کام مکہ شریف میں ابن جریجؒ نے انجام دیا۔ یہ بھی تابعین کے اجلہ علماء اعلام سے ہیں۔ دیکھو (اکمال ص ۶)

برقی کو اس بارے میں بھی شک نہیں کہ معمر بن یمنؒ میں احادیث کو جمع کیا اور یہ معمر بھی اجلہ تابعین میں سے ہیں۔ معمر بن راشد عالم الیمن کے نام سے مشہور ہیں۔ دیکھو (اکمال ص ۳۵)

یہ تو ایسے بزرگ ہیں جن کے بارے میں جمع احادیث کا اعتراف خود برقی صاحب کو ہنر و نہ تاریخ میں تلاش کرنے سے سیکڑوں بزرگان اسلام آپ کو ایسے ملیں گے جنہوں نے تابعین کے عہد سعادت مہد میں احادیث کی جمع و ترتیب و تالیف کے لئے اپنے کو وقف کر دیا تھا۔ جن کی مقدس کوششوں کے طفیل ”اسوۂ رسول“ آج تک زندہ رہ گیا اور اب رہتی دنیا تک زندہ رہے گا۔

یہ ایسے کھلے ہوئے تاریخی شواہد ہیں جن کی بناء پر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ”حدیث کا بہت بڑا حصہ متواتر ہے“ یعنی بغیر کسی انقطاع کے سبلاً بعد نسل لاکھوں اور لاکھوں کے بعد کروڑ ہا کروڑ انسانوں کے ذریعہ سے مشرق و مغرب میں یہ حصہ منتقل ہوتا ہوا دنیا کے موجودہ دور تک پہنچا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہے گا۔ قرآن مجید کے بعد ہم جس چیز کو بغیر کسی تذبذب و دغدغہ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک کے ساتھ منسوب کر سکتے ہیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و فرمودات کا یہی حصہ ہے جو ہم تک تعامل و توارث کے ذریعہ سے پہنچا ہے، جس کے ہر ہر جزء کو مسلسل روایت کے ذریعہ سے فن حدیث میں محفوظ کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے، جس کے لئے حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنی حیات طیبہ میں اس قدر اہتمام کیا کہ ایک ایک حدیث کی تحقیق و تفتیش کے لئے بار بار صحابہ کا اجلاس عام طلب کرتے رہے، جس کے لئے فاروق اعظمؓ نے اپنی جملہ علمی کاوشوں کو مرکوز کر دیا۔ جس کے تحفظ اور بقاء کے لئے جمیع صحابہ کرام پیہم جدوجہد کرتے رہے۔ جس کی جمع و تدوین کے لئے حضرت خلیفہ برحق عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام ابن شہاب زہریؒ کو مامور فرمایا اور بیضا زتابیعین و تاج تابعین نے جس کی خدمت و تحفظ میں وہ وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آج علمی دنیا میں ان کی ”کاوشوں“ کو بہت ہی عزت و احترام سے دیکھا جاتا ہے۔

آج اسلام کے ”نادان دوست منکرین حدیث“ اُمت اسلامیہ کی اس بھاری علمی جدوجہد و تحفظ اسوۂ رسول علیہ السلام کو ”ذخیرہ اباطیلین“ قرار دیں۔ درحقیقت ”شجر اسلام“ کے لئے یہ وہ خطرناک بدترین کلہاڑا ہے جو شہ ابو جہل کے ہاتھ آسکا، نہ عبد اللہ بن ابی کے، نہ کسی عیسائی کے، نہ یہودی کے، نہ آریہ کے، نہ وہ ہتھیار ہے جو قرآن مقدس کو نفوذ باللہ ”بیکار محض“ بنانے کے لئے ”ابلیس علیہ اللعنة“ نے اپنے درپردہ مسلمان کہلانے والے ایجنٹوں کے حوالے کیا ہے۔

افسوس صد افسوس! ے

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے  
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

## اعتراف حق

برق کو حضرت امام الدینانی الحدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ”حدیث کوشش“ کا اعتراف ہے۔ لکھتے ہیں:

”امام بخاری پہلے محقق ہیں جنہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے صحیح احادیث انتخاب کرنے کے لئے تمام تر وسائل اختیار کئے، ہر محدث کے پاس خواہ وہ عراق میں تھا یا شام میں خود چل کر گئے، ہر راوی کے صحیح حالات معلوم کرنے کے لئے انتہائی کوشش کی، بعض اوقات ایک ایک حدیث کے لئے کئی کئی استخارے کئے۔ یعنی جو کچھ انسانی طاقت میں تھا انہوں نے کیا۔“ (دوا سلام ص ۷۸، ۷۹)

## حق سے پھر انحراف

برق صاحب برقی طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہیں اس لئے فوراً ہی ”انحراف“ پر اتر آنے میں آپ کو مطلقاً پاک نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

لیکن جن احادیث کو مشتبہ سمجھ کر فاروق و صدیق جلا رہے تھے وہ اڑھائی سو سال بعد کیسے صحیح بن سکتی تھیں؟ (دوا سلام ص ۷۹)

برق کا مطلب جہاں تک ہم سمجھ پائے ہیں یہ ہے کہ امام بخاری جن احادیث کو جمع کر رہے تھے وہ سب وہی احادیث تھیں، جن کو فاروق و صدیق جلا رہے تھے۔

دوسری جگہ برق نے کھلے لفظوں میں اس کو یوں لکھا ہے:

جن احادیث کو مشتبہ یا ناقابل التفات سمجھ کر صدیق و فاروق رضی اللہ عنہم فنا کر

زہے تھے انہی احادیث کو اڑھائی سو سال بعد امام بخاری اور مسلم وغیرہ نے

جمع کیا اور ہم سب نے مل کر نعرہ لگایا: ہذا، اصلح الکتاب بعد کتاب اللہ۔  
 قرآن کے بعد صحیح بخاری صحیح ترین کتاب ہے۔ (دو اسلام جس ۲۴ شخص)۔  
 اگر برق کی اس ”برقی گھنٹہ“ پر نظر غور توجہ کی جائے تو اس لئے ایک طرف حضرات  
 شیخین کی حدیث دشمنی ثابت ہوتی ہے اور پھر دوسری طرف ان بزرگوں کی حدیث دشمنی  
 میں ناکامی کہ اس قدر جلالت اور مخالفت کرنے کے باوجود احادیث نبوی کا ذخیرہ اپنی  
 پوری شان کے ساتھ باقی رہ گیا۔ ان ہر دو چیزوں کی نسبت ”شیخین“ رضی اللہ عنہم کی طرف سے  
 کرنا ان کے ناموں پر اتنا بڑا بڑا دلائل حملہ ہے جو تاریخ حکایت کا کسی عیسائی، آریہ،  
 یہودی، رافضی کی طرف سے بھی نہیں ہوا ہوگا۔ برق کو ایہ حملہ کرنے وقت شرمانا چاہیے تھا  
 کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں۔ برق شاید قرآن مجید کے پیش کردہ اصول  
 قدرت سے بھی ناواقف ہیں: ”فاما الزلزال فليذهب جفاء واما ما ينفع الناس  
 فليمكث في الارض“۔ بھلا کس ختم ہو جائے والی چیز بلا ہے اور بنی نوع انسان کے لئے نفع  
 بخش چیزیں دنیا میں باقی رہنے والی ہیں۔ حدیث نفع بخش چیز ہے یقیناً نفع بخش اس لئے  
 بہت سے ”برقیوں“ کی پیداوار کے باوجود آج بھی علم حدیث اپنی پوری شان کے ساتھ  
 باقی ہے اور تا قیام ساعت باقی رہے گا۔ اس ”جلالت“ کی حقیقت ہم بڑی تفصیل سے  
 پیچھے حوالہ قلم کر آئے ہیں اور بتلا آئے ہیں کہ جن ذخائر کو ان بزرگوں نے تلف کیا تھا وہ  
 مشکوک و مشتبہ ذخائر تھے۔ صحیح اور مستند احادیث کے ذخائر ہرگز ہرگز نہ تھے۔ ان کا جلایا  
 جانا ہی اس امر کا روشن ثبوت ہے ورنہ شیخین کے بارے میں ایک ادنیٰ مسلمان بھی یہ تصور  
 نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے محبوب رسول کے ارشادات کو نذر آتش کر دیں۔  
 هذا محال في القياس بطابع  
 رہا وضا عین وکذا ائین کا معاملہ  
 یہو اس سے عظمت حدیث پر مطلقاً اثر نہیں ہو سکتا جس طرح نقلی نمونے کی

موجودگی سے اصل سونے کی آب و تاب میں فرق نہیں آسکتا، جن جن لوگوں نے دیدہ دانستہ احادیث کے نام پر عبارتیں وضع کیں وہ ہر مذمت ہر لعنت کے مستحق ہیں۔ خواہ وہ یہود، منافق، زنادقہ ہوں یا قضاۃ و علماء ہوں یا آجکل کے کوئی ”ڈاکٹر“ صاحب ہوں۔ بہر حال جعلی احادیث بنانے والے بلا شک فرمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندہ دوزخی ہیں۔ ”وضع حدیث“ کے سلسلے میں کسی مجرم کی حمایت کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہے اور برق سے بھی بہت زیادہ زور کے ساتھ تمام فضائل، کدائیں، دجالین پر کھلے لفظوں میں ہم بھی لعنت بھیجتے ہیں بلکہ ان لوگوں پر بھی جو آج ایسی کھلی ہوئی موضوعات کو بد اعتقاد ٹھہرا دیں یا ان سے ازکان دین کے خلاف استناد کریں یا فرمان رسول کے طور پر ان کو شائع کریں۔ یقیناً ایسے لوگ وہ ہیں جو نہ اللہ سے ڈرے، نہ رسول سے شرمائے، جنہوں نے زندگی کی چند روزہ چہل پہل کے لالچ میں ”احادیث“ وضع کر کے آج برق ”جیسے“ ”اسلام“ دوستوں کے لئے اسلام سے کھیلنے کا سامان مہیا کر دیا جو آج تیجہ، فاتحہ، چہلم، میلادِ مرثیہ، قبر پرستی، مرشد کے لئے سجدہ، مردوں سے مرادیں مانگنے وغیرہ وغیرہ یہودہ عملیات کے اثبات کے لئے ایسی بوکس جھوٹی احادیث کا سہارا ڈھونڈ ڈھونڈ کر مسلمانوں کے لئے ایک ”وبال جان“ بنے ہوئے ہیں۔ اقبال کا یہ شعر اپنے ہی ”حضرات“ کے لئے ہے:

چار مرگ اندر پئے آں دیر میر ☆ سود خوار و والی و ملا و پیر

ساتھ ہی پوری طاقت

کے ساتھ ہم ان لوگوں پر بھی لعنت بھیجتے ہیں جو جعلی و موضوع احادیث کے پردے میں صحیح مستند مرفوع احادیث رسول پر بھی دیدہ و دانستہ محض ”حدیث دشمنی“ کے مرض میں گرفتار ہونے کی بنا پر ہاتھ صاف کریں اور اسلام و قرآن کی من مانی تعبیرات کر کے رسول علیہ السلام کو تمام ”پیغمبرانہ رفعتوں“ سے نیچے گرانے کے لئے آپ کے

اسوہ مبارکہ ہی لئے بغاوت کرنا ہے لے لئے تیار ہو جائیں اور قرآن مجید کی ایسی ”میں“ مانی تفسیر، کوئیں کہ جبریل، میکائیل بھی شریک و کنز رہ جائیں مثلاً کوئی دن و رات، میں صرف دو وقتوں کی دو دو رکعتوں پر ہی اتر آئے، کوئی دن رات میں صرف تین نمازیں فرض بتلائے، کوئی دن رات میں سرتے سے کوئی نماز ہی فرض نہ جانے اور اٹھتے بیٹھتے صرف اللہ اللہ کرتے ہی کو نماز کی تعبیر بتلانے لگ جائے۔

اہل قرآن میں جو مختلف ٹولیاں بن گئی ہیں ان کے اندرونی اختلافات کا یہ ایک خاکہ ہے جس کی بناء پر ان کے نام بھی ”دو رکعتی“، ”دو رکعتی“ وغیرہ مشہور ہو گئے ہیں۔ ایسے قرآن دشمن، قرآن کا خلیہ بگاڑنے والے لوگ یقیناً اس قابل ہیں کہ وضاعین احادیث سے بھی زیادہ ان پر لعنتیں بھیجی جائیں جنہوں نے شکم پروری کی نئی نئی راہیں تلاش کرنے کے لئے قرآن و اسلام ہی کو بطور ایک ”دھندلے“ کے تحیہ مشق بنالیا ہے۔

آخر میں ان جعل سازوں کا تعارف کرانے کے لئے ہم حضرات علامہ مولانا عبد الرحمن صاحب مبارکپوری تحفۃ الاحوذی کی عبارت نقل کر دیتے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

لا یقین احدکم متکفراً علی اذ ینکب الخ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک ایسا آدمی پیدا ہوگا جو اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھ کر یہ نعرہ بلند کرنے لگا کہ خلال و حرام کے لئے ہم کو حدیث کی کچھ ضرورت نہیں ہے، صرف کتاب اللہ ہم کو کافی ہے۔ اس حدیث کے ذیل میں حضرت علامہ مرحوم لکھتے ہیں:

هذا الحديث دليل من دلائل النبوة و علامة من علاماتہا فقد وقع ما اخبر به فان رجلاً قد خرج في الفنجاب من اقليم الهند و سمي نفسه باهل القرآن شتان بينه و بين اهل القرآن بل هو من اهل الحاد و كان قبل ذلك من الصالحين فاضله الشيطان و اغواه و ابعده عن الصراط

المستقیم فتغوه بما لا يتكلم به اهل الاسلام فاطال لسانه في رد  
 الاحاديث النبوية باسرها رداً بليغاً و قال هذه كلها مكدوبة و مفتریات  
 على الله تعالى و انما يجب العمل على القرآن العظيم فقط دون احاديث  
 النبي صلى الله عليه وسلم و ان كانت صحيحة متواترة و من عمل على  
 غير القرآن فهو داخل تحت قوله تعالى: فمن لم يحكم بما انزل الله  
 فاولئك هم الكافرون و غيره ذلك من اقواله الكفرية و تبعه على  
 ذلك كثير من الجهان و جعلوه اما ما و قد افتي علماء العصر بكفره  
 و التجاده و خرجوه عن دائرة الاسلام و الامر كما قالوا

(تحفة الاحوذی ج ۳ ص ۳۷۴)

یہ حدیث دلائل نبوت میں سے ایک زندہ دلیل ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ  
 وسلم نے فرمایا تھا۔ بالکل اسی طرح ایک آدمی پنجاب میں ”نکلا“ اور اس نے اپنا نام  
 ”اہل القرآن“ رکھا، حالانکہ وہ کھلا ہوا ”اہل الحاد“ میں سے تھا، پہلے وہ مرد صالح تھا، مگر  
 بعد میں اس کو شیطان نے گمراہ کر دیا اور صراطِ مستقیم سے بہت دور اس کو بہکا دیا۔ پھر اس  
 نے ایسی ایسی ”بکواس“ کیں کہ اہل اسلام میں کہیں بھی ان کی مثالیں نہیں ملیں گی۔  
 احادیث نبوی کی تردید میں اس نے زبان درازی کی اور کہا یہ ذخائر احادیث سب افترا  
 ہیں عمل صرف ”قرآن“ پر واجب ہے اور احادیث سب کی سب خواہ وہ صحیح متواتر ہی  
 کیوں نہ ہوں سب جھوٹ ہیں، ان پر عمل کرنے والا قرآن کی اس آیت کے تحت داخل  
 ہے کہ جو ما انزل اللہ کے ساتھ فیصلہ نہ کرے وہ کافر ہے، اور بھی بہت سے کفر کے اقوال  
 اس نے زبان سے نکالے۔ بہت سے جاہلوں نے اس سے ”رشتہ عقیدت“ بھی قائم  
 کر لیا اور اس کو اپنا امام بنالیا، حالانکہ علماء عصر نے بالاتفاق اس کے کفر اور الحاد اور دائرہ  
 اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے۔

اس بزرگ کا مزید تفصیلی تعارف کرنے کے لئے دو اسلام ص ۲۹ ملاحظہ فرمائیے،





## تیسرا باب

## ”چند راوی و صحابہؓ“

اس عنوان کے تحت برقی کی برق پاشی ایشیائی سوانح نگاروں کی مذمت سے شروع ہوتی ہے۔ برقی کے ”خیال“ میں داستانوں میں ڈرامائی رنگ بھرنا اور خلاف عقل و عادت باتیں لکھنا ”ایشیائی سوانح نگاروں کا“ امتیازی وصف سمایا ہوا ہے، اس پر آپ نے شاہنامہ فردوسی اور ائمہ و صوفیاء کی ”سوانحات“ کو بطور ثبوت پیش کیا ہے۔ برقی کے اس بیان پر تبصرہ کرنا ہمارے موضوع سے باہر ہے مگر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ ”علی الاطلاق“ برقی کا ایسا کہنا غلط ہے۔ مسلمان سوانح نگاروں میں بیشتر آپ کو ایسے بھی ملیں گے جنہوں نے پیغمبر اسلام و خلفائے راشدینؓ وغیرہ و بزرگان اسلام کی سوانحات کے ذیل میں ہر ہر قدم پر صرف حقیقت کو سامنے رکھا ہے۔ مبالغہ آمیزی، داستان سرائی کو پاس تک نہیں آنے دیا۔ برقی اپنی عادت سے مجبور ہیں سب کو ایک ہی لکڑی سے ہانکنا آپ کا ”امتیازی وصف“ ہے، مگر ہمارے ناظرین متعجب ہوں گے کہ آخر اس ”برقی نگاری“ کا عنوان کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ برقی صاحب ہمارے ناظرین کا تعجب دور کرنے کے لئے فرماتے ہیں کہ:

یہی حضرات جب احادیث تراشی کی طرف متوجہ ہوئے تو یہاں بھی وہی ڈرامائی رنگ بھر دیا۔ (دو اسلام ص ۸۵)

ہمارے ناظرین کا استعجاب رفع ہو گیا ہوگا۔ برقی صاحب کے خیال میں ”احادیث تراشیدہ شدہ“ اور یہ سب مسلمان سوانح نگاروں کے ایسے ہی فرضی بناوٹی کارنامے ہیں۔ جیسے فردوسی کا شاہنامہ وغیرہ۔ برقی اس سلسلے میں مزید برقی پاشی ان

لفظوں میں فرماتے ہیں: ”یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا هٰذِهِ السَّیِّئَاتِ الَّتِیْ هِيَ رِیَاسَةُ الشَّیْطٰنِ“

ہمارے حدیث سازوں نے نہ رسول کو سمجھا نہ ان کے انداز بیان کا جائزہ لیا ہر رطب و یابس ان کی طرف منسوب کرتے چلے گئے۔ (دور اسلام ص ۸۶)۔  
 برق کا خیال محتاج تشریح نہیں آپ کے ”تخیل“ کی بناء پر جملہ ائمہ دین، محدثین کرام پھر صحابہ، تابعین و تبع تابعین جو ہزار ہا احادیث صحیحہ متواترہ کے راوی ہیں وہ سب ”حدیث ساز“ ہیں اور حدیث ساز بھی ایسے کہ نہ انہوں نے رسول کو سمجھا، نہ آپ کے انداز بیان کا جائزہ لیا۔ حدیث سازوں کی اس قسم کی احادیث کی لاکھوں مثالیں برق کے ”خزینہ تخیل“ میں موجود ہیں۔ مگر یہاں آپ نے صرف دو مثالوں پر اکتفا فرمائی ہے ”مشتے نمونہ از خروارے“ کے تحت آپ کی ان دو مثالوں ہی سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کی ”معبود فی الذہن لاکھوں احادیث“ کی حقیقت و اصلیت کیا ہے؟ آپ نے جو دو مثالیں نقل کی ہیں وہ خود آپ کے اعتراف کے مطابق جملہ علماے فن کے نزدیک موضوعات میں سے ہیں، ان موضوعات کو ”حدیث“ کے لئے وجہ محضمت بنا کر صحیح مرفوع متواتر احادیث پر حملے کرنا اور پھر اپنی اس ”عادت“ کو قرآن و سنتی قرار دینا ایک ایسی بدترین حرکت ہے جس کے نتائج قرآن مجید کے لئے، اسلام کے بانی، اسلام کی ہمہ گیر عظمت کے لئے انتہائی ”خطرناک“ ہو سکتے ہیں۔

برق صاحب اجنب والا نے ایشیائی سوانح نگاروں کی ”سہل انگاری“ پر تو ”برق پاشیوں“ کا ”تانا“ باندھ دیا۔ مگر اپنے ان ”بھائی بندوں“ کی طرف مطلق توجہ نہیں دی جو آج حدیث دشمنی کے مہلک مرض میں مبتلا ہو کر ایسی ایسی بے سرو پا باتیں منہ سے نکالتے ہیں اور قرآن مجید کی توجیہ و تفسیر ایسے غلط انداز پر کرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر ابلیس علیہ ماعلیہ کی بھی فرط مسرت سے باچھیل کھل جاتی ہوں گی۔

یہاں ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے یہ بتانا مفید ہوگا کہ اہل قرآن (جس نے آج کل اپنا نام ”امت مسلمہ“ تجویز کیا ہے) میں بہت بڑا اختلاف ہے کہ ایک نماز کی

کتنی رکعتیں ہیں؟ ایک فریق دو، دو کہتا ہے۔ ایک فریق ایک، ایک رکعت بتاتا ہے پھر ان میں اختلاف ہے کہ ہر ایک رکعت میں دو سجدے ہیں یا صرف ایک پھر اس میں اختلاف ہے کہ نماز میں اذکار کیا ہیں؟ (اخبار اہل حدیث امرتسر ۲۳ رڈی فقہہ ۲۲ھ) یہ مختلف انخیال پارٹیاں جب اپنے اپنے ”موضوعات“ کے لئے قرآن پاک کی آیات کو معرض استدلال میں استعمال کرتی ہیں تو ان کی قرآن دوستی کو دیکھ کر بے ساختہ منہ پر یہ شعر آتا ہے:

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسمان کیوں ہو

یہ سلسلہ تنقید اگر برق صاحب ان ”قرآن نوازوں“ پر بھی تبصرہ کر جائے تو ہم سمجھتے کہ برق کے سامنے محض حقیقت طلبی ہے، برخلاف اس کے آپ نے موضوعات کو موضوع بحث بنا کر گڑے مردوں کو اکھاڑنا شروع کر دیا اور پھر لگے جملہ اخاذی پر بلا امتیاز کھاڑا چلائے۔ برق صاحب بتلا سکتے ہیں کہ آپ نے ”یہ کون سے الیشائی“ حقیقت نگاروں“ کا رول ادا کیا ہے؟

موضوعات کے بارے میں

صحیح مرفوع حدیث میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من کذب علی متعمداً فلیتبعوا مقعدہ من النار۔ (مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۳۲) جو شخص جان بوجھ کر کوئی جھوٹی حدیث گھڑ کر میرے ذمہ تھوپے اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔ حدیث ہذا کی روشنی میں ہم منکرین حدیث کی ہفوات کے ازالہ کے لئے یہ کہہ دینا ضروری جانتے ہیں کہ اپنے دماغ سے کوئی ”حدیث“ گھڑنا نہایت ہی سنگین جرم ہے جو اس حرکت کا ارتکاب کرے وہ کوئی نام کا محدث ہو، یا بابا رتن ہو، یا کوئی دشمن حدیث ہو، وہ پہلے لوگوں میں سے ہو، یا پچھلوں میں سے ہو، کوئی ہندوستانی ہو، یا جیلانی

۱۔ مثلاً آیت شریف: جاعل الملا نکتہ رسلا اولیٰ اجنبہ مفتی و ثلاث و رباع سے نماز کی رکعتوں کا ثبوت۔ (تفصیل در اخبار اہل حدیث ۱۹ دسمبر ۲۳ء)

ہو۔ بہر حال وہ ایک لعنتی جرم کا مرتکب ہے۔ پہلے ابواب میں صراحتاً بیان کیا جا چکا ہے کہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے، محض اسی لئے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس کو افتراءات سے بچایا جائے اور آپ کے ارشادات مقدسہ کی بقدر امکان حفاظت کی جائے۔ خلفائے راشدینؓ نے اس بارے میں جس احتیاط اور طرز عمل کی داغ بیل ڈالی، محدثین کرام نے ان ہی بنیادوں پر ”قصر حدیث“ کی تکمیل کی اور اپنی جملہ امکانات کو شیون کے مطابق اس میں سرسرفراز نہیں آنے دیا۔ سچ ہے کہ یہ نسخہ ہرگز نہ بدلے گا۔

☆ نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ☆ کیا نا طبقہ بند ہر امی کا اور الحمد للہ کہ وہ اپنے اعلیٰ مقصد میں کامیاب ہوئے ”کھڑے اور کھوٹے“ کو انہوں نے یقیناً چھانٹ دیا۔ موضوعات کے انبار پر نشان کے ایک ایک لفظ پر نشان دہی کی تاک کہ کوئی شخص دھوکے میں آکر پیتل کو سونا نہ سمجھ بیٹھے اور تریاق کے بدلے وہ ”سم قاتل“ کا جام نہ حلق میں اتار جائے۔ آج آپ کو ”موضوعات“ پر پیش ہونا کتنا میں محدثین کرام کی یادگاریں ملیں گی جن میں انہوں نے صرف موضوع احادیث کو اس لئے جمع کر دیا ہے تاکہ صحیح مرفوع متصل متواتر احادیث میں ان سے امتیاز کیا جاسکے، ساتھ ہی بدلائل قویہ ان کے ”اسباب وضع“ و ضامین پر بھی روشنی ڈال دی ہے۔ اگر ائمہ اسلام کو اپنے پاکیزہ مقصد میں کامیابی نہ حاصل ہوئی ہوتی تو آج آپ کو صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف کا ایک بھی نسخہ دنیا میں نہ ملتا اور آج سے بارہ سو برس پہلے کی لکھی ہوئی بخاری میں اور آج کی بخاری میں آسمان زمین کا فرق ہو جاتا۔ مگر آپ آج سے ایک ہزار سال قبل کی بخاری شریف کا کوئی نسخہ اپنے ہاتھ میں نہ لیجئے اور آج کے مطبوعہ نسخوں سے اس کا مقابلہ کیجئے آپ کو بالکل یکسانیت ملے گی۔ یہ قدرتی انتظام ہے کہ افتراء پردازوں کے منہ بند ہو گئے، انہوں نے کچھ افتراءات کئے بھی تو وہ اصل میں اس طرح مخلوط نہ ہو سکے کہ اصل و نقل کا امتیاز ہی ختم ہو جائے، بلکہ آج بھی اصل اور نقل

کا فرق فوراً ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ صحیح احادیث کے ذخائر بلاشبہ رسول علیہ السلام کی عظیم المرتبت شخصیت آپ کی جہاں گیر تعلیم کے آئینے ہیں۔ مصنف دو اسلام کو بھی اس حقیقت کا اعتراف ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر آپ کتنی صحیح سچی پیاری بات لکھتے ہیں:

ہزار ہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں جو نہ صرف تعلیمات قرآن کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیاتِ مطہرہ کی مکمل تصویر

ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ (دو اسلام ص ۳۴۲)

صحیح احادیث کو جن ”ائمہ“ نے بہت کاوش کے بعد کوئی پرکس کر قلم بند کیا ان کے بار احسانات سے ملت اسلامیہ کبھی بھی اور کسی حال میں بھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ خود برقی صاحب ایک مقام پر لکھتے ہیں:

ائمہ حدیث میں ایسے بزرگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ

ناظر رہا ہے، ان کا علمی مقام اتنا بلند اور ان کے ثقافتی کارنامے اتنے عظیم ہیں

کہ ہمیں ان پر تنقید کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ (دو اسلام ص ۹۴)

یہ حقیقت ہے کہ صحیح احادیث سے روگردانی کرنے کے بعد آپ کا اسلام ”محض

معمہ“ بن کر رہ جاتا ہے۔ قرآن پاک ایک چیستان بن جاتا ہے۔ صحیح احادیث اسے ہٹ

کر آپ ایسے اندھیرے میں پہنچ جاتے ہیں جہاں نہ آپ کو رسول علیہ السلام کی سیرت

مبارکہ کا علم ہو سکتا ہے نہ اسلام کی تفصیلات آپ کے سامنے آ سکتی ہیں نہ نظمِ ملت کا کوئی

تعمیری پروگرام آپ کے دماغ میں پیدا ہو سکتا ہے۔ خود برقی کو بھی اقرار ہے:

اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے؟ یہ تمام تفصیلات حدیث میں ملتی

ہیں اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ ہے جس پر ہم نازاں ہیں اور جس سے اب تک

کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں۔ (دو اسلام ص ۳۴۳)

صحیح احادیث کی اس اہمیت کے اعتراف کے بعد یہ بڑا ہی ظلم ہوگا کہ موضوعات

کی تردید کے ذیل میں ہر ”صحیح حدیث“ پر بھی ہم برس پڑیں۔ افسوس! کہ برقی کا ”طرز

عمل“ اسی قسم کا ہے اور ”اہل نظر“ کو آپ کے بارے میں بڑی شکایت تھی یہی ہے کہ آپ ایک ہی لاشی سے سب کو ہانتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے تجاوز کر کے صحیح اور موضوع کا فرق مٹا کر علی الاطلاق ”حدیث“ پر برسنے لگتے جاتے ہیں اور پھر مغلوب الغضب ہو کر بالکل بے تکی باتیں زبان پر لانے لگتے جاتے ہیں۔ ایسی کہ جن کو اہل علم کی نگاہوں میں کبھی بھی قابل معافی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ایک ”من گھڑت حدیث“ کا تذکرہ کرتے ہیں، جس میں جماع کرتے پر سفید موتیوں کے سوجھلوں کی بشارت دی گئی ہے ”اور ایک ہزار شہیدوں کا ثواب“ یہ یقیناً کسی جعل ساز کی من گھڑت زئل ہے جس پر لفظ حدیث کا اطلاق کرنا بھی گناہ ہے۔ یہاں برق کی دیا منداری کا تقاضا تھا کہ اس من گھڑت عبارت کی ترویج کے سلسلے میں صحیح مستند احادیث کا امتیاز سامنے رکھتے یا پھر اس کو حدیث کی کسی معتبر کتاب کے حوالے سے نقل کرتے اور پھر اس پر جو چاہتے کہتے ہم بھی آپ کا ساتھ دیتے مگر برق کو یقین ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے بالکل ”من گھڑت“ عبارت ہے اور کسی جعل ساز کا کارنامہ ہے پس آپ بلا دروغ غریب ملا پر برسنے لگے اور اپنی پرانی عادت کے مطابق ہزلیات پر اتر آئے۔ لکھتے ہیں:

دیکھا آپ نے ایک شہوت زدہ ملا کے ہاں مجامعت کتنا بہشت آفرین اور محل ساز عمل ہے۔ (دوا سلام ص ۸۷)

حضرت اس میں ملا کا دم چھلا آپ لگا لیجئے یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ کسی ڈاکٹر قسم کے انسان کا کارنامہ ہو، جس نے قسم قسم کی شہوت انگیز دواؤں کے اشتہاری سلسلے میں یہ ”جعلی حدیث“ بھی گھڑ لی ہو اور سمجھ لیا ہو کہ میری بلا غریب ملا کے سر پر پڑ جائے گی۔ یہ ”بندہ پرور کہیں آپ ہی کا یہ کام نہ ہو“

بہر حال گھڑنے والا کوئی ملا ہو یا ڈاکٹر یقیناً ہزار لعنتوں کا مستحق ہے اور اس بارے میں ہم بھی برق کا پورا ساتھ دیں گے اور ان لوگوں پر لعنت بھیجیں گے جنہوں نے حدیث

کے نام پر ”موضوعات“ کو جنم دیا۔ نیز ان پر بھی جواب ان موضوعات کا سہارا لے کر صحیح مرفوع مستند روایات کی بھی تکذیب کرتے ہیں۔ برق صاحب آپ بھی کہئے: آمین۔

ہاں آپ نے موضوعات کبیر سے ایک قصاص جعل ساز لیکچرار کا جو ذکر کیا ہے جس نے جھوٹی حدیث گھڑ لی تھی کہ جب کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہے تو ہر لفظ پر ایک پرندہ پیدا ہو جاتا ہے۔ الخ وہ ملا نہیں تھا کوئی ڈاکٹر قسم کا لفاظی انسان ہوگا۔ حقیقی ملا امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ تھے جنہوں نے فوراً اس ڈاکٹر قسم کے لیکچرار کا منہ توڑا اور صاف کہہ دیا کہ ظالم، بے حیا انسان رسولؐ پر افترا کر کے کیوں دوزخ خرید رہا ہے! ان سچے ملاؤں کی عظمت کا اعتراف تو آپ کو کرنا ہی چاہئے۔ مگر افسوس کہ ہمیں اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں آپ کی طرف سے شبہات ہیں۔

سوانح نویسوں کی مبالغہ نگاری کے جو نمونے آپ نے پیش کر کے ”حدیث دشمنی“ کا ثبوت دیا ہے اس کے جواب میں اتنا ہی کہنا کافی ہے:

کوئے کی دم میں ناکی کرن آفتاب کی

جوابات کی خدا کی قسم لا جواب کی

عنوان تھا ”چند عجیب راوی اور صحابہ“ اور لگے سوانح نگاروں کا گلہ شکوہ کرنے، جس قدر ”ہزلیات“ آپ نے اس ذیل میں ذکر کی ہیں شکر ہے کہ ان سب کا خود اپنی ہی قلم سے آپ نے ازالہ بھی فرما دیا ہے۔ چنانچہ برق صاحب فرماتے ہیں:

بحمد اللہ کہ اسلام میں کچھ محققین بھی گزرے تھے جنہوں نے ایسے تمام واقعات پر سخت تنقید کی ہے۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ (دو اسلام ص ۹۰)

برق سے کوئی پوچھے کہ حضرت جب معاملہ یہ ہے تو آپ اب کیوں یہ گڑے مردے اکھاڑنے بیٹھے ہیں اور ان بوسیدہ ہڈیوں کے چوسنے میں کیوں آپ کو لطف آتا ہے؟

ہاں بابا برتن کی موضوعات کے بارے میں آپ نے یہ خوب ”گپوڑا“ ہانکا کہ محدثین کی ایک خاص تعداد اسے صحابی سمجھ کر اس کی احادیث کو قبول کرتی ہے۔ (دو اسلام ص ۹۱)

یہاں کم از کم نصاب شہادت پورا کرانے کے لئے کچھ نام محدثین گرام میں سے پیش کر دیئے تو ہم اندازہ لگاتے کہ وہ کس قسم کے محدثین ہیں جو بابا برتن جیسے ”جعلیوں“ کو صحابی تسلیم کرتے ہیں۔ آیا ملا قسم کے محدثین ہیں یا ڈاکٹر قسم کے مُحدِّثین۔ بضم میم ”وسکون حاء“ افسوس کہ برق نے عوام کی نظروں میں خاک جھونکنے کے لئے کس قدر ہزلیات اور ہفوات سے کام لیا ہے۔ بابا برتن کی کوئی حدیث اس کے نام سے بخاری شریف و مسلم شریف میں ہوتی تو ہم یقیناً برق کی ہمنوائی کے لئے تیار ہوتے۔ مگر یہاں تو بالکل ایسا ہی معاملہ ہے جیسے بقول خود برق کے کوئی احمق استاد امام دین گجراتی کے ان اشعار:

کوئی سیٹ جنت میں خالی نہیں ہے ☆ خوشی سے جہنم میں وز نام دینا  
کو اقبال یا غالب کی طرف منسوب کر دے بالکل یہی حال برق کا ہے۔ خود یہ

بھی کہتے ہیں کہ:

علامہ ذہبی نے بابا برتن کی روایات کو جھوٹا قرار دیا ہے (دو اسلام ص ۹۱) اور پھر خود

خود یوں بھی گواہی فرماتے ہیں کہ:

محدثین کی ایک خاص تعداد اسے صحابی سمجھ کر اس کی احادیث کو قبول کرتی ہے۔

(دو اسلام ص ۹۱)

دیکھئے ”ان ہزلیات کا بھی کوئی سرا میر ہے“ جو برق نے حوالہ قلم کی ہیں۔ اسی طرح

حقیقت نگاری کے لئے جو بال حقیقت نمونے آپ اپنے پیش کئے ہیں وہ سب ”گپوڑے“

ہیں ایسے کہ جن کی کسی مستند محدث نے تصدیق نہیں کی بلکہ اکابر اسلام ان ”گپوڑوں“

کی تردید کرتے ہوئے چلے آ رہے ہیں، حضرت علیؑ کے خچر کی لاث، ہر تابک کی



داستان، جبیر بن حرب کا افسانہ، جعفر بن بسطور کا کذب صریح اور بابارتن کی موضوعات سب بلا شک قابل تردید اور لائق صد لعنت ہیں۔ نیز ایسے افراد بھی جو موضوعات کی تائید یا تحسین کریں۔ افسوس کہ برق صاحب بابارتن کی موضوعات کو موضوعات تسلیم کرتے ہوئے بھی ان کے شیدائیں۔ آپ کا ارشاد یہ ہے:

بابارتن کی احادیث بے شک جھوٹی ہیں، لیکن یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مضمون اور

الفاظ کے لحاظ سے اس کی احادیث ان احادیث سے بہت بلند ہیں جو

”اسلامی“ علاموں نے وضع کی تھیں۔

(دو اسلام ص ۹۲)

بابارتن کو برق صاحب ”پیغمبر کا صحیح مقام“ سمجھنے والا مانتے ہیں۔ مگر محدثین کرام امام بخاریؒ و مسلمؒ و ابانام مالکؒ و ابو داؤد و نسائی و ترمذیؒ و غیرہ اس کی نگاہ خام میں ”پیغمبر کا صحیح مقام نہ سمجھنے والے (نعوذ باللہ) جعل ساز، کوڑھ مغز، گپوڑ ہانک، نظر آتے ہیں۔ سچ ہے:

کند ہم جنس باہم جنس پرواز ☆ کبوتر با کبوتر، باز با باز  
ہم پھر کہہ دیتے ہیں۔ کہ جھوٹی روایات خواہ بابارتن کی ایجاد کردہ ہوں یا ڈاکٹر قسم کے ”کوڑھ مغزوں“ کی یقیناً سب قابل نفرت ہیں اور یقیناً کوڑھ مغز ”ملا“ ہیں وہ جنہوں نے قرآن پاک کو اسوۂ رسولؐ سے کاٹ کر ایک چیستان بنانے کے لئے وہ وہ کارہائے نمایاں کر ڈالے کہ قدوسی بھی لرز گئے، خود جبریلؑ بھی کانپ اٹھے، صدیق و فاروقؓ کی روچیں بھی تھرا گئیں۔ جنہوں نے قرآن پاک کی من مانی تفسیر کرتے خود رانی بلکہ بے لگامی کا ایک خطرناک دروازہ کھول دیا اور پھر اس ”حرکت“ کو ”قرآن دوستی“ سے تعبیر کیا۔ تبیان محمدیؐ کو ناقص سمجھا اور اپنی ”ہفوات باطلہ“ کو قابل۔ افسوس ضد افسوس! اسلام زبان حال سے ان کو یوں خطاب کرتا ہے:   
داغم از تبیان این ”بے مانگاں“ ☆ در قلوب شیاں ندیم نور جاں

تن پرست و کم سواد و کم نگہ ☆ قلب ایٹاں بے نصیب از لالہ  
 در حرم زاد و کلیسا را مرید ☆ پردہ ناموسِ قرآن را دریدند  
 (اقبالِ قدرے ترمیم کے ساتھ)

یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے۔

میں نے اس شعر کو دیکھا تو اس میں ایک عجیب سی بات نظر آئی۔  
 مولانا نے "قلب ایٹاں بے نصیب از لالہ" کے ساتھ "در حرم زاد و کلیسا را مرید" کے ساتھ  
 "پردہ ناموسِ قرآن را دریدند" کے ساتھ "اقبالِ قدرے ترمیم کے ساتھ" کے ساتھ  
 "یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے" کے ساتھ  
 "میں نے اس شعر کو دیکھا تو اس میں ایک عجیب سی بات نظر آئی" کے ساتھ  
 "مولانا نے 'قلب ایٹاں بے نصیب از لالہ' کے ساتھ 'در حرم زاد و کلیسا را مرید' کے ساتھ  
 'پردہ ناموسِ قرآن را دریدند' کے ساتھ 'اقبالِ قدرے ترمیم کے ساتھ' کے ساتھ  
 'یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے' کے ساتھ  
 'میں نے اس شعر کو دیکھا تو اس میں ایک عجیب سی بات نظر آئی' کے ساتھ

۱۲۵

یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے۔  
 مولانا نے "قلب ایٹاں بے نصیب از لالہ" کے ساتھ "در حرم زاد و کلیسا را مرید" کے ساتھ  
 "پردہ ناموسِ قرآن را دریدند" کے ساتھ "اقبالِ قدرے ترمیم کے ساتھ" کے ساتھ  
 "یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے" کے ساتھ  
 "میں نے اس شعر کو دیکھا تو اس میں ایک عجیب سی بات نظر آئی" کے ساتھ  
 "مولانا نے 'قلب ایٹاں بے نصیب از لالہ' کے ساتھ 'در حرم زاد و کلیسا را مرید' کے ساتھ  
 'پردہ ناموسِ قرآن را دریدند' کے ساتھ 'اقبالِ قدرے ترمیم کے ساتھ' کے ساتھ  
 'یہ شعر حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تصانیف میں درج ہے' کے ساتھ  
 'میں نے اس شعر کو دیکھا تو اس میں ایک عجیب سی بات نظر آئی' کے ساتھ

۱ "اہل قرآن" کہلاتے والے احقون کا بیان القرآن میری پیشانی پر ایک داغ بنے۔ جنہوں نے آجی من گھڑت  
 تفسیروں سے ناموسِ قرآن کا پردہ چاک کر دیا۔ (مولانا ابوالکلام آزادؒ)

## چوتھا باب

### کچھ ائمہ حدیث اور معتبر راویوں کے متعلق

اس عنوان کے تحت برقی کے خیالات کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے:

ائمہ حدیث میں کچھ ایسے بزرگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ناز رہا ہے، ان کا علمی مقام اتنا بلند اور ان کے ثقافتی کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہمیں ان پر تنقید کرنے کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ (دو اسلام ص ۹۴)۔

برقی کا اعتراف حق اور ”اقرار بحج“ ناظرین کے سامنے ہے۔ باوجود اس کے آپ پھر تنقید کے لئے تیار ہیں اور تنقید بھی بالکل ”بیجا تنقید“ کتاب دو اسلام کو از اول تا آخر مطالعہ کر جائیے، آپ پر واضح ہو جائے گا کہ برقی تنقید سے اللہ و رسول تک نہیں بچ سکے ہیں ”کچھ ایسے بزرگوں“ کا تو یہاں وزن ہی کیا ہے۔ ”مشتے نمونہ از خروارے“ ایک دو مثالیں ملاحظہ فرمائیے:

### اللہ پر تنقید

باری تعالیٰ نے قرآن پاک میں اہل کتاب کی عام عادت بیان کی ہے: یحرفون الکلم عن مواضعہ۔ کلام الہی کی تحریف اہل کتاب کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ برقی صاحب اس خداوندی بیان پر اپنا ”تنقیدی استرہ“ یوں چلاتے ہیں:

سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات میں ہمیں تمام سابقہ آسمانی صحائف پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اگر وہ کتابیں محرف ہو چکی تھیں اور غلط سلط تھیں تو ان پر ایمان لانے کا مقصد؟ (دو اسلام ص ۱۸۹)۔

ظاہر ہے کہ اللہ پاک نے ”تورات“ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے، اس کا اصل وجود دنیا میں ہونہ ہوا اس چیز کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔ ”امنا بالله و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ“ مگر برقی کی برقی منطق یہ ہے کہ خدا نے چونکہ توراہ پر ایمان لانے کا حکم فرمایا ہے اس لئے یہ بالکل غلط ہے کہ اہل کتاب آسمانی صحائف میں تحریف کرتے تھے۔ قرآن سے قرآن پر تنقید کا یہ ایک نمونہ ہے ورنہ برقی کتاب میں آپ کو بیشتر یہی رنگ نظر آئے گا۔

رسول پر تنقید

اس بارے میں تو برق کو اپنی ”یہ لاگی“ پر ناز ہے ارشاد ہوتا ہے: خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان کے اقوال محرف ہو چکے تھے اور انہی نے بھی یہ فطری چیز آدمی کو اپنی کہی ہوئی بات تک یاد نہیں رہ سکتی وہ دوسروں کی کیا یاد رکھ سکتا ہے۔ الخ (دو اسلام ص ۳۹) الخ

قرآن مجید میں رسول امین کی حفاظت اور حیانت کے لئے گارنٹی دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: عَلَّمُ الْغَيْبُ فَلَا يَظْهَرُ عَلَيْهِ أَحَدٌ إِلَّا مِنْ أَتْرَفِهِ ثُمَّ تَقِطُّ مِنْهُ خُفَاةٌ يُرْسَلُ فَاتَّبَعَهُ يَنْشَلِكُهُ مِنَ الْغَيْبِ وَهُوَ يُعْطِيهِ أَجَلًا مُّدَدًا ۚ فَاِنَّهُ يَنْسِلُكَ مِنَ الْغَيْبِ لَاقِيَهُ ۚ

آیت اسے صاف ظاہر ہے کہ فرمودات رسول جو ہدایت الہی سے متعلق ہیں خدا خود ان کی حفاظت کرتا ہے۔ برق کا ارشاد یہ ہے کہ ”اقوال رسول“ خود آپ کی زندگی میں محرف ہو چکے تھے“ اب ناظرین ہی فیصلہ کریں گے کہ قرآن پاک کا بیان صحیح ہے یا برقی ہفوات؟ اپنے رسول کے بارے میں باری تعالیٰ ایک جگہ یوں ارشاد فرماتا ہے: ”فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا“ اے رسول تو ہر وقت ہماری نگاہوں میں ہے یہ تعجب ہے کہ ایسے رسول کے ارشادات اس کی زندگی ہی میں اس کے سامنے رد و بدل ہو جائیں اور خدا بھی

ان پر چشم پوشی کر جائے! ناظرین باتمکین غور کریں کہ اس ”کیفیت“ میں رسالت محمدیہ کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ استغفر اللہ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ یہ دو مثالیں ناظرین کے سامنے ہیں جن سے اندازہ ہو جائے گا کہ جو شخص اللہ و رسولؐ پر بیجا تنقیدات سے نہ چو کے وہ کچھ ایسے بزرگوں کو بخشدے یہ قطعاً ناممکن ہے، چنانچہ اس باب میں برق نے صحابہ و تابعین و تبع تابعین اور کچھ ایسے ہی بزرگوں پر تنقید کرنے کا شرف حاصل کیا ہے اور ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کے لئے اس تنقید کے ذیل میں کچھ اقوال بزرگان ہی میں کتر بیونت کر کے ان کو استعمال کرنے کی بے جا کوشش کی ہے۔

### اجی حضرت! ذرا انصاف کی کہنا خدا لگتی

ظاہر ہے کہ برق کے خیالات میں احادیث اور روایات سب ناقابل اعتبار ہیں، تحریف شدہ ہیں، مگر تماشہ یہ ہے کہ جو روایت برق کو مفید مطلب نظر آتی ہے، خواہ روایت و درایت وہ بالکل ساقط الاعتبار ہی کیوں نہ ہو اسے نہ صرف فخر کے ساتھ آپ نقل کرتے ہیں بلکہ اس کو ”بنیاد ہفوات“ قرار دے کر اس پر ”جدیث دشمن دیوار“ تعمیر کرنے کے لئے آپ تمام طاقت کو خرچ کر ڈالتے ہیں، موقعہ اور محل سے قطع نظر اقوال بزرگان یا روایات مفید مطلب سے غلط نتائج اخذ کرنے میں سارا ”سائنس اور فلسفہ“ استعمال میں لے آتے ہیں۔ اس وقت آپ کا بالکل یہ حال ہوتا ہے کہ نہ

کس شنود یا نشود من گفتگوئے می کنم

کچھ ائمہ حدیث اور معتبر راویوں کے متعلق آپ نے بالکل ایسا ہی برتاؤ کیا ہے، یہاں حافظ ابن عبد البر کی کتاب جامع العلم کے ساتھ کیا ہے۔ پہلے ہم حافظ مرحوم کا بیان نقل کرتے ہیں جس سے ناظرین پر واضح ہو جائے گا کہ آپ کا مقصد کیا ہے اور منقولہ اقوال بزرگان کی حقیقت کیا ہے؟

حافظ ابن عبد البر اپنی کتاب جامع العلم ص ۱۹۴ میں باب منعقد فرماتے ہیں: سبب  
 حکیم قول العلماء بعضهم فی بعض یعنی علماء نے باہمی طور پر ایک دوسرے کے  
 متعلق جو مختلف رایوں کا اظہار کیا ہے اس کے بارے میں ہمیں کیا راستہ اختیار کرنا  
 چاہئے۔ اس بارے میں آپ نے پہلے حدیث ذیل نقل کی ہے: "ان رسول الله صلى  
 الله عليه وسلم قال رب اليكم داء الامم قبلکم الحسد والبغضاء هي  
 السبالة" الخ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پہلی امتوں کی بیماریاں  
 تمہارے اندر بھی داخل ہو چکی ہیں جو حسد اور بغض ہے۔ یہ وہ مونڈ دینے والا سترہ ہے جو  
 دین مذہب کا صفایا کر دیتا ہے۔ ان حدیث ہذا کو نقل کر کے علامہ نے اس بارے میں صحیح  
 اسلامی "موقف" بیان کیا ہے۔ علماء و فقہاء حتی کہ صحابہ و تابعین وغیرہ بھی سب بشر ہی  
 ہیں۔ بشری خصائص کے سب حامل ہیں۔ ان سبب میں ایک دوسرے کے خلاف رائے  
 زنی کے وقوع کا امکان ہے۔ المعاصرة اصل المتفاهة کے تحت علماء و فقہاء میں اس  
 چیز کا پایا جانا بالکل قرین قیاس ہے۔ علامہ حافظ ابن عبد البر نے یہ حدیث نقل فرما کر علماء کی  
 اس کمزوری پر پردہ پوشی نہیں کی بلکہ ان کو متنبہ کیا کہ وہ اپنی شان کا احترام کریں اور خداداد  
 علم و فضل کی عزت کریں آپس میں تحاسن اور تنازع سے بچیں۔ پھر اگر کتب تاریخ میں  
 کچھ ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں تو اس بارے میں ہمارے خیالات کیا ہونے چاہئیں؟  
 علامہ حافظ ابن عبد البر اس سوال کا جواب حضرت ابن عباس کے لفظوں میں یوں  
 دیتے ہیں: استمعوا علم العلماء ولا تصدقوا بعضهم على بعض الخ  
 (جامع العلم ص ۱۹۴) علماء سے باتیں سنو، باہمی طور پر اگر وہ ایک دوسرے کے خلاف  
 رائے زنی کریں تو اس کی بلا تحقیق تصدیق نہ کرو۔ حضرت ابن عباس اس بارے میں  
 مزید تشریح فرماتے ہیں: اخذوا العلم حيث وجدتم ولا تقلوا قول الفقهاء  
 بعضهم على بعض (حوالہ مذکور) علم کو جہاں پاؤ حاصل کرو، مگر فقہاء کے "باہمی  
 مواخذت" کو (بلا تحقیق) قبول نہ کرو۔ حضرت امام مالک بن دینار فرماتے ہیں: يؤخذ

بقول العلماء والقراء فی کل شیء الا قول بعضهم فی بعض الخ. (جامع ص ۱۹۵) یعنی علماء اور قراء کی باتوں کو قبول کیا جائے گا، مگر بعض نے بعض کے خلاف جو رائے زنی کی ہے وہ (بلا تحقیق) قبول نہیں کی جائے گی۔ اس قسم کے کئی اور ”ہدایات“ ذکر کرنے کے بعد حضرت علامہ اپنی آخری قطعی برائے اس بارے میں یوں حوالہ قلم کرتے ہیں:

... هذا باب قد غلط فيه كثير من الناس وصلت به نابتة جاهلة لا تدري ما عليها في ذلك والصحيح في هذا الباب ان من صحت عدالته وثبت في العلم امانته وبانت ثقته وعنايته بالعلم لم يلتفت فيه الى قول احد الا ان ياتى في جرحه بينة عاذلة تصح بها جرحه على طريق الشهادات الخ. (جامع ص ۱۹۵) یعنی اس باب میں بہت سے لوگوں نے غلط راستہ اختیار کیا ہے اور بہت سے بے وقوفوں کی عقلوں نے یہاں جواب دے دیا ہے جو نہیں معلوم کر پاتے کہ اس بارے میں صحیح چیز کیا ہے؟ حالانکہ اس باب میں صحیح طریقہ صرف یہی ہے کہ جس راوی کی عدالت اور امانت اور ثقاہت اور علم و وسعتی صحیح روایات سے ثابت ہے اس کے بارے میں کسی خلاف رائے زنی کرنے والے کے قول کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا، مگر یہ کہ وہ اس جرح کو بطریق شہادت ثابت کر سکے محض خلاف میں ”رائے زنی“ پائی جانے سے کسی عادل ثقہ راوی کو ہرگز معذور نہیں کیا جاسکے گا۔

بہتر تاویل کی جائے گی

صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؓ، اسلاف اسلام میں باہمی مناقشات کی بنا پر اگر کسی نے کسی کے خلاف رائے زنی کی ہے تو دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ان کی ”بشریت“ پر محمول کیا جائے اور ایسی رائے کو اچھال دیا جائے، نہ اس سے بغیر کامل تحقیق کے غلط نتائج اخذ کئے جائیں۔ یہ ہے ایمان داری اور سلامتی کا راستہ۔ چنانچہ حضرت علامہ حافظ ابن

عبدالبر فرماتے ہیں: والدلیل علیٰ انہ لا یقبل فیمن اتخذه جمہور من جمہور المسلمین اماماً فی الدین قول احد من الطاعتین ان السلف رضوان اللہ علیہم اجمعین قد سبق من بعضهم فی بعض کلام کثیر منہ فی خال الغضب و منہ ما حمل علیہ الحسد کما قال ابن عباس و مالک بن دینار و ابو حجاز و منہ ما کان علیٰ جهة التاویل منہ لا یلزم المقول فیہ ما قالہ القائل فیہ و قد حمل بعضهم علی بعض بالسیف تاویلاً و اجتہاداً لا یلزم تقلیدہم فی شیء منہ دون برہان و حجة توجیہ الخ (جامع ص ۱۹۵) جس بزرگ کو جمہور مسلمان دین میں امام تسلیم کرتے ہوں اس کے بارے میں کسی طعن کرنے والے کی طعن کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ بلا شک سلف رضوان اللہ علیہم میں باہمی طور پر غضب اور غصہ کی حالت میں ایسے بہت سے کلام پائے گئے ہیں۔ باہمی حسد اور بغض کی بنا پر بھی ایسا ہو گیا ہے۔ اسلاف اسلام بھی بشری خصائص کے حامل تھے اس لئے ان سے ایسی لغزشوں کا امکان ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ اور مالک بن دینار اور ابو حجاز وغیرہ کے ارشادات اس بارے میں نقل کئے جا چکے ہیں۔ بطور تاویل کے بھی ایسے ”مواخذات“ پائے گئے ہیں جن سے یہ لازم نہیں آتا کہ قائل کا بیان کردہ عیب مقول فیہ کے اندر پایا جانا ہی ضروری ہے۔ تاویل اور اجتہاد کے طور پر سلف میں بعض کے خلاف بعض لوگ تلوار اٹھانے والے پائے جاتے ہیں۔ ایسے جملہ امور میں بلا دلیل و برہان قاطع کے ان بزرگوں کی اقتدائیں نہیں کی جائے گی۔ ان حقائق و ثائق کو بیان کرنے کے بعد علامہ ابن عبد البرؒ نے وہ اقوال نقل کئے ہیں جن سے برق نے اس باب کے تحت نمبر ایک سے نمبر بیس تک کی گنتی پوری کرانے کی کوشش کی ہے اور خواہ مخواہ اوراق سیاہ کر کے صحابہ و تابعین وغیرہ بزرگان اسلام پر طعن کا دروازہ کھولنا چاہیے۔



## ان سب کا جواب

ان اقوال مختلفہ کو نقل کرنے والے علامہ ابن عبد البر ہیں۔ ان میں بیشتر اقوال تو ایسے ہیں جو باعتبار سند کے مجروح منقطع غیر معتبر مجہول الروایہ ہیں۔ برق کا فرض تھا کہ پہلے ان اقوال کی سندات کو توثیق کے ساتھ نقل کرتے پھر ان سے جو چاہتے نتائج اخذ کرتے۔ مگر برق نے ایسا نہیں کیا۔ پھر دیانت کا مزید تقاضا یہ تھا کہ ان کے بارے میں علامہ ابن عبد البر کا ”تبصرہ“ بھی نقل کر دیتے، مگر ایسا کرنے سے آپ کی ”حدیث دشمن دیوار“ کو دکھ کا لگتا تھا اس لئے آپ نے صرف اپنے ”مزعومات“ کے مفید مطلب حصص کو نقل کر دیا اور برقی مزعومات کا پردہ چاک کرنے والے ”حصص“ کو نظر انداز کر دیا۔ یہ کوئی مستحسن طریقہ کار نہیں ہے جو برق نے حدیث دشمنی کے بخار میں مبتلا ہو کر ”عمارات اسلام“ کو ڈھانے کے لئے اختیار کیا ہے۔ برق کے نقل کردہ اقوال کا جواب خود ناقل یعنی علامہ ابن عبد البر ان لفظوں میں حوالہ رقم کرتے ہیں:

و نحن نوزد فی هذا الباب من قول الائمة الجلة الثقة السادة بعضهم فی بعض مما لا یجب ان یلتفت فیهم الیه ولا ینخرج علیہ ما یوضح لک صحة ما ذکرنہ وباللہ التوفیق۔ (جامع ص ۱۹۵) ہم اس باب میں جلیل القدر ائمہ دین کے بارے میں کچھ اقوال نقل کریں گے جو یقیناً ثقہ ہیں اور مسند سیادت و قیادت کے مالک ہیں ایسے بزرگوں سے جو بعض ”باہمی مواخذات“ پائے جاتے ہیں ان کی طرف مطلقاً التفات نہیں کیا جائے گا اور نہ ان سے ہماری ذکر کردہ حقیقت کی صحت پر کچھ اثر پڑ سکے گا۔

## اقوال صحابہ کے بارے میں

صحابہ کرامؓ میں سے بعض نے بعض کے خلاف جو کچھ کہہ دیا ہے۔ مثلاً حضرت عائشہؓ کا انس و ابو سعید خدری وغیرہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ چھوٹے بچے تھے یا

حضرت ابن عمرؓ کا حضرت ابو ہریرہؓ کے متعلق مسئلہ وتر کے بارے میں یہ کہہ دینا کہ کذب ابو ہریرہؓ "ابو ہریرہؓ نے غلط کہا ہے" ان سب کی تفصیلات اپنے موقع پر بیان ہوں گی، یہاں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ ایسے امور میں فریقین کا خطا و صواب پر ہونا محتمل ہے۔ اس لئے کسی ایک کے "قول" کو لئے کر دوسرے فریق پر طعنہ زنی کے لئے راستہ کھولنا یقیناً بددیانتی ہے۔ ان بزرگوں کی منشاء یہ ہرگز نہ تھی۔ محض آزادی رائے کی بنا پر جیسا جس جس کا خیال تھا وہ ظاہر کرتے تھے۔ حضرت حافظ ابن عبد البر ان کے بارے میں خصوصیت سے اپنا فیصلہ ان لفظوں میں حوالہ قلم کرتے ہیں:

وقد كان بين اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم وجملة العلماء عند الغضب كلام هو اكثر من هذا ولكن اهل الفهم والعلم والمنير لا يلتفتون الى ذلك لانهم بشر يعضون ويزضون. الخ (جامع ص ۱۹۷)

یعنی اصحاب رسول اور جلیل القدر علماء کے درمیان غضب کی حالت میں بھی ایسے کلام کا صدور پایا گیا ہے۔ لیکن سمجھدار اہل علم و فہم حضرات ایسے اقوال کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس لئے کہ وہ سب بشر تھے اور بشریت کے ماتحت وہ غصہ بھی ہوتے تھے اور خوش بھی۔ ایسے ہی حالات میں ان سے ایسے کلام کا صدور ہو گیا ہے۔

چند روایات کے بارے میں

کچھ معتبر راویوں کی تنقیص کے ذیل میں برق نے جن دانشمندی کا ثبوت دیا ہے اس کی حقیقت واضح طور پر بیان کی جا چکی ہے۔ صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے بارے میں جو روایات یا برق نے حوالہ قلم کر کے "تحقیقات" کا پل باندھا ہے ان سب کا جواب خود علامہ حافظ ابن عبد البر مفصل حوالہ قلم کر چکے ہیں۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ چند روایات کے بارے میں مزید تشریح معلوم کر لیجئے تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کہ برق کے نقل کردہ حوالجات کی حقیقت اور اصلیت کیا ہے؟ اور کن طرح ان

سے غلط نتائج اخذ کر کے برق نے ”مطلب برآری“ کی ناکام کوشش کی ہے۔ برق لکھتے ہیں کہ فلاں صحابی نے فلاں صحابی کو جھوٹا کہا اور فلاں نے فلاں کو، اسی طرح تابعین میں سے فلاں کو۔ ان آثار کا مجمل جواب یہی ہے کہ ان میں جو لفظ کذب کا اطلاق کیا گیا ہے اس سے کذب کا وہ معنی مراد نہیں ہے جو شریعت اسلام میں جرم عظیم اور گناہ کبیرہ قرار دیا گیا ہے اور جو راوی و مخبر کی عدالت میں قاذح ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے اس کا مرتکب غیر معتبر ہو جاتا ہے۔ نہ اس کی کوئی روایت کی جاتی ہے نہ اس کی کسی خبر کا اعتبار ہوتا ہے بلکہ کذب سے یہ مراد ہے کہ ان کا یہ قول یا بیان غیر صحیح اور واقع کے خلاف ہے۔ نفس الامر اور حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ ساتھ ہی اس کے یہ بھی احتمال ہے کہ قائلین کذب خود ہی اپنے قول میں غلطی ہوں اور جس کے حق میں کذب کا اطلاق کر رہے ہیں اس کا قول صحیح ہو اور یہ اپنے خیال و فہم کے مطابق اس کو غیر صحیح ٹھہرا رہے ہیں۔ بہر حال ان روایات میں لفظ کذب کے اطلاق سے راویان حدیث خصوصاً صحابہ کرام کی عدالت و صدق میں کوئی نقص نہیں آتا، نہ نفس روایت و حدیث پر کسی قسم کا دھبہ آتا ہے کیونکہ جملہ فقہاء و محدثین کا یہ مسلہ اصول ہے کہ: الصحابة كلهم عدول۔ یہ اصول بھی اس بات کی رہنمائی کرتا ہے کہ ان روایات یا ان کے جیسی اور روایات میں کذب سے وہ کذب مراد نہیں جو قاذح فی العدالت ہے، بلکہ وہی معنی مراد ہیں جو ہم نے بیان کئے۔ ان معنی سے نہ تو راویان حدیث صحابہ و تابعین وغیرہم پر کوئی دھبہ آتا ہے نہ ان کی روایت پر (جو بسند صحیح ثابت ہو) کسی قسم کا نقص آ سکتا ہے۔ اس قسم کی روایات سے برق کا راویان حدیث کے عدم اعتبار پر استدلال کرنا اور فن حدیث جیسے موقر اور ضروری فن کو غیر معتبر ٹھہرانا سراسر جہالت و ضد و عناد پر مبنی ہے۔

برق لکھتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ کی حدیث ”ان المیت یعذب ببكاء اہله علیہ“ (کہ میت پر رونے سے میت کو عذاب کیا جاتا ہے) کو حضرت عائشہؓ نے

آیت قرآنی: لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا) کے خلاف جان کر اس کی تردید فرمادی۔ حقیقت صرف اتنی ہے کہ بکاء علی المیت کے بارے میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ بعض مطلق ہیں، بعض مقید۔ ابن عمر سے بایں الفاظ مطلق روایت آئی ہے: اِنَّ الْمَيِّتَ يَعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهِ عَلَيْهِ۔ پس روایت بکاء علی المیت اور آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ اور قول عائشہؓ میں درحقیقت کوئی تعارض و اختلاف نہیں ہے اور بادی النظر میں جو اختلاف معلوم ہوتا ہے اس کی تطبیق یوں ہے کہ مطلق روایت مقید پر محمول ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کا رونا ممنوع نہیں ہے، نہ ہی ہر قسم کے رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے بلکہ خاص قسم کے رونے سے جو کہ نوحہ و بیان کے طور پر ہو اور نوحہ سے بھی اس وقت عذاب ہوگا جبکہ وہ نوحہ اس میت کے طریق سے ہو اور وہ اس سے بیزار نہ ہو بلکہ خوش ہو جیسا کہ اہل جاہلیت کا طریقہ تھا تو اس صورت میں بیشک میت کو اس کے اہل خانہ کے رونے سے عذاب ہوتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ میت اس کا سبب بنے گا اور نوحہ اس کے عمل میں شمار ہوگا۔ لہذا وہ عذاب کا مستحق ہوگا اور اگر بکا محض آنسو بہانے کے ساتھ ہو بطور نوحہ نہ ہو اور نوحہ میت کے طریق سے نہ ہو، نہ اس نے نوحہ کی وصیت کی ہو بلکہ وہ اپنی زندگی میں نوحہ سے بیزار اور مانع تھا پھر بھی اس کے اہل اس پر نوحہ کریں تو پھر آیت مذکورہ اور قول عائشہؓ کے مطابق اس کو عذاب نہ ہوگا اور وہ میت ان کے گناہ نوحہ کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ اس تشریح سے احادیث بکاء علی المیت اور آیت شریفہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ میں تطبیق ہوگی اور اہل انصاف کے نزدیک کوئی تعارض و اختلاف بھی نہ رہا۔ امام احمد شین امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کتاب الجنائز میں اس مسئلہ پر خاص باب منعقد کیا ہے اور احادیث بکاء و آیت مذکورہ و قول عائشہؓ میں اسی طرح تطبیق و توفیق بیان فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذب المیت ببعض بکاء اہله علیہ اذا

كان النوح من سنته لقول الله تعالى 'قوا انفسكم واهليكم نارا' وقال النبي صلى الله عليه وسلم كلکم راع و کلکم مسئول عن راعيته فاذا لم یکن من سنته فهو كما قالت عائشة ولا تزور وزارة ورز اخرى. الى آخر ما بین. امام بخاریؒ نے مقید حدیث کے ساتھ باب منعقد کیا ہے اس سے مقصد آپ کا یہی ہے کہ چونکہ دلائل قرآنیہ و حدیثیہ سے یہ بات ثابت ہے کہ میت کو عذاب اس کے اہل کے خاص قسم کے رونے سے اور خاص حالت میں مخصوص ہے اس لئے مقید حدیث سے باب باندھ کر بتلایا کہ ہر حالت میں عذاب نہیں ہوتا تا کہ آیت قرآنی کے خلاف لازم نہ آئے۔

برق لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ کی بیان کردہ حدیث کہ حضورؐ نے بدر کے قلیب میں مردوں سے خطاب کیا۔ الخ تو حضرت عائشہؓ نے آیت قرآنی انک لا تسمع الموتی (بے شک اے نبیؐ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا) کے خلاف جان کر اس حدیث کو رد کر دیا اس کا جواب یہ ہے کہ آیت شریفہ انک لا تسمع الموتی میں کاف خطاب سے نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنوانے کی نفی کی گئی ہے نہ کہ اللہ کے سنوانے کی کہ وہ ”علی کل شیء قلیب“ ہر چیز پر قادر ہے۔ حضرت عائشہؓ نے اپنی فہم کے مطابق اختلاف کیا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ کی فہم اس بارے میں درست ہی تسلیم کی جائے۔

برق لکھتے ہیں کہ امیر معاویہؓ نے عبد اللہ بن عمرؓ کی ایک حدیث سکرختی کے ساتھ انکار کیا۔ بخاری شریف ج ۲ کتاب الاحکام باب الامراء من قریش میں یہ واقعہ یوں ہے کہ جبیر بن مطعمؓ ایک وفد قریش مدینہ کے ساتھ امیر معاویہؓ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ معاویہؓ کو یہ خبر پہنچی کہ عبد اللہ بن عمرؓ یہ حدیث بیان کرتے ہیں: ”عنقریب قحطان میں سے ایک بادشاہ ہوگا“ الخ اس پر حضرت معاویہؓ غصے ہو گئے وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حدیث عبد اللہ بن عمرؓ کو اس کے ظاہر پر محمول کر کے حدیث: ان هذا الامر من قریش (حکومت صرف قریش میں رہے گی) کے خلاف سمجھا اور اسی لئے اپنی سمجھ کے مطابق اعتراض کیا حالانکہ حدیث ہذا بھی صحیح ہے کہ اس میں خبر بمعنی امر ہے اور

حدیث بابت شاہ قحطانی بھی صحیح ہے کہ اس میں ایک مغلب بادشاہ کا ذکر ہے۔ صرف اختلافی فہم کی بنا پر یہ تضاد واقع ہوا اور نہ ہر دو حدیثیں اپنے اپنے محل پر درست ہیں۔ مگر برق نے اس حدیث کی بناء پر مندرجہ ذیل فتاویٰ کو حوالہ قلم کیا ہے:

(۱) صحابہ کے زمانے میں احادیث کا چشمہ مکدر ہو چکا تھا۔

(۲) اقوال رسول کو مسخ کیا جا رہا تھا۔

(۳) اہل نظر صحابہ کا اعتماد اٹھ چکا تھا۔

(۴) صحابہ میں کافی تعداد ایسے حضرات کی موجود تھی جو مخبر احادیث بیان کرنے کے خوگر تھے۔ (دو اسلام ص ۹۸)

اصحاب رسول کی دشمنی و عداوت میں مخمور برق نے جو ہرزہ سرائی کی ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر عقلمند مسلمان اس پر تین حرف بھیجے۔ حضرت امیر معاویہؓ کا منشاء یہ ہرگز نہ تھا جو برق نے ظاہر کیا ہے۔ امیرؓ نے ایک ایسی حدیث سنی جو ان کے خیال میں ایک دوسری صحیح مرفوع ثابت شدہ حدیث سے ٹکراتی تھی اس لئے انہوں نے اس پر اپنی فہم کے مطابق اعتراض کیا اور افہام و تفہیم کے لئے ہر مسلمان کا حق ہے کہ جس بات کو وہ نہ سمجھ سکے اس کو سمجھنے کے لئے کوشش کرے۔ اب اس سے فتاح بالا اخذ کرنا برق جیسے ہی ”عقلمندوں“ کا کام ہو سکتا ہے، اگر فی الواقع اصحاب رسول سب ایسے ہی ”اسلام دشمن“ بن چکے تھے تو آج جس قرآن مجید کو برق اللہ کی سچی کتاب تسلیم کرتے ہیں وہ بھی اصحاب رسول ہی کی روایت اور نقل سے امت کو ملا ہے اس لئے قرآن اقدس کا چشمہ ہدایت بھی مکدر ہونا چاہیے۔ برق صاحب قرآن مجید آپ کو خطاب کرتا ہے:

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسمان کیوں ہو

آگے صحابہ کرام پر ہیکڑ اچھالتے ہوئے مزید برق پاشی یوں ہوتی ہے: یہ تو تھے صحابہ کرام اب ذرا نیچے آئیے اور دیکھئے کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث ایک دوسرے کو کیا

(دو اسلام ص ۹۹)

سمجھتے تھے؟

آگے برق نے تابعین و تبع تابعین و ائمہ حدیث پر کچھ اچھا لنے کی کوشش کی ہے اور جرح و تعدیل کے سلسلہ کے مختلف اقوال نقل کر کے بہت سے ائمہ دین کو مطعون کرنا چاہا ہے ان سب کی حقیقت علامہ ابن عبد البر کے لفظوں میں پیچھے تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے۔ ان میں بیشتر اقوال ایسے ہیں جو سنداً بالکل جھوٹ ہیں اور بعض ایسے ہیں جس میں ”معاصرت“ کا دخل ہے۔ آخر میں جو نتیجہ برق نے اس ہرزہ سرائی کا پیش کیا ہے اسے بھی آپ ہی کے لفظوں میں مطالعہ فرما لیجئے ارشاد ہوتا ہے:

ائمہ حدیث اور صحابہ کرامؓ کے فتوے ایک دوسرے کے متعلق آپ پڑھ چکے ہیں تو جو احادیث ان صحابہؓ ان ائمہ حدیث اور ان دلچسپ راویوں سے ہوتی ہوتی ہم تک پہنچتی ہیں۔ انھیں وحی سمجھ کر شور مچانا کہ یہ اسوۂ رسول ہے، یہ مفصل ہے اور قرآن مجمل ہے یہ شارح ہے اور قرآن متین اس لئے اس پر ایمان لاؤ کہاں تک جائز ہے؟ (دو اسلام ص ۱۰۳)

برق صاحب! اس طرح غلط بیانی کر کے عام امت اسلام کو گمراہ نہیں کیا جاسکتا آپ کو معلوم نہیں کہ خود قرآن کریم کے بارے میں بھی آپ کو بہت سے ایسے ”مختلف اقوال“ مل جائیں گے کہ موجودہ قرآن ترتیب کے لحاظ سے ناقص ہے۔ ملاحظہ ہوا احتجاج طبری ص ۴۶ وغیرہ۔ تو کیا اس سے ہم قرآن پاک پر بھی نکتہ چینی کرنے کے لئے راستہ نکال لینے میں حق بجانب ہوں گے؟ اور یقیناً یہی سب صحابہ ائمہ حدیث ”دلچسپ راوی“ قرآن مجید کے ناقل ہیں۔ جن کی روایت سے یہ سرمایہ ہدایت ہمیں نصیب ہوا ہے، تو بتلائیے جو قرآن ان صحابہ ان ائمہ حدیث ان دلچسپ راویوں کے توسط سے ہم تک پہنچا ہے اس کو کلام الہی کہنا اور اس پر ایمان لانے کے لئے تمام بنی نوع انسان کو دعوت دینا کہاں تک عقل و دیانت کے موافق ہے؟ برق صاحب کا فرض ہے کہ آئندہ ”نیا اسلام“ تصنیف کرتے وقت عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں اس سوال کو حل کریں۔ مگر یہ

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے

یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

افسوس کہ یہ حدیث دشمنی کے بخار نے منکرین حدیث کو اس قدر بدحواس کر دیا ہے

کہ اب ان کو نہ ناموس اسلام کی پرواہ ہے نہ عزت و عظمت قرآن کی ان کو تو صرف اپنے

ہفوات کا پاس ہے اور بس۔

فَاتْلِهِمْ اللَّهُ إِنِّي يُوَفِّكُونَ ۝



## پانچواں باب

### حدیث پر ایک مکالمہ

ہمارے مغرب زدہ مسلمان نماز و سنتوں کو مغرب پرستی کے صلے میں ”احساس کمتری اور خفتِ اسلام“ کے ساتھ ”انکارِ حدیث“ کی لعنت بھی نصیب ہوئی ہے۔ ”دجاجلہ مغرب“ خوش ہیں کہ ان کا جادو مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پر چل گیا جو آج خود اپنے ہاتھوں ہی سے اپنے مذہب کی جڑیں کھودنے میں مصروف ہیں۔ ”دجاجلہ مغرب و شیطین یورپ“ کتنے خوش ہوتے ہوں گے کہ ان کے شاگردانِ رشید آج اسلام کے نام پر وہ حرکاتِ مذہب دشمنی کے ذیل میں کر رہے ہیں کہ شاید ایسی حرکات کے لئے خود ”ابلیس علیہ اللعنة“ کو بھی سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا پڑتا۔ آج وہ سب کچھ مسلمان کھلانے والے افراد ہی کے ہاتھوں انجام پا رہا ہے۔ سچ ہے یہ اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

چند روز ہوئے ایک ”مغرب زدہ برقی طبع مسٹر قسم کے حضرت“ میرے پاس تشریف لائے فرمانے لگے:

**مغرب زدہ:-** اچی آپ نے یہ کیا ”حدیث“ کا سبق سیکھا ہے؟ حدیث ہے ہی کیا؟ بس قرآن ہی کافی ہے، مسلمانوں کو اس ”حدیث بازی“ نے خراب کر ڈالا۔

**میں:-** جناب والا! سنجیدگی سے کلام کرنا اہل عقل کا شیوہ ہے۔ آپ عقل و تہذیب کے مدعی بن کر ایسی غیر سنجیدگی کا ثبوت نہ پیش کیجئے، حدیث کا لفظ قرآن مجید ہی نے استعمال کیا ہے۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور فرمائیے:

(۱) واذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثاً

(۲) فلما نباها به قالت من انباک هذا قال نبانى العليم الخبير

(۳) هل اتاک حدیث ضیف ابراهیم المکرّمین

(۴) هل اتاک حدیث موسیٰ

(۵) فبای حدیث بعده یؤمنون

(۶) ما کان حدیثاً یفتزی و لکن تصدیق الذی بین یدیه و تفصیل

کل شیء و ہدی و رحمۃ لقوم یؤمنون (یوسف) اس آیت شریفہ میں یہ بھی

اشارہ ہے کہ سچی ثابت شدہ احادیث ”وحی جلی“ کی تشریح و تفسیر ہیں اور ان ہی کے توسط

سے مذہب کی تفصیلات معلوم ہوتی ہیں جو اہل ایمان کے لئے سر اسر ہدایت و رحمت کا

ذریعہ ہیں۔ پس حدیث و قرآن لازم ملزوم ہیں۔ قرآن مجید کو خود قرآن مجید ہی میں

”الکتاب“ کہا گیا ہے اور حدیث کو ”الحکمۃ“ سنے آیت ذیل میں باری تعالیٰ کا

ارشاد ہے: ”وعلّمهم الكتاب والحکمۃ“ نئی کا کام ”الکتاب“ اور ”الحکمۃ“

کی تعلیم دینا ہے۔ بتلائے اس آیت سے آپ کیسے انکار کر سکتے ہیں؟

**مغرب زدہ۔** اچھا صاحب! اگر حدیث ”الحکمۃ“ ہے تو پھر قرآن کی طرح

اسے محفوظ کیوں نہیں کیا گیا؟ اور ہم نے برق جیلانی کی کتاب میں یہ پڑھا ہے کہ حضور

نے احادیث لکھنے سے منع فرمادیا تھا اور صدیق، فاروق نے احادیث کو مٹانے اور

جلانے کی ہر ممکن تدبیر کی تھی یہ کیا معاملہ ہے؟

میں: جناب من! برق جیلانی کی یہ بات سر اسر غلط ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث لکھے لکھنے سے منع فرمایا تھا۔ آپ کے فرمان کا مقصد یہ تھا

کہ قرآن مجید میں میرے ”کلام کی آمیزش“ نہ کیا کرو اور اگر کسی نے ایسا ”مخلوط قسم کا

”معاملہ“ کر رکھا ہو تو اسے چاہئے کہ کلام مجید کو خالص رکھے اور میرے کلام کو اس کے متن

میں شامل نہ کرے۔ یہ تھا اصل مقصد فرمانِ نبویؐ کا جس کی مزید تفصیل آپؐ ہماری اسی کتاب میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس فرمان کی بنا پر برق کا یہ لکھنا کہ آنحضرتؐ نے اپنی حدیث کے لکھنے سے منع فرمادیا تھا ہے حکم عقلی کا ثبوت ہے۔ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مجمع البحرین تھی۔ علوم و فنون کے آپؐ ”دُرِیا“ تھے یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے کہ آپؐ اپنی علمی باتوں کو لکھنے سے لوگوں کو منع فرمادیں، ایسی بے عقلی کی بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب بھی کرنا انتہائی بے ادبی اور گستاخی ہے۔ آپؐ کی اور برق کی ایسی باتوں پر غیر مسلم نہیں گے اور کہیں گے کہ دیکھو پیغمبر اسلامؐ نے اپنے الہامی علوم و فنون کو لکھنے ہی سے منع کر دیا تھا، گویا اسلام کا پیغمبر یہ چاہتا ہی نہ تھا کہ اس کی امت اس کی نصیحتوں کو محفوظ کر دے اور لکھ کر اگلی نسلوں کے لئے ایک یادگار قائم کر دے۔ سوچئے اس سے بڑا خطرناک حملہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر اور کیا ہو سکتا ہے؟ یقیناً آپؐ اپنی احادیث کے لکھنے کا خود حکم فرمایا جیسا کہ تاریخ ابن سعد میں اور کتاب جامع العلم میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاصؓ ایک صحابی کا قول ہے کہ ان کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے جو بات سنو اسے لکھ لیا کرو۔ میرے منہ سے جو بات نکلتی ہے وہ حق و صداقت ہی پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی ہے۔

**مغربِ زدہ:-** اجداد مولانا آپؐ تو بہت دور چلے گئے میرا مقصد تو یہ تھا کہ حدیث کو وحی خفی کیوں کہا گیا ہے؟ اگر حدیث وحی ہوتی تو قرآن ہی میں شامل کیجاتی۔

**میں:-** پہلے آپؐ یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن پاک رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ قرآن بھیجنے والے نے اپنے حبیبؐ کو اس امانت کے لئے چن لیا اور آپؐ کے حوالے اس امانت کو کر دیا۔ اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو جس طرح سمجھا اور پھر اپنے عمل سے جس طرح اس کا نمونہ دکھلایا وہ بھی یقیناً عین منشاء الہی کے ماتحت ہی ہے، کیونکہ اللہ عالم الغیب و الشهادة ہے اپنے حبیبؐ کا طرز عمل اگر اللہ





سنی اور اہل کی تصدیق کرنی چاہی۔

”بقط“ کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہؓ سے مشورہ کیا، متغیرہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی گواہ لاؤ، چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت نے تائیدی شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی، مگر میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔ یہ دونوں روایتیں تذکرۃ الحفاظ میں حضرت عمرؓ کے حال میں مذکور ہیں۔

**مغرب زدہ:-** جناب اب یہ امر تو روشن ہو گیا کہ برق کا یہ کہنا کہ حضرت عمرؓ سب احادیث کو جلا دیا کرتے تھے بالکل جھوٹ اور بہتان ہے مگر وہ ایک بات یہ کہتے ہیں کہ اگر حدیث بھی اللہ کی طرف ہی سے ہے تو قرآن کی طرح اس کی حفاظت کیوں نہیں ہوئی؟ اور یہ کہ حدیث دنیا کا سب سے زیادہ مسخ شدہ لٹریچر ہے۔

**میں:-** جناب برق کی یہ ہر دو باتیں بھی محض گھوڑے، ہیں الخادیت جو صحیح اور مستند و متواتر ہیں ان کی حفاظت بالکل قرآن کی طرح ہوتی چلی آ رہی ہے۔ حدیث کے اولین محافظ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ حفاظ حدیث کی فہرست میں اولین نام آپ ہی کا شمار کیا گیا ہے۔ (دیکھو تذکرۃ الحفاظ) چند میٹرک فیل دفتر کے کلرک اگر آج اس سرنامہ اسلام کا انکار کریں تو اس سے عظمت حدیث پر مطلقاً اثر نہیں پڑ سکتا۔

مسلمانان ہند کے مسلمہ لیڈر مولانا محمد علی جوہرؒ نے فرمایا تھا کہ ”قرآن پاک تو قرآن پاک ہے دوسرے صحائف ہماری کتب حدیث کی تحقیق اور صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔“ (خطوط مشاہیر از عبدالمجید ص ۲۴) یہ وہ سرنامہ اسلام ہے جس کی عظمت کا اعتراف مشاہیر یورپ کو بھی ہے۔

۱۔ تاخیر بچے کی نماز چنانچہ روزہ کا مسئلہ جس کا حل سادہ ہوتا ہے۔

ڈچ ماہر سیاسیات و دینیات و قانون ہیوگرگرونی لیس کہتا ہے کہ: محمدؐ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ آج تک بارہ سو برس سے اٹھارہ کروڑ انسانوں کے لئے شمع ہدایت کا کام دے رہے ہیں۔ اس بارے میں اگر آپ کو قرآن پاک و تواریخ کی شہادتیں سناؤں تو وقت بہت خرچ ہو جائے گا۔ اس لئے اس ”گیوڑ“ کا جواب بھی خود برقی ہی کے لفظوں میں سن لیجئے۔ برقی اپنی کتاب دو اسلام کے ص ۳۴۲ پر خود اپنی زبان سے اعتراف کرتے ہیں:

ہزار ہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں جو نہ صرف تعلیمات قرآن کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔

برقی کا حدیث کو مسخ شدہ لٹریچر کہنا بھی ایک ”رنگین گیوڑا“ ہے۔ اگر حدیث دنیا کا بدترین مسخ شدہ لٹریچر ہے تو یہ ہزار ہا احادیث جن کا خود برقی نے ابھی اقرار کیا ہے یہ کہاں سے آگئی ہیں؟ جس منہ سے برقی حدیث کو ”سرخ شدہ لٹریچر“ کہتے ہیں اسی منہ سے حدیث کی عظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ دیکھئے ایک جگہ لکھتے ہیں:

اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے؟..... یہ تمام تفصیل حدیث میں ملتی ہیں اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ ہے جس پہ ہم نازاں ہیں اور جس سے اب تک کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں۔

(دو اسلام ص ۳۴۳)

بتلائیے اگر حدیث علی الاطلاق ”مخرف بریدہ تراشیدہ مسخ شدہ“ لٹریچر ہے تو پھر یہ بیش بہا سرمایہ جس پر شکر ہے کہ حضرت برقی کو بھی ناز ہے اور جس سے کروڑوں غیر مسلموں نے اثر لیا ہے، کہاں سے آگیا ہے؟ معلوم ہوا کہ برقی کا ان ہر دو ”گیوڑوں“ کو منہ سے نکالنا خود ان ہی کے نزدیک بھی ”جھوٹ محض“ ہے۔

**مغرب زدہ:-** حضرت آپ نے تو کمال ہی کر دیا کہ خود برقی ہی کی زبان سے

برق کی باتوں کو ”گیوڑا“ ثابت کر دیا۔ میں تو اب تک اسی وہم میں گرفتار تھا کہ برق کی باتیں لاجواب ہیں اور دنیا کا کوئی مولوی عالم برق کی باتوں کا جواب ہی نہیں دے سکتا، مگر اب معلوم ہوا برق محض عبارت آرائی سے لوگوں کے ایمانوں پر ڈاکہ زنی کر رہا ہے۔ اب ذرا اس کی ایک بات اور رہ گئی اس کی بابت بھی آپ حقیقت سے واقف فرمائیے وہ یہ کہتا ہے کہ جن طرح انبیاء اور فرشتوں اور دیگر صحائف پر ایمان لانے کا قرآن میں حکم ہے اس طرح حدیث پر ایمان لانے کا قرآن نے کہیں بھی مطالبہ نہیں کیا اور جب اللہ نے اس چیز کو قابل توجہ نہیں سمجھا تو آپ کون ہیں ہمیں حدیثوں پر ایمان لانے کا حکم دینے والے؟

**میں :-** برق کا یہ ”گیوڑہ“ محض حقیقت حدیث نہ سمجھنے یا عناد و حدیث دشمنی کے اوپر نہیں ہے، صحیح مستند حدیث کا مفہوم ہے۔ جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی ارشادات عالیہ، آپ کے فرمودہ احکامات، آپ کی تعلیم، آپ کا اسوہ حسنہ ان ہی کا دوسرا نام حدیث ہے جو قرآن ہی سے متعلق اس کی شرح ہے۔ اگر یہ کوئی علیحدہ چیز ہوتی تو علیحدہ اس پر ایمان لانے کے لئے کہا جاتا جس طرح آپ کے ”خاندان“ کے تصور میں آپ کے والدین، آپ کی اولاد سب داخل ہو جاتے ہیں اور علیحدہ ان کے ذکر کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔ اس طرح ”قرآن“ کے تصور میں الفاظ قرآن اور قرآن کی وہ جملہ ہدایات جو قرآن ہی کی روشنی میں جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو دی ہیں سب شامل ہو جاتی ہیں۔ قرآن پاک اپنی صفت ”الکتاب“ کے ساتھ اور بانی اسلام کی تعلیم مقدس کی صفت ”الحکمۃ“ کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ اب برق کون ہوتے ہیں؟ محض ”الکتاب“ کا نعرہ لگانے والے اور ”الحکمۃ“ سے امت مسلمہ کو کاٹنے والے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ برق قرآن کو دم بریدہ بنانا چاہتے ہیں، اسلام کو سخ کرنا چاہتے ہیں اور قرآن پاک میں نبی کی شان میں جو ”و یعلیمہم الکتاب والحکمۃ“ لکھا ہوا ہے اس آیت کو قرآن سے محو کرنا چاہتے ہیں۔ مگر برق



پر واضح رہنا چاہئے کہ وہ اپنے ناپاک مقصد میں ہرگز کامیاب نہ ہوں گے۔  
 یقیناً اللہ پاک نے جس طرح ”الکتاب“ کی حفاظت کی ہے اسی طرح ”الحکمہ“  
 کی حفاظت بھی اس نے پورے طور پر کر دی ہے، کوئی مفتری اگر جھوٹا قرآن بنا کر کھڑا  
 کر دے تو قرآن کی صداقت پر اس کے افترا کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس طرح دنیا  
 کے آزاد منش اپنے گام لوگوں نے اگر موضوع جعلی عبارتیں ”حدیث“ کا پاک نام دے  
 کر گھڑ ڈالی ہیں تو ان کا صحیح مستند مرفوع متواتر احادیث پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ اگر دنیا میں  
 کھوٹا سونا بکثرت چالو ہو گیا ہے تو ہماری یہ سراسر حماقت ہی تو ہوگی کہ ہم کھڑے مال کو  
 بھی کھوٹا کہہ کر کوڑیوں کے بھاؤ بیچ ڈالیں۔ جس طرح کھوٹے مال سے اصلی مال کی قدر  
 و قیمت پر کوئی زد نہیں پڑ سکتی اسی طرح کھوٹی، جھوٹی، جعلی عبارات جو وضاعین، کذابین  
 نے گھڑی ہیں ان سے مستند مرفوع احادیث کی قدر و قیمت پر ہرگز ہرگز کوئی زد نہیں پڑ  
 سکتی۔ قرآن اضاف لفظوں میں اعلان کرتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُوا بِكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجْعَلُوا فِي أَنْفُسِهِمْ جُرْحًا مِمَّا قُضِيَتْ وَ يَسْلَمُوا تَسْلِيمًا

”تم میرے رب کی یہ لوگ ہرگز ایماندار نہیں بن سکیں گے جب تک اپنے تمام  
 جھگڑوں کے لئے (اے رسول) تجھ کو ”حکم مطلق“ کی حیثیت میں نہ تسلیم کر لیں اور پھر  
 جب تک تیرے جملہ فرمودات کے سامنے بخوشی سر نہ جھکا دیں ہرگز ہرگز ان کو ایمان  
 نصیب نہیں ہوگا۔ اس آیت میں باری تعالیٰ نے رسول علیہ السلام کے جملہ شرعی فیصلوں  
 کو تسلیم کرنا ایمان کی اولین شرط بتلایا ہے اور آپ کے شرعی فیصلہ جات ہی کا نام ”صحیح  
 مرفوع مستند حدیث“ ہے۔ اس آیت کے بعد بھی یہ کہنا کہ قرآن میں حدیث پر ایمان  
 لانے کا کہیں مطالبہ نہیں ہے سراسر بکواس محض اور ایک ”خطرناک قرآن دشمن“ گپوڑہ  
 ہے جو برق جیسوں ہی کے منہ سے نکل سکتا ہے۔

مغرب زدہ۔ حضرت آپ کی تقریر نے تو میرے جملہ شبہات دور کر دیئے، برق کی

ہفوات سب دماغ سے ہوا بن گئیں۔ اس آیت سے اور آیت بالا ”ويعلمهم الكتاب والحكمة“ سے صاف صاف احادیث رسول کی حقیقت و اہمیت واضح ہو گئی اور یہ چیز بھی دماغ میں اتر گئی کہ موضوع اور بناوٹی احادیث کی بنا پر صحیح اور مستند مرفوع احادیث رسول کو جواب دے دینا سراسر کم عقلی اور کھلی ہوئی حماقت اور بے علمی کا ثبوت ہے۔

**میلن :-** اچی حضرت حقیقت اپنی جگہ پر حقیقت ہے اس ساری ہرزہ سرائی کے باوجود برق کو بھی ”حقیقت“ کا اعتراف ہے اور واقعہ ہے کہ کسی صحیح الدماغ مسلمان کو بغیر حقیقت کے تسلیم کئے چارہ نہیں۔ برق سے سوال ہوتا ہے:

کیا اقوال رسول قابل ایمان ہیں؟

جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

کیوں نہیں بشرطیکہ کہیں سے کوئی قول رسول مل جائے۔

(دواسلام ص ۱۱۱)

برق نے یہاں تسلیم کر لیا ہے کہ قول رسول اگر مل جائے تو فی الواقع اس پر ایمان لانا فرض ہے۔ آگے آپ یوں گویا ہر افشانی کرتے ہیں:

”رونا تو اس بات کا ہے کہ اقوال رسول کا دستیاب ہونا بے حد دشوار ہے۔“

(دواسلام ص ۱۱۱)

برق خود تسلیم کرتے ہیں کہ ہزاروں حدیث قرآن کی مطابقت کرنے والی دنیا میں موجود ہیں جو اسلام کی مکمل صورت ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں اور اسلام کے بانی کی پوری سوانح حیات ہمارے سامنے رکھتی ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس قسم کی جملہ احادیث اسلام کا وہ بیش بہا سرمایہ ہے جس پر ہم کو ناز ہے اور جس سے کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے ہیں۔ یہ سب باتیں برق نے خود اپنی قلم سے اپنی اسی کتاب دواسلام نامی میں لکھی ہیں۔ ملاحظہ ہو آپ کی کتاب دواسلام کا ص ۹۴ و ص ۱۹۹ اور پھر یہ بھی لکھتے ہیں:

”اقوال رسول کا دستیاب ہونا بے حد دشوار ہے۔“

**مغرب زدہ:-** معلوم ایسا ہوتا ہے کہ برق کوئی صحیح دماغ آدمی نہیں ہیں۔ ڈاکٹر ہیں خدا جانے کون سی کوئی گرم چیز بطور تجربہ کھانے میں آگئی ہے جس نے دماغ کو بری طرح متاثر کیا ہے، خود اس کو یاد نہیں رہتا کہ کیا کہہ رہا ہوں؟ کیا لکھ رہا ہوں؟ یہ دورنگی باتیں سن کر دنیا میرے دماغ کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گی؟ یا اس کا گمان یہ ہے کہ دنیا میں سب اندھے، بہرے، گونگے لوگ بستے ہیں۔ بولنا، سننا، دیکھنا، سمجھنا صرف اسی کے حصے میں آ گیا ہے۔ اس کی روش سے تو ایسا ہی کچھ سمجھنے میں آتا ہے۔

میں:- پیارے بھائی! بات دراصل یہ ہے کہ برق کو صحیح حدیث کے تسلیم کے بغیر بھی چارہ نہیں۔ اس کا ایمان بار بار اس سے اپیل کرتا ہے کہ صحیح احادیث کو تو ماننا ہی پڑے گا۔ خود اسی دوا اسلام میں اس نے آخر میں ایک باب منعقد کیا ہے۔ اس کی سرخی ہی یہ ہے کہ ”صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا“ مگر حدیث دشمنی کی دوا میں بے چارہ بری طرح پھنس گیا ہے۔

”نہ جائے رفق نہ پائے ماندن“

والا معاملہ بن گیا ہے۔ جب حدیث دشمنی کے خطرناک مرض کی ”ہوک“ آپ کے دل میں اٹھتی ہے تو لگتے ہیں یہ اوٹ پٹانگ گپوڑے ہانکنے۔ درحقیقت برق کی حالت قابل رحم ہے۔

**مغرب زدہ:-** یہ تو آپ نے عجب پتے کی بات بتائی کہ برق نے خود آخر میں باب منعقد کیا ہے ”کہ صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا“ اس کا تو یہ مطلب ہے کہ اس نے خود اپنی قلم ہی سے اپنی کتاب دوا اسلام کا بھانڈا پھوڑ دیا اور آخر میں لکھ دیا کہ اب تک کی میری ہرزہ سرائی پر توجہ نہ دی جائے۔ صحیح احادیث کو تو ماننا ہی پڑے گا۔ اچھا ذرا کتاب تو میرے ہاتھ میں دیجئے کہ کیا فی الواقع برق نے آخر میں یہی فیصلہ دیا ہے کہ صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا؟

میں:- پیارے دوست! کتاب حاضر ہے نکالو ص ۳۴۱ دیکھ لو صاف لکھا ہوا ہے

## صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا

مغرب زدہ:- فتویٰ کے مطابق جو لوگ صحیح احادیث کا انکار کرتے اور ان کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہیں جھوٹے مکار ہیں، اسلام کے نادان دوست ہیں، قرآن کے خطرناک دشمن ہیں۔ اب میں ایسے لوگوں کی ہرزہ سرائی سے ہرگز اثر نہیں لوں گا اور آئندہ سے صحیح مستند احادیث کے خلاف کسی بھی بکواس کو سننے کے لئے کان نہیں لگاؤں گا اور میرا بس چلے گا تو ایسے منہ زور لوگوں کا منہ بند کرنے کی کوشش کروں گا۔ فی الحقیقت ایسے منہ زور لوگ آج قرآن کو ایک معمر، اسلام کو ایک دم بریدہ، مذہب و ملت کو اپاچ، شریعت کو ناکارہ محض بنا کر، آزاد ہو کر، رند بن کر، ایمان و دین سے ہاتھ دھو کر پھر بھی اسلام کے محبت اور ٹھیکیدار بننا چاہتے ہیں۔

لعنت ایسے ناہنجار لوگوں پر جن کے یہ کروت ہیں۔

اچھا۔ السلام علیکم

میں:- وعلیکم السلام، بھائی کبھی کبھار صحیح الخیال محقق لوگوں کے پاس بیٹھتے رہا کرو۔ تاکہ آج کل کے ان زہریلے اثرات کا تریاق بھی پاتے رہو۔

اچھا اللہ حافظ

مغرب زدہ:- حضرت رخصت ہوتے وقت اتنی گزارش اور ہے کہ آپ کی باتوں سے میرے جملہ شبہات دور ہو گئے۔ میرا دل اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے مالا مال ہو گیا۔ قرآن پاک و سنت رسول کی اہمیت مجھ پر واضح ہو گئی۔ اب میں اپنی کوشش کے مطابق صحیح طور پر دین اللہ الاسلام کا خادم بننے کی پوری کوشش کروں گا اور قرآن و سنت ہی کو اپنا دستور العمل بناؤں گا۔ اس لئے آئندہ سے آپ مجھ گنہگار کو ”مغرب زدہ“ کہہ کر نہ پکارا کریں۔ جو مغربیت دین سے بے دین بنائے، حدیث کو اٹھا کر قرآن کو ”معمر“ بنائے، فرائض اسلامی سے آزاد کرائے، میں خود اب ایسی

مغربیت پر خدا کو حاضر ناظر جان کر تین حرف بھیجتا ہوں، امید ہے کہ آپ میری گزارش پر توجہ دیں گے۔

میں :- بھائی شاباش! اچھا ہوا رخصت ہوتے وقت آپ نے اذھر مجھے توجہ دلا دی میری اس غلطی کو معاف کرنا۔ آئندہ آپ کی شان میں وہی الفاظ استعمال کروں گا جو ایک سچے بچے مسلمان کے لئے زیبا ہیں۔ اب گستاخی معاف ہو۔  
اچھا اللہ حافظ۔

## چھٹا باب

### تحریف احادیث کے اسباب

اس باب میں برق کی داستان یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث کے لکھنے سے منع فرمادیا تھا۔

برق ہر چیز کو عقل کی ترازو میں تولنے کے مدعی ہیں مگر یہ چیز آپ کے دماغ میں نہیں سماتی کہ آخر جناب معلم اعظم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عقل و فہم کے خلاف ایک حکم علی الاطلاق کیسے نافذ فرما سکتے تھے؟ علمی چیزوں کو لکھ کر محفوظ کر لینا عقل و خرد کا ایک مسلمہ اصول ہے۔ مگر برق کو یہ اصول تسلیم نہیں۔ کیا برق بتلا سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم سے، قلم سے، دوات سے، تحریر سے ان سب چیزوں سے نعوذ باللہ خدا واسطے کا میرا تھا؟ قرآن پاک میں اللہ پاک نے دوات کی، قلم کی اور تحریر کی قسم کھائی ہے۔

ن والقلم وما یسطرون ○ یہ سب کچھ ہے مگر برق بار بار یہی ریٹ لگاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث کے لئے قلم دوات کے ہاتھ تک بھی لگانے سے منع فرمادیا تھا۔ اگر علی الاطلاق یہی چیز تھی کہ اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً اپنے احکامات کو لکھنے سے منع فرمادیا تھا تو ہم مقدمہ کو زیادہ طول نہیں دینا چاہتے۔ برق سے اور ”برق زدہ“ حضرات سے اتنا پوچھتے ہیں کہ:

(۱) صلح حدیبیہ کا معاہدہ کیوں لکھا گیا؟ جس کا لکھا جانا برق کو بھی تسلیم ہے اپنی اسی

کتاب ”دوا اسلام“ کے ص ۱۹۵، ۱۹۶ پر لکھتے ہیں کہ:

”خضور نے ”رسول اللہ“ کا لفظ کھرچ ڈالا اور کاتب نے ابن عبد اللہ کے الفاظ۔

کا اضافہ کر دیا تھا۔ اسی حدیث پر باقی محدثین اعتماد کرتے اور تاریخ بھی اسی کی تائید کرتی ہے۔

صحیح بخاری جلد ۱ ص ۴۵۲، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۰۴ میں ایک طویل حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں کفار مکہ کے ساتھ صلح نامہ لکھوا کر ایک تحریر سہیل بن عمرو کو دی تھی اور ایک آپ نے اپنے پاس رکھی یہ صلح نامہ تمام کتب سیر میں منقول ہے۔ ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ کے ساتھ صلح نامہ لکھوا دیا تھا۔ (سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۱۷۵)

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت حق کو لکھوا کر شاہان عالم کی طرف کیوں بھیجا؟ یزدگرد شاہ ایران اور ہرقل قیصر روم کی طرف حضور کے نامہ ہائے مبارک کا لکھوا کر بھیجا جانا خود برق کو تسلیم ہے۔ پر لکھتے ہیں:

۸ھ ۶۳۰ء کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزدگرد شاہ ایران (۶۲۲ء ۶۳۲ء) اور ہرقل قیصر روم (۶۱۰ء ۶۳۱ء) کی طرف خطوط بھیجے اور انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ہرقل نے قاصد رسول کی بڑی تعظیم کی لیکن کسریٰ شاہ ایران نے خط پھاڑ ڈالا۔

یقیناً برق وہاں ہوتے تو حضور کے کاتب کا قلم فوراً پکڑ لیتے کہ کیا کرتے ہو؟ حضور نے تو اپنی احادیث کی کتابت سے قطعاً منع فرما رکھا ہے تم کیوں لکھتے ہو؟ برق صاحب سوچے! آپ کے خیال باطل کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف تو کتابت احادیث سے منع فرما رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی اپنی احادیث لکھوا کر اطراف عالم میں ارسال فرما رہے ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بواجبی است

(۳) برق کو خود تسلیم ہے کہ ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ“ احادیث لکھا

کرتے تھے ظاہر ہے کہ صحابہ کو خیال نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کوئی اقدام کریں اگر فی الواقع آپ ”علی الاطلاق“ اپنی احادیث کی کتابت سے منع فرمادیتے تو عبد اللہ بن عمرو کبھی ہرگز ہرگز ایسا قدم نہیں اٹھا سکتے تھے۔ برق کی تصدیق کردہ بخاری شریف کی روایت برق ہی کے لفظوں میں یہ ہے: حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے:

تمام صحابہ میں صرف عبد اللہ بن عمر کی روایات مجھ سے زیادہ تھیں اس لئے کہ وہ احادیث لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھا کرتا تھا۔ (دوا سلام ۷۱)

اہل تاریخ و سیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبوں کی بھی مفصل فہرست پیش کی ہے جو دو قافو قفا تحریری خدمات انجام دیا کرتے تھے ہم ایک مختصر فہرست کتاب ”ضرورت حدیث“ سے نقل کرتے ہیں جس کو مولف نے مشہور معتبر مورخ علامہ مسعودی کی تاریخ ص ۱۲۵ سے نقل کیا ہے:

- |           |  |  |
|-----------|--|--|
| نمبر شمار | نام کاتب   | خدمات متعلقہ                           |
| ۱۔        | حضرت خالد بن الولید  | عام تحریری خدمات پر نامور تھے۔         |
| ۲۔        | حضرت مغیرہ بن شعبہ ثقفی  | عام تحریری خدمات پر نامور تھے۔         |
| ۳۔        | حضرت حصین بن نمیر  | عام تحریری خدمات پر نامور تھے۔         |
| ۴۔        | حضرت عبد اللہ بن ارقم  | قرضہ جات کے وثائق لکھنے پر نامور تھے۔  |
| ۵۔        | حضرت علاء بن عقبہ  | عام تحریری خدمات پر نامور تھے۔         |
| ۶۔        | حضرت زبیر بن عوام  | ”الیات“ کے محرر تھے۔                   |
| ۷۔        | حضرت جہیم بن اخط   | عام تحریری خدمات پر نامور تھے۔         |
| ۸۔        | حضرت حذیفہ بن الیمان   | حجاز کی آمدنی کا موازنہ لکھا کرتے تھے۔ |
| ۹۔        | حضرت معیق  | اموال غنیمت کی تفصیلات کے کاتب تھے۔    |
| ۱۰۔       | حضرت زید بن ثابت انصاری فارسی، رومی، قطعی، حبشی زبانوں کے ترجمان اور کاتب۔ |  |



## نمبر شمار نام کاتب خدمات متعلقہ

- ۱۱۔ حضرت خطیب بن ربیعؒ نائب منشی
- ۱۲۔ حضرت عبداللہ بن سعدؒ
- ۱۳۔ حضرت شرجیلؒ
- ۱۴۔ حضرت ابان بن سعدؒ
- ۱۵۔ حضرت علاء الحضرمیؒ
- ۱۶۔ حضرت امیر معاویہؒ

ان کے علاوہ بھی اور کئی کاتب تھے جو قرآن مجید کی کتابت و احادیث شریفہ کی کتابت پر مامور تھے اور فرائض متعلقہ کو بحسن و خوبی انجام دیا کرتے تھے۔

ان تفصیلات کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ برق کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی العموم کتابت احادیث سے منع فرمادیا تھا بالکل باطل اور محض ”بکواس“ ہے۔ قرآن پاک کی صاف کھلے لفظوں میں ”تعلیم“ یہ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينِ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ وَلْيَكْتُب بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ. الخ اے ایمان والو! آپس کے لین دین کے معاملات کو لکھ لیا کرو، لکھنے والوں کا فرض ہے کہ قلم چلا پتے وقت عدل و انصاف کو ہمہ وقت سامنے رکھیں۔

اس آیت سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ ”غیر قرآن“ یعنی معاملاتی چیزوں کو لکھنے لکھانے کا حکم خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ اس آیت شریفہ کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مقدس میں آپ کے معاملاتی مسائل کو لکھنے لکھانے کا عام دستور تھا اور اس سلسلے میں یقیناً بہت سے معاملات نبوی بھی قید کتابت میں آیا کرتے تھے۔

اگر ہم برق کی ”ہفوات کو علی العموم“ صحیح تسلیم کر لیں تو نتیجہ یہ سامنے آتا ہے کہ اللہ

پاک نے تو مسلمانوں کو ”غیر قرآن“ یعنی معاملاتی احکام و مسائل“ کو قید کتابت میں لانے کا حکم دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے خلاف یہ اعلان فرمایا کہ قید کتابت میں صرف ”قرآن“ ہی کو لایا کرو اور ”غیر قرآن“ ایک حرف بھی اپنی نوک قلم پر نہ آنے دیا کرو۔

اس بارے میں مزید تفصیلات باب ”مدونین حدیث“ میں گزر چکی ہیں، اس لئے یہاں صرف ان ہی اشارات پر اکتفا کرتے ہوئے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ”کتابت“ کے منفع فرمایا تھا وہ قرآن پاک کے ساتھ ”غیر قرآن“ کی کتابت تھی۔ منعم شریف کی حدیث کے الفاظ خود اس پر شاہد ہیں: ”من کتب عنی غیر القرآن فلیتمحله“ اور ”من کتب عنی غیر القرآن فلیتمحله“ یعنی قرآن مجید کے وقت تو صرف قرآنی الفاظ ہی لکھا کرو اس میں ”غیر قرآن“ کی ملاوٹ نہ کیا کرو۔ اگر کسی نے ایسا کیا ہو تو اس کو چاہئے کہ اسے مٹا ڈالے۔ یہی حدیث مسند احمد میں حضرت ابوسعیدؓ ہی سے ان لفظوں کے ساتھ مروی ہے:

اكتبوا کتاب الله اخلصوا کتاب الله او اخلصوا کتاب الله۔ تم کتاب اللہ کو علیحدہ لکھا کرو اس میں کسی چیز کی آمیزش نہ کیا کرو۔ یہ ایک ہی حدیث ہے جو صحیح مسلم میں مختصر ہے اور مسند امام احمد میں مفصل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کو قرآن مجید کے ساتھ مخلوط کر کے لکھنے کو منع فرمایا تھا۔

مکرین حدیث کی کج فہمی ملاحظہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بے حد معقول بات سے کیسا غلط نتیجہ نکالا گیا ہے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا حکم نہ فرماتے تو یقیناً آج قرآن اس شکل میں نہ ہوتا، نہ معلوم کیا سے کیا بن گیا ہوتا۔ آپ کے اسی فرمان کا نتیجہ ہے کہ آج ہم قرآن کو اس قدر محفوظ پاتے ہیں۔ قرآنی الفاظ کے علاوہ دوسرے مواقع پر آپ کے ارشادات کو قید کتابت میں لانا اس زمانے کے حالات و فن کتابت کی کیفیات کے ماتحت صحابہ کرام کا عام معمول تھا اور

یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کی روشنی میں ہوتا تھا۔  
 مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کے لئے ایک کتاب لکھوائی جس  
 میں تمام مسائل فرائض، سنن، عقول و دیات یعنی خون بہا وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے  
 تھے اور عمرو بن حزم صحابی کے ہاتھ کتاب بھیجی پھر وہ خاندان عمرو بن حزم کے ہاں محفوظ  
 رہی، چنانچہ امام ابن شہاب زہری تابعی نے ابوبکر بن محمد عمرو بن سے وہ کتاب لے کر  
 پڑھی اور نقل کی۔ یہ حدیث تو اتر سے سنن نسائی، مطبع انصاری کتاب القود والقیامہ  
 والدیات جلد ۲ ص ۲۲۱، مراسیل ابوداؤد و صفحہ ۲۸، سنن دارقطنی ص ۲۵ و ص ۳۳۶ و ص  
 ۳۳۷، مسند دارمی ص ۳۱۰، موطاء امام مالک ص ۳۳۲، مسند شافعی ص ۱۹۸، کتاب الام  
 للشافعی ص ۶۶ جلد ۶، سنن بیہقی جلد ۴ ص ۸۹، مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۹۵، کنز العمال  
 ج ۳ ص ۱۸۶، منشی الاخبار ص ۲۵۸ ج ۱ منشی ابن جبار و ص ۳۶۱، مشکوٰۃ ص ۲۹۵، بلوغ  
 المرام ص ۱۴۲، جامع بیان العلم ص ۱۷ جلد ۱، فتح الباری انصاری پ ۲۸ ص ۲۹۵، تفسیر  
 ابن کثیر جلد ۳ ص ۶۲ وغیرہ کتب احادیث و سیر و تفاسیر و تواریخ میں موجود ہے۔

سنن ابوداؤد و بیہقی و مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر عمر میں عاملوں کے پاس بھیجنے کے لئے ایک ”حدیث  
 کی کتاب“ لکھوائی جس میں زکوٰۃ و صدقات کے تمام مسائل لکھے ہوئے تھے۔ اس کی  
 اشاعت عام سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا بعد میں صدیق اکبرؓ نے  
 اس کی اشاعت کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے بھی اسی کے مطابق عمل کیا اور وہ اصل کتاب  
 حضرت عمرؓ کے خاندان میں رہی، چنانچہ امام زہریؒ کہتے ہیں کہ وہ کتاب مجھ کو سالم تابعی  
 حضرت عمرؓ کے پوتے نے پڑھائی۔ میں نے اس کو یاد کر لیا۔ اسی کو خلیفہ عمر بن عبدالعزیز  
 تابعیؒ نے حضرت عمرؓ کے بیٹوں سے لیکر نقل کرایا۔ سنن ابوداؤد مع عون المعبود جلد ۲ ص ۸،  
 سنن بیہقی جلد ۴ ص ۸۸، مستدرک حاکم جلد ۱ ص ۳۹۲۔ اس قسم کی بہت سی روایات صحیحہ  
 موجود ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی

اجادیت مقدسہ اپنے فرامین عالیہ کو لکھوایا بھی کرتے تھے۔

مصنف دو اسلام نامے

ابن عبد البر کی جامع العلم نے اپنے مفید مطلب پا کر بہت سے حوالوں کو نقل کر کے غلط نتائج پبلک کے سامنے پیش کئے ہیں۔ اسی کتاب میں یہ روایت موجود ہے جس کو امام ابوداؤد اور مؤرخ ابن سعد وغیرہ بہت سے ائمہ فہم نے نقل کیا ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں:

قلت يا رسول الله اكتب كل ما اسمع منك قال نعم قلت في

الزبناء والغضب؟ قال نعم فاني لا اقول في ذلك كله الا حقا

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا وہ سب کچھ جو آپ سے سنتا ہوں لکھ لیا کروں؟ حضورؐ نے فرمایا: ہاں! میں نے عرض کیا کہ خوشی اور غصہ دونوں حالتوں کی باتوں کو لکھ سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں، کیونکہ میں ان سب حالات میں بھی جو کچھ بولوں گا حق ہی بولوں گا۔

ایک نمونہ

مصنف دو اسلام کی بے احتیاطی دیکھئے جگہ جگہ اس واقعہ کے اسے سیدھے ذکر اسے ذیل میں بار بار

”عبد اللہ بن عمر“

لکھتے ہیں (دیکھو دو اسلام ص ۷۰) حالانکہ جن صاحب سے اس واقعہ کا تعلق ہے وہ حضرت عبد اللہ بن عمر بن خطاب نہیں بلکہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص ہیں۔

بخاری شریف میں تحریف

اسی طرح بخاری شریف کی روایت کو بھی تحریف کر کے پیش کیا ہے۔

اصحاب النبی اکثر حدیثاً متنی الا عبد اللہ بن عمروؓ فانہ کان یکتب و کنت لا اکتب . یہ الفاظ اس طرح اپنی دو اسلام ص ۷۱ پر لکھتے ہیں۔ حالانکہ اصل صحیح الفاظ جو بخاری شریف میں ہیں وہ ان کے خلاف ہیں جو یہ ہیں:

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احد الا اکثر حدیثاً عنہ منی الا ما کان من عبد اللہ بن عمروؓ فانہ کان یکتب ولا اکتب .

(بخاری نور محمد والی ص ۲۲)

### یہ بے احتیاطی

یہ بے احتیاطی برق سے بار بار کیوں سرزد ہوتی ہے؟ صرف اس لئے کہ قدرت کو خود اس ہی کی قلم سے اس کی ”رعونت“ کا بھاٹا پھوٹنا منظور تھا۔ اسے ”تاسیہ روزے شود ہر کہ دروغش باشد“

بہر حال برق کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت احادیث سے منع فرمادیا تھا سراسر کذب اور منہ زوری ہے۔ مسلم شریف کی روایت کا ہرگز وہ مفہوم نہیں ہے جو برق پیش کر رہے ہیں بلکہ صحیح مفہوم وہ ہے جو خود حدیث ظاہر کرتی ہے جس کو پیچھے مسند امام احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی احادیث کو آپ ہی کے فرمان کے مطابق آپ کے شاگرد مثلاً: حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ لکھا کرتے تھے۔

### ایک اور منہ زوری

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی یہ روایت بابت کتابت حدیث ابوداؤد شریف میں اور تاریخ ابن سعد میں اور جامع العلم ابن عبد البر اور بہت سی تاریخی وحدیثی کتابوں میں موجود ہے مگر چونکہ اس سے برق کے ”غلط معومات“ پر زد پڑتی ہے اس لئے برق نے فوراً نوک قلم سے لکھ مازا کہ:

ابوداؤد والی حدیث وضعی ثابت ہوتی ہے۔ (دوا سلام ص ۱۷۱)۔  
 اگر برق سے کوئی پوچھے کہ وہ کون سے عقلی و نقلی دلائل ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث  
 آپ کے خیال میں وضعی ثابت ہوتی ہے؟ اور جب کہ آپ کے نزدیک بھی جو معتبر ترین  
 مورخ ہیں یعنی مصنف جامع العلم جیسے اس کی تائید و تصدیق کرتے ہیں تو آپ کو اسے  
 ”وضعی“ کہنے کا کیا حق رہ جاتا ہے؟ پس اگر برق جیسوں کی بے لگامی کو جائز قرار دیا  
 جائے تو کل ہر شخص اپنے مزاج کے خلاف جس آیت و حدیث کو بھی پائے گا فوراً منہ  
 کھول دے گا کہ یہ آیت یا حدیث وضعی معلوم ہوتی ہے اور درحقیقت اسی راہ کو ہموار  
 کرنے کے لئے برق صاحب ”یہ جاروٹ کشی“ فرما رہے ہیں۔ سچ ہے:۔  
 قسمت کیا ہر ایک کو قسام ازل سے جس چیز کے جو بھی کوئی قابل نظر آیا

ایک اور خطرناک جھوٹ  
 جس چیز کے جو بھی کوئی قابل نظر آیا پہلے برق کے رنگین خطرناک جھوٹ کا متن  
 ملاحظہ فرمائیے:

حضورؐ کا زمانہ تھا، خود سرور کائنات بقید حیات تھے کہ حضرت زبیرؓ سے ان کے  
 بیٹے عبداللہؓ نے پوچھا کہ آپ روایت حدیث سے کیوں اجتناب کیا کرتے  
 ہیں؟ فرمایا اللہ کی قسم احادیث میں اختلاف ہو گیا ہے میں نے حضورؐ کی زبان  
 مبارک سے یہ حدیث ان الفاظ میں سنی تھی: ”من کذب علی فلیتبوا مقعده  
 من النار۔“ جو شخص کوئی غلط قول میری طرف منسوب کرے گا وہ جہنم میں جائے  
 گا۔ لیکن لوگوں نے اس میں متعمداً کالفاظ بڑھالیا ہے۔ (دوا سلام ص ۱۲۳)

برق نے جو روایت نقل کی ہے یہ ”توجیہ النظر“ کی بے سند روایت ہے جو بالکل  
 باطل ہے جس کے بطلان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرت زبیرؓ کی یہ روایت  
 شعبہ سے دونوں طرح مروی ہے۔ بعض طریقوں سے ”متعمداً“ کے ساتھ بعض سے

بالفاظ ”متعمداً“ کے۔ حضرت زبیرؓ کے علاوہ لفظ ”متعمداً“ روایت کرنے والوں کی تعداد دو سو صحابہ تک بتلائی گئی ہے جو اسے درجہ تواتر کو پہنچا دیتی ہے۔ صرف کتب صحاح ستہ میں اس روایت کو لفظ متعمداً کی زیادتی کے ساتھ چودہ صحابہؓ سے روایت کیا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ برق کی نقل کردہ روایت بالکل باطل ہے۔

### اصل مضمون کیا ہے؟

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں کہ: مالی لا اسمعک تحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما اسمع ابن مسعود و فلانا و فلانا قال اما انی لم افارقه منذ اسلمت ولكنی سمعت کلمة یقول من کذب علی متعمداً فلیتوباً مقعده من النار۔ (ابن ماجہ صفحہ ۵) جس طرح عبداللہ بن مسعودؓ اور فلاں فلاں حضرات احادیث رسولؐ بیان کرتے ہیں اس طرح آپؐ کی زبان سے احادیث نہیں سنتا ہوں کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ بے شک میں جب سنے مسلمان ہوا میں نے ہمیشہ آپؐ کی صحبت مبارکہ کو اپنے لئے لازم رکھا مگر آپؐ سے میں نے ایک حدیث ایسی سنی کہ اس کا تصور کر کے پھر حدیث بیان کرنے کی مجھ کو ہمت نہیں ہوتی۔ میں نے سنا کہ آپؐ فرماتے تھے جس نے جان بوجھ کر میرے اوپر جھوٹ باندھ دیا اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ بنالے۔ یہ روایت ضراختاً اس امر کی دلیل ہے کہ برق کی نقل کردہ روایت بالکل باطل ہے۔

### اب سوچئے کہ

درحقیقت بات کیا تھی؟ اور برق نے اس کو کس رنگ میں پیش کیا ہے، گویا عہد رسالت ہی میں خود صحابہؓ رسولؐ پر افترا کیا کرتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ حضرت زبیرؓ کے نزدیک اگر مطلقاً حدیث بیان کرنا ناجائز ہوتا تو کبھی بھی اس حدیث کو زبان پر نہ لاتے جس سے ثابت ہوا کہ وہ حدیث کے خلاف نہ تھے بلکہ اس

بات سے ڈرتے تھے کہ کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکل جائے جو رسول علیہ السلام نے نہ فرمائی ہو اور میں بموجب حکم حدیث زندہ دوزخی ہو جاؤں اور حقیقت ہے کہ اس عہد میں جبکہ قصر اسلام کی داغ بیل ڈالی جا رہی تھی یہ احتیاط بے حد ضروری تھا اور بہت زیادہ اس کا خیال رکھنا پڑتا تھا کہ ایسا نہ ہو ”اسلام“ جسے قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے ادیان سابقہ کی طرح مسخ ہو کر ”مجموعہ خرافات“ بن جائے اس لئے اکابر اسلام اس بارے میں بیکد احتیاط برتتے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک مدت بعیدہ گزر جانے کے باوجود ہم اسلام کو بحیثیت ”دین الہی“ محفوظ پاتے ہیں۔

عبداللہ بن عمرؓ پر افترا

عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے حضرت ابو ہریرہؓ کی حفاظت یا شکار کے لئے کتا پالنے کے جواز کی حدیث بیان کے سلسلہ میں آئی تو حضرت عبداللہ بن عمرؓ بولے کہ کیوں بھلا ابو ہریرہؓ ایسی حدیثیں نہ بیان کریں گے؟ جبکہ وہ کھیتی بھی کرتے ہیں اور حفاظت زراعت کے لئے ان کو کیتوں کی ضرورت بھی پڑتی ہے۔ مطلب حضرت عبداللہ کا صرف اتنا تھا کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کے مقصد کے موافق ہے۔ جیسے بہت سی احادیث کو خود برق نے اپنی اسی کتاب میں صحیح تسلیم کیا ہے اس پر کوئی کہنے والا کہے کہ برق ان حدیثوں کو کیوں نہ صحیح تسلیم کریں گے، آپ کے مزاج کے موافق جو ٹھہریں؟

اب بتلائیے اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ برق کی تسلیم کردہ احادیث کی تکذیب کا یہ پہلو ہے کج فہمی نہیں تو اور کیا ہے؟ بالکل اسی طرح برق نے یہاں حضرت عبداللہ بن عمرؓ پر افترا پردازی کی ہے اور یہ ظاہر کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس حدیث کو جھوٹی سمجھتے اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مفتری گردانتے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

بتلائیے! دنیا میں افترا بازی کی اس سے زیادہ خطرناک مثال آپ کو مل سکے گی۔

کیا بات تھی کہ جس کا بنگلہ بنا دیا



یہ ہیں ”برقی ہفوات“ جن کو برقی زدہ حضرات اٹھائے پھرتے ہیں اور عوام کی نظروں میں خاک جھونک کر حدیث دشمنی کے خطرناک مرض کو دبائے عام کی شکل میں پھیلا کر ساری امت مسلمہ کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔ مگر یہ نور نبی ہے برقی کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

## ہاں جناب

زمانہ گزر گیا بے شمار انقلابات سے امت کو دو چار ہونا پڑا، سچے مسلمان دنیا سے ناپید ہوتے چلے گئے مگر ان حالات میں بھی ایک جماعت اللہ پاک کے فضل و کرم سے ایسی قائم رہی جس نے تمام آفات و مصائب کو برداشت کیا، ہر قسم کے دکھ جھیلے مگر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کو چھاتی سے لگائے رکھا اور اپنی ہر انگائی کوشش کے مطابق ان میں سر مو فرق نہ آنے دیا، کھرے اور کھوٹے کی پہچان کے لئے اصول و ضوابط مقرر کئے اور بحول اللہ و قوت رسول پاک کے ارشادات عالیہ کی حفاظت کا ایسا ریکارڈ قائم کر دیا جس کی مثال دنیا بھر کی مذہبی اقوام میں نہیں مل سکتی۔ ہر صدی میں بڑے بڑے علماء اسلام قرآن و سنت کی حفاظت کا فرض بجالاتے رہے۔ صرف علامہ ذہبی نے تذکرہ میں ساتویں صدی ہجری تک کے ۹۶۶ حفاظ حدیث کے حالات نام بنام بیان کئے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے پوتے شیخ محمد فرخ کو ۷۰ ہزار احادیث متن اور سند کے ساتھ نوک زبان یاد تھیں۔ مولانا عبد المالک عباسی کو پوری بخاری شریف یاد تھی، وہ زبانی درس دیا کرتے تھے۔ دیکھو نظام تعلیم و تربیت از گیلانی ص ۱۲۱، ۱۲۲۔ پس بقول مولانا محمد علی جوہر مرحوم: قرآن پاک تو قرآن پاک ہے دوسرے صحائف ہماری کتب حدیث کی تحقیق اور صحت و حفاظت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ خطوط مشاہیر از عبد الماجد ص ۲۴۔

ہوتے ہوتے اب یہ وقت آ گیا کہ برقی جیسے مغرب زدہ افراد امت میں پیدا ہو کر

تیرہ سو برس کے اسلام ہی کی کاٹ چھانٹ کرنے لگے اور من مانی کارروائیوں سے پیرا امن ملت کا بخیرہ اوھڑنے میں مصروف ہو گئے۔ اب انصاف پسند حضرات بتلائیں کہ مغرب زدہ ناہنجار افراد کی یہ حدیث دشمنی ہی نہیں بلکہ اسلام دشمنی کیا اس قابل نہیں ہے کہ ہر مسلمان اس پر تین حرف بیچھے؟ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کی تکذیب کرنا، ان کو ایک دوسرے سے جدا کرنے کی ناپاک سعی کرنا ”الکتاب“ کا نعرہ بلند کرنا اور ”الحکمہ“ سے بغاوت کرنا۔ بتلائیے یہ منکرین حدیث کی سخت قابل نفرت حرکت نہیں تو اور کیا ہے؟

### ایک اعتراض

بیلاں برق خود ہی ایک اعتراض پیدا کرتے ہیں اور پھر خود ہی اس کا التا سیدھا جواب حوالہ قلم کرتے ہیں۔ ذرا برقی منطق دیکھئے ارشاد ہوتا ہے:

اگر ہم احادیث کے مطابق نماز پڑھنا شروع کر دیں تو ہر مسجد کی نماز دوسری سے مختلف ہو جائے گی۔ (دوا سلام ص ۱۲۴)

### برق کی نماز

برق کے نزدیک نماز کی حیثیت محض حوصلہ افزا الفاظ و تعریف یا تشہیر و پروپیگنڈہ کی ہے۔ آپ نماز کی حقیقت پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

دور حاضرہ میں پروپیگنڈہ وہ حربہ ہے جس سے بڑے بڑے دینی اور سیاسی انقلاب پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ قرآن نے پروپیگنڈہ کو بڑی اہمیت دی ہے۔ بار بار ذکر التشہیر پلٹی پر زور دیا ہے ”یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُیُّوْا وَّقُوْا وَّعٰوْذُوْا عَلٰی جَنُوْبِهِمْ“ مسلمان کا کام اٹھتے بیٹھتے اور سوتے اللہ کا پروپیگنڈہ (ذکر) کرنا ہے۔ (ایک اسلام برق خیالی ص ۳۱۱، ۳۱۲)

برق کے نزدیک ”اقیموا الصلوٰۃ“ کا مفہوم صرف یہ ہے کہ اللہ کا پروپیگنڈہ کرتے رہا کرو اور بس۔ جب نماز کی صرف اتنی حقیقت ہے تو برق کے ناپاک خیال

میں نماز سیکھنے کے لئے احادیث کی ضرورت ہی نہیں! پھر نماز کہاں سے سیکھیں؟ اس کا جواب حاضر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں مسلمانوں نے نماز پڑھتے دیکھا انہیں کروڑوں نے اور یہ سلسلہ ہم تک پہنچ گیا کیا ان ارب کرب انسانوں کی شہادت کافی نہیں۔ (دو اسلام ص ۱۲۵)

برق کے ذہول اور جھول کا حال قابل رحم ہے۔ کوئی پوچھے کہ یہ لاکھوں اور کروڑوں اور اربوں اور کھربوں مسلمان کون سی قسم کے مسلمان تھے جن سے نماز نقل ہو کر آپ کو ملی؟ یہ سب برق جیسے برق زدہ حدیث دشمن انسان تھے؟ یا قرآن پاک کے ساتھ حدیث رسول کو بھی ماننے والے، تسلیم کرنے والے اس سے نماز، زکوٰۃ، کی تعلیم اخذ کرنے والے تھے؟ پھر ان کی نقل کردہ نماز تو برق کو تسلیم ہے، مگر ان کا حدیثی طرز عمل پسند نہیں۔ اسی کو کہتے ہیں۔

”فمنکرے یودن وہم رنگ متال زینتین“

بے حیائی تیرا آسرا  
سوال ہو سکتا تھا کہ حضرت قرآن پاک میں یہ نماز کا خاکہ جو درجہ آپ کو ملا ہے کہاں ہے؟ تو اس پر پہلے تو اپنے ضمیر کے خلاف الحق ما شہدت بہ الاعداء کے تحت یوں گویا افشائی ہوئی ہے:

اگر ان لوگوں (محدثین) نے صلوٰۃ و زکوٰۃ کی کوئی ایسی تشریح پیش کی ہے جو قرآن سے متصادم نہیں ہوتی اور تو اتر عمل کے بھی خلاف نہیں تو ہمیں اس کے قبول کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے۔ (دو اسلام ص ۱۲۵)

پھر محدثین کی تشریح ”اگر“ ”مگر“ کے ساتھ مشروط ہے چھوٹا منہ اور بڑی بات اسی کو کہتے ہیں۔ آگے آپ اپنی اجارہ داریوں کا یوں اظہار فرماتے ہیں:

لیکن ہم ان حضرات کو اسلام میں کسی ایسے اضافے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جس کا ذکر قرآن میں نہ ہو یا وہ انسانی عقل فطرت اور قرآن ہر سہ سے

متصادم ہوتا ہو۔ (دوا اسلام ص ۱۲۵)

مطلب ظاہر ہے کہ برق کے ناپاک خیال میں محدثین قرآن کے خلاف اضافے کرتے رہے۔ عقل و فطرت کے خلاف احادیث بناتے رہے، یہ رکعات نماز کی تعداد، اوقات کی تفصیلات، پاکی ناپاکی کے مسائل، ہاں ”برق صاحب“ یہ سب قرآن پر اضافے ہی تو ہیں؟ چلو جان بچی، لاکھو پائیے۔

برق صاحب سنے محدثین کا مقدس گروہ آپ کو یوں خطاب کرتا ہے۔

دل میں تو اپنے ذرا سوچو! نادان! واعظ!

لاکھ نادان ہیں ہم؟ کیا تجھ سے بھی نادان ہو گئے۔

برقی مذہب میں زکوٰۃ

برق کے ”دماغی مذہب“ میں زکوٰۃ بس اللہ کے راستے میں مخض مالی قربانی کا نام

ہے۔ باقی یہ نصاب پر سال گزرنا! وغیرہ“ سب ملا کے اضافے ہیں“ ارشاد ہوتا ہے۔

جب بھی ملت پہ ابتلا کا وقت آیا۔ مسلمان نے سب کچھ خدا و رسول کی خدمت

میں پیش کر دیا۔ ہمارا بلا اس طرح کے مالی ایثار کو صدقہ یا اتفاق کہتا ہے اور

اصطلاحی بحثوں میں الجھتا ہے۔

برق کا فتویٰ یہ ہے کہ اصطلاحی بحثوں میں نہ الجھو اور یہ نصاب پر سال گزرنے

وغیرہ کے جھگڑوں میں مت پڑو بلکہ

زکوٰۃ کے معنی ہیں پاکیزگی کے چونکہ اللہ کی راہ میں مال ایثار منفق اور مال ہر

دو کو پاکیزہ بنا دیتا ہے۔ اس لئے لازماً ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ سمجھی جائے گی۔

(دوا اسلام ص ۱۲۶)

یہ ہے ”مفتی برق“ کا فتویٰ جس کے لئے وہ اتنی دیر سے کدو کاوش فرما رہے تھے! جو بھی مالی قربانی کر دی۔ بس زکوٰۃ کا فرض ادا ہو گیا۔ ”غالباً“ برق نے دوا اسلام اور دو قرآن لکھ کر اور شائع کر کر جو مالی اور دماغی حدیث دشمن قربانی پیش کی ہے اس کی بنا پر اب آپ عمر بھر کے لئے زکوٰۃ سے چھٹی پا گئے ہوں گے آخر کیوں نہیں؟ اس سے بڑی قربانی فی سبیل اللہ کیا ہو سکتی تھی؟ کہ قرآن ایک تھا، برق نے اس کو دو بنا کے دکھلادیا اسلام ایک تھا! برق نے اسے دو بنا کے دکھلادیا۔ اب ملا مانے نہ مانے! برق کوئی ٹھیکیدار ہے؟ ہاں تو فتویٰ کی مزید تصدیق کے لئے برق کی زبان سے ایک عدد قرآنی آیت بھی سن لیجئے، ساتھ ہی طرز استدلال بھی، ملاحظہ فرمائیے؟ جو شاید امام المجتہدین حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بھی دماغ میں نہ آیا ہو۔ ارشاد گرامی یوں شروع ہوتا ہے:

لیجئے اللہ کا فیصلہ۔ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكهم بها۔  
مسلمانوں سے صدقہ لیکر انہیں مطہر اور مڑکی پاک بناؤ۔  
مڑکی کا ماخذ زکوٰۃ ہے تو گویا اللہ کے ہاں ہر قسم کی مالی قربانی زکوٰۃ شمار ہوتی ہے۔

(دوا اسلام ص ۱۲۶)

برق صاحب! اگر ہر قسم کی مالی قربانی ہی زکوٰۃ ہے وہ زکوٰۃ جو قرآن مجید میں بار بار بتا کید ذکر میں لائی گئی ہے یہی وہ زکوٰۃ ہے تو اللہ پاک نے اسے آٹھ مصارف کے ساتھ مخصوص کیوں فرمادیا؟ اور ”فريضة من الله“ کہہ کر اس کی تحدید کیوں کر دی ہے؟ ملاحظہ ہو سورہ توبہ! آئندہ ”تین اسلام“ اور چار قرآن لکھتے وقت ذرا یہ عقدہ کشائی فرمائیے گا۔

## زکوٰۃ کا برقی نصاب

برق صاحب نے فلسفہ زکوٰۃ پر ایک بیان حوالہ قلم کیا ہے جس میں زکوٰۃ کو ”قضیہ اشتراکیت و سرمایہ کا خدائی حل“ کے طور پر پیش فرمانے کے لئے آپ پوری برقی قوت کے ساتھ میدانِ فلسفہ میں گامزن نظر آتے ہیں۔ اس ذیل میں آپ کی تفصیلات سر

آنکھوں پر، مگر زکوٰۃ کا نصاب جو آپؐ نے یہاں پیش فرمایا ہے اور جو کچھ یہاں غلط بحث کیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔

آپؐ فرماتے ہیں: ”وَمَا يَنْفِقُونَ قُلُوبَ الْعَفْوِ“

”وہ بے عقل لوگ! انہوں نے رسولؐ کو گمراہ کر دیا ہے“ انہوں نے رسولؐ کو گمراہ کر دیا ہے؟ انہیں یہ کہہ دو کہ ہر فالتو زائد از ضرورت چیز خدا اور رسولؐ کے سامنے پیش کرو۔

گویا یہ ہے زکوٰۃ کا نصاب؟ اب ملا کی یہ تفصیلات کہ سوتولہ چاندی سے اتنی زکوٰۃ اور سوتولہ سونے سے اتنی زکوٰۃ اور ۲۰ من غلے سے اتنی زکوٰۃ اور ۵ اونٹوں سے اتنی زکوٰۃ اور ۴۰ بکریوں میں سے اتنی زکوٰۃ یہ سب ”ملا کا جھمیلہ“ نہیں تو اور کیا ہے؟ برق کروڑوں کا مالک بن جائے۔ صد ہا نوکر چاکر موٹر گاڑی گھوڑے آپؐ کو مہیا ہو جائیں جب بھی زکوٰۃ کا مطالبہ سامنے آئے گا کہہ دیا جائے گا کہ خدا نے فالتو چیز مانگی ہے میرے پاس کچھ فالتو ہی کہاں؟ جو میں زکوٰۃ ادا کروں؟ یہ سب کچھ تو صرف میرے اخراجات کے مطابق بلکہ کم ہیں۔ اسی لئے علامہ برق کا فتویٰ ہے کہ زکوٰۃ کا کوئی خاص وقت معین نہیں۔ (دوا سلام صفحہ ۱۲)

بتلائیے کتنے سے چھٹ گئے؟ کہ پیسہ بھی نہ دینا پڑا اور پھر بھی سے ”زند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی“ یہ ہے برق کی ”برقیات“ کا لب لباب ہے نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری قندہ بازی کو بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے قندہ گر پہلے!

آیت ہذا کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ تفصیلات کو مختصر کر کے آیت کا صحیح مفہوم یہ رہے کہ زکوٰۃ سے اس کا تعلق نہیں ہے۔

زکوٰۃ جب فرض ہو جائے اور وقت آجائے بشرائط معلومہ ضرور بالضرور ادا کرنی ہوگی۔  
باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:

واقموا الصلوة ولا تكونوا من المشرکین۔

نماز پڑھو زکوٰۃ دو اور مشرکین سے نہ ہو۔  
آگے صدقات و خیرات کے سلسلے میں یہ حکم ہے کہ پھر جو تم سے ہو سکے فالتو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ یہ ہے آیت کا صحیح مفہوم مگر برق نے زکوٰۃ سے چھٹکارا پانے کے لئے اس آیت کو استعمال کر کے تحریف اسلام کی ایک نادر مثال قائم کی ہے۔

اگر این مکتب است وایں ملاں  
ملت تمام خواہہ شدن این شرایع  
اقوال رسول کی تعداد

مشتبہ اور موضوع عبارتیں جو ”حدیث“ کے نام پر وضع کی گئی ہیں وہ فی الواقع اس قابل ہیں کہ ان پر اور ان کے بنانے والوں پر جس قدر لعنتیں بھیجی جائیں کم ہیں مگر ہر کس و ناکس اور نا اہل حضرات کو یہ حق کبھی نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے ناقص دماغ اور اپنی کوتاہ عقل کے محض خلاف جس حدیث کو پائیں فوراً اسے موضوع کہہ کر اس سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ ”موضوعات“ کی پرکھ کے لئے بھی ائمہ فن کے اصول ہیں قواعد ہیں، اور اس فن پر بہت سی قابل قدر کتابیں ائمہ متقدمین کی آج ہمارے ہاتھوں میں موجود ہیں جن سے باسانی آج کھر اور کھوٹا پہچانا جاسکتا ہے اور پہچانا گیا اور دودھ اور پانی کو الگ الگ کر کے دکھلادیا گیا ہے۔

”موضوعات“ پر چند کتابوں کی تفصیل یہ ہے: کتاب الاباطیل ابو عبد اللہ ہمدانی متوفی ۵۴۳ھ، الموضوعات الکبریٰ ابن جوزی متوفی ۷۵۹ھ، الابی المصنوعہ للسيوطی، تذکرۃ الموضوعات شیخ محمد طاہر متوفی ۹۸۶ھ، الفوائد المجموعہ ابو عبد اللہ شامی متوفی

۹۳۲ھ، الفوائد المجموعہ الشوکانی متوفی ۱۲۵۵ھ، کتاب المغنی للحافظ ضیاء الدین موصلی  
متوفی ۶۲۳ھ۔

احادیث کے جو ذخائر آج موجود ہیں ان میں صحیح مرفوع متواتر کے ذیل میں جس  
قدر روایات ہیں وہ یقیناً اقوال وارشادات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ وہ ہیں  
جو کوئی پرکس کر، چھان پھٹک کر بالکل آخری جانچ کر کے ہم کو بطور امانت اسلام سونپے  
گئے ہیں۔

علمائے حدیث نے اس بارے میں اس قدر جستجو اور محنت کی ہے کہ ایک ایک صحابیؓ  
کی جملہ روایات کو تلاش کر کے ان کی صحیح تعداد تک کو ضبط کر دیا ہے مثلاً:

۵۳۷۳

مرویات حضرت ابو ہریرہؓ

۲۶۳۰

مرویات عبداللہ بن عمر بن خطابؓ

۲۲۸۶

مرویات انس بن مالکؓ

۲۲۱۰

مرویات حضرت عائشہ صدیقہؓ

۱۶۶۰

مرویات عبداللہ بن عباسؓ

۱۵۳۰

مرویات جابر بن عبداللہؓ

۱۱۷۰

مرویات ابوسعید خدریؓ

۸۳۸

مرویات عبداللہ بن مسعودؓ

۷۰۰

مرویات عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ

۵۳۶

مرویات حضرت علی بن ابی طالبؓ

۵۳۷

مرویات حضرت عمر بن خطابؓ

۳۰۸

مرویات اہم سلمہؓ

۳۶۰

مرویات ابو موسیٰ اشعریؓ

(تلقیخ فہو اہل الاثر از ابن جوزی صفحہ ۱۸۴)



اقوال رسول کی صحیح تعداد برقی ہی کے لفظوں میں سنئے۔ ارشاد ہوتا ہے:

در اصل اقوال رسول کی تعداد پانچ سو سات ہزار سے زائد نہیں ہوگی

(دو اسلام صفحہ ۱۲۹)

میں کہتا ہوں کہ منکرین حدیث آج ۵۰۰ ہزار ہی صحیح اقوال رسول تسلیم کر کے اپنے لئے لائحہ عمل بنالیں تو بھی اس وبائے عام کا سد باب کیا جاسکتا ہے مگر یہاں تو حالت یہ ہے کہ آج تعلیم رسول سے الگ تھلک بالکل ایک جدید اسلام یا دم بریدہ اسلام پیش کرنے کی ناپاک مہم جاری ہے۔

### قرآنی اسلام

یہاں برقی نے اپنی برقیات کی تان تلواروں کی جھنکاروں پر توڑی ہے۔ قرآن پاک بے شک ہر قسم کی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے۔ مالی قربانی، جانی قربانی، دماغی قربانی، ذہنی قربانی، وطنی قربانی، قومی قربانی، ہر قسم کی قربانی، قرآن کا مطالبہ ہے۔ مگر اس کے لئے اصول و ضوابط ہیں، قواعد ہیں، حدود ہیں، قرآن بار بار ”نوس“ دیتا ہے:

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الظَّالِمُونَ.

یہ اللہ کی حدود ہیں ان سے سرمو تجاوز کرنے والا ظالم ہو جائے گا۔ بیشک قرآنی اسلام آسان نہیں ہے۔ مگر قرآن پاک نے ہر چیز کے لئے ضوابط رکھے ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی ارشاد فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ

دین میں تمہارے لئے خواہ مخواہ کی تنگی نہیں رکھی گئی یہ تمہارے باپ حضرت ابراہیم کی ملت ہے جو عین فطرت کے مطابق ہے جس میں ہر چیز حد اعتدال میں ہے۔ جس کا ”توازن“ عین فطرت انسانی کے مطابق ہے۔ جو اس توازن کے خلاف قدم اٹھائے گا

وہ ”ملا ہو یا مسر“ وہ ”حکیم ہو یا ڈاکٹر“ یقیناً خدائی نوٹس کا مستحق ہوگا اور ظالموں میں شامل کر دیا جائے گا۔ اللہ پاک نے قرآن پاک میں جسے شیعہ ہم سے قربانیوں کا مطالبہ کیا ہے اس کا ارشاد ہے:

ام حسبکم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم و يعلم الصابرين ○ بغیر ”مجاہدہ اور صبر“ کی منازل طے کئے جنت کا خواب بھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔

اس کا یہ بھی ارشاد ہے: واستعينوا بالصبر والصلوة وانها لكبيرة الا على الخاشعين ○ الذين يظنون انهم ملاقوا ربهم و انهم اليه راجعون ○ ترجمہ:- نماز اور صبر سے طاقتیں حاصل کرو یہ وہ عمل ہیں جو ان ہی لوگوں کے لئے آسان ہونگے جن کا اللہ کی ملاقات پر ایمان ہے، بے ایمان قسم کے لوگوں کے لئے نماز اور صبر کی منازل ناقابل عبور ہیں جو نماز کو پروپیگنڈہ کا درجہ دے کر آج اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كانهم بنيان مروض ○ (قرآن کریم) جو لوگ میں نے پلائی ہوئی دیواروں کی طرح خیم کر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں صرف وہی اللہ کے محبوبا بندے ہیں۔ اس کا یہ بھی ارشاد ہے:

انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم واذا تليت آياته زادتهم ايمانا و على ربهم يتوكلون ○ الذين يقيمون الصلوة و مما رزقنهم ينفقون ○ اولئك هم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم و مغفرة و رزق كريم ○ (قرآن مجید)

مومن صرف وہی لوگ ہیں جن کے اللہ کی یاد سے دل پگھل جائیں اور خدائی احکامات کو ان کے ایمان روشن ہو جائیں اور وہ خدا پر پورا پورا بھروسہ رکھیں، جو نماز

قائم کریں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کریں۔ جو ان اوصاف کے مالک ہوں گے بے شک اللہ کے نزدیک یہی سچے پختہ ایمان والے ہیں جن کے لئے اللہ کے ہاں جنت اور مغفرت اور بہترین رزق تیار کیا گیا ہے۔

الغرض اسلام ”توازن“ کے اعتبار سے عین فطرت انسانی کے مطابق ہے، قرآن پاک کا اصول کھلے لفظوں میں یہ ہے:

”لا يكلف الله نفسا الا وسعها“

کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں بنایا گیا۔ یہ ہے اسلام کا معتدل راستہ، یہاں نہ ”ملا“ کا استثناء ہے نہ ”مسٹر“ کا۔ قرآنی قوانین کا اطلاق سب پر یکساں ہے۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جاتی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

ہزار دفعہ لعنت

”نیا اسلام“ جو بھی گھڑے وہ ملا ہو یا مسٹر حکیم ہو یا ڈاکٹر اس پر ہزار دفعہ ہی نہیں بلکہ لکھو کھا دفعہ وہ مغضوب، ملعون ناہنجار ہر قسم کی لعنت کا حقدار ہے اور اس پر بھی جو موضوعات کو موضوع جانتے ہوئے نقل کرتا ہے اور پھر ان کو ”ملا“ کے سر تھوپتا ہے اور ان کو بہانہ بنا کر صحیح مرفوع مستند احادیث کی تکذیب کرتا ہے۔ یہاں برق نے ”بہت سی موضوعات“ کو نقل کر کے اور ان پر خود ساختہ نتائج کا انبار لگا کر ہفوات باطلہ کا پل باندھ دیا ہے۔ جسے از اول تا آخر حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ہم ان جملہ ”موضوعات“ کی تفصیلات برق کے حوالہ کر دینے کے ساتھ تمام وضائیں کذاہین پر لعنت بھیجتے ہیں اور ان سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پاک حدیث کا مصداق جانتے ہیں:

من قال علی مالم اقل فليتبوا مقعده من النار

جو من گھڑت بات میرے ذمہ لگا دے اور جانتے ہوئے بھی اس سے پرہیز نہ کرے وہ زندہ دوزخی ہے۔

طریقت، شاہوں کی خوشامد، فرقہ پرستی، امتیاز رنگ و نسب، ملا در ملاج خود، مسواک، داڑھی، صدقہ، حلوہ، ضیافت، لہرغائے خضاب، حسن پرستی، حقائق خیالات وغیرہ عنوانات کے ذیل میں جس قدر موضوعات کا طومار برق نے نقل کر کے محض ملا کو موزو الزام بنایا ہے ان سب کے جواب میں ہم صرف ایک قرآنی آیت پر اکتفا کرتے ہیں:

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالْصِّدْقِ إِذْ جَاءَهُ الْبَيِّنَاتُ فَمِنْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ (قرآن مقدس)

اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر جس سے بڑے ظالم دوسم کے انسان ہیں: ایک وہ جو اللہ پر جھوٹ باندھیں کہ اپنی طرف سے ایک نیا دین، نئی شریعت، نیا مذہب ایجاد کر کے اس کو اللہ کے سر تھوپیں۔

دوسرے وہ جو بچی باتوں کی تکذیب کریں۔ سچ کو جھوٹ میں آمیزش کرنے کی ناپاک سعی کریں۔ یقیناً ان ہر دوسم کے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

ہاں جناب! اللہ تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ کہ فرماتا ہے:

جس قدر موضوعات، آپ نے نقل کی ہیں آپ اس حقیقت کو کیوں نہیں تسلیم کر لیتے کہ یہ سب ”برقی طبعیوت“ ہی کے ناپاک کارنامے ہیں جنہوں نے اسلام کی کاٹ چھانٹ کا ناپاک عمل عرصہ سے شروع کیا ہوا ہے۔ یہ ”ابن الوقت“ قسم کے مسٹر لوگ جیسا موقع دیکھتے رہے دین میں کاٹ چھانٹ کرتے رہے حتیٰ کہ ان کو احادیث کے نام پر موضوعات گھڑنے سے بھی لجاجت نہیں ہوا اور آج یہ ”ابن الوقت“ قسم کے لوگ مغربی ملاحظہ کے جواز سے پیدہ ہو کر آئے اور دنیا و آخرت کا ناما جمل طرف ”مغربیت“ ہی کو سمجھ کر لگے اسلام کو ”مغربیات“ میں ڈھالنے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ،

قربانی تک پر ہاتھ صاف کرنے۔  
 برق صاحب؟ برانہ ماننے گا۔ تصویر کو حقیقی رنگ میں دیکھنے کے لئے ذرا گریبان  
 میں منہ ڈال کر دیکھئے گا۔ قرآن پاک میں ہے:  
 بل الانسان على نفسه بصيرة ۝ ولو القى معاذيرہ ۝

### شباباش صد شتاباش

”ملا“ کو جس نے ان برقی قسم کی طبیعتوں کے دجل کا بھانڈا اچھوڑ دیا۔ اور ان کے  
 مکرو فریب و کذب کا تار و پور بکھیر کر رکھ دیا اور ان کی ہر خود ساختہ غلط بات کو کبھی کی  
 طرح بالکل الگ نکال کر پھینک دیا۔ اور بتلادیا کہ یہ عربی عبارات جن کو حدیث کے  
 پاک نام پر گھڑا گیا ہے یہ سب ”برقی طبیعتوں“ کے ”ملغونی کارنامے“ ہیں کوئی صحیح  
 الدماغ ”ملا“ ہرگز ایسا اقدام نہیں کر سکتا تھا کہ ایسی حدیث گھڑ سکے۔ مثلاً۔

شرار امتی یا کلون الحنطة :- گندم خور میری امت کے بدترین لوگ

ہیں۔ مداد العلماء افضل من دم الشهداء :- علماء کے سیاہی شہید کے

خون سے افضل ہے۔ اعتبروا عقل الرجل بطول لحيته :- داڑھی کو

ناپ کر لوگوں کی عقل کا اندازہ کر لیا کرو۔ یہ تمام ”موضوع احادیث“ غلط قسم

کے آزاد منش ذہن و طباع، ناپاک ناہنجار کلرک و مسٹر قسم کے بابو لوگوں کے

کارنامے ہیں۔ لیکن ”ملا“ نے ان مسٹر لوگوں کا یہ دجل بھی نہیں چلنے دیا کہ اپنی

تصانیف میں ان توہمات و موضوعات کا پردہ چاک کر گئے۔ پس آج بھی

بفضلہ تعالیٰ اس قسم کے ”دجل ذہن“ رکھنے والوں کا دجل و مکرو فریب جہاں

منثورا بکر رہ جانے والا ہے۔ یقیناً باری تعالیٰ کا قانون یہ ہے۔ فقطع دابر

القوم الذين ظلموا۔ الایۃ یعنی ظالموں کی پچھاڑی کاٹ دی جاتی ہے ان

کی نسلیں ختم ہو جاتی ہیں۔

## واعجا کہ در مدح ملا برقی گوید؟

(۱) بحمد اللہ کہ اسلام میں کچھ محققین بھی ہو گزرے تھے۔ جنہوں نے ایسے تمام واقعات پر سخت تنقید کی ہے۔ فجزاءہم اللہ احسن الجزاء (دو اسلام ص ۹۰)

(۲) ائمہ حدیث میں ایسے بزرگ بھی پائے جاتے ہیں۔ جن پر ملت اسلامیہ کو ہمیشہ ناز رہا ہے ان کا علمی مقام اتنا بلند اور ان کے ثقافتی کارنامے اتنے عظیم ہیں کہ ہمیں ان پر تنقید کی جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔ (دو اسلام ص ۹۳)

(۳) ایک مورخ تدوین تاریخ میں اس قدر خلوص اور محنت سے کام نہیں لے سکتا کہ جتنا انام بخاری لے لیا۔ (۱۷۷۲)

(۴) ہزار ہا احادیث ہمارے پاس موجود ہیں جو نہ صرف تعلیمات قرآن کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ (دو اسلام ص ۳۴۲)

برق صاحب؟ یہی حقائق جوابات ہیں ”ان ہفوات“ کے جن کو آپ نے اس باب کے ۱۵، ۲۰، صفحات پر لکھ کر خواہ مخواہ اپنا نامہ اعمال سیاہ کیا ہے سنتے ہیں آپ۔

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری سے

ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سے

## ساتواں باب

### موطاء پہ ایک نظر

موطاء شریف حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کردہ حدیث کی اولین کتاب ہے جو باتفاق علمائے اہل سنت صحیحین کے بعد دنیا میں حدیث کا صحیح ترین ذخیرہ ہے، مگر یہ گل است سعدی و در چشم دشمنان خار است“ کے مطابق برق کو حدیث دشمنی کے بخار نے اس قدر مخمور کر دیا ہے کہ حواں خمسہ تک معطل نظر آتے ہیں اور ”قوت تمیز“ تو تقریباً بالکل ہی جواب دے چکی ہے۔

آپ موطاء شریف پر یوں گوہر افشانی فرماتے ہیں ہم موطاء کی تعظیم ضرور کرتے ہیں لیکن وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ اس کے مندرجات واقعی اقوال رسول ہیں۔ (دو اسلام ص ۱۶۲)

منقولیت کے ساتھ اختلاف رائے کا حق ہر شخص کو حاصل ہے مگر نامعقولیت کے ساتھ اختلاف کرنا آپ کو صرف برق ہی کا معمول نظر آئے گا۔ ایک طرف تو آپ لکھتے ہیں کہ امام مالک کا کردار تقدس اور خلوص تمام شبہات سے وراثت تھا۔ (دو اسلام ص ۱۶۲) آپ کی موطاء کی تعظیم کا آپ کو یہاں بھی اعتراف ہے، مگر پھر ارشاد گرامی یہ ہے کہ موطاء کے مندرجات پر بھروسہ نہیں وہ سچ ہیں یا جھوٹ؟ برق صاحب ۔

دورنگی چھوڑ دے یک رنگ ہو جا ☆ سراسر موم ہو یا سنگ ہو جا  
موطاء کے لئے پہلے تو آپ علی العموم فیصلہ صادر فرما چکے ہیں کہ اس کے مندرجات قابل وثوق نہیں ہیں اب آپ صرف ”بعض روایات جو محل نظر“ ہیں ان کی فہرست پیش فرماتے ہیں:

سچ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز کے بعد وضو کرے تو اس کا وضو صحیح ہے۔

مگر اگر کوئی شخص نماز کے بعد وضو کرے تو اس کا وضو صحیح ہے۔

چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

مثلاً موطاء میں درج ہے کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد نماز پڑھنے سے پہلے

وضو ضروری ہے اور اذا قمتم الى الصلوة کی تفسیر ای من المضاجع

یعنی النوم دی ہوئی ہے، لیکن صحیح بخاری کتاب الوضوء میں حضرت عبد اللہ بن

عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث دی ہوئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

رات کو جاگے تہجد پڑھی ثم اضطجع فقام حتى نفتح ثم اتاه المتادى فقام

معه الى الصلوة فصلی و لم يتوضأ پھر بستر پر دراز ہو گئے پھر سو گئے

یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ اس کے بعد نماز کے لئے بلائے والا

آیا۔ آپ اٹھ کر اس کے ساتھ چلے گئے اور وضو کے بغیر نماز ادا کر دی۔

(دوا سلام ص ۱۶۳)

برق کے خیال میں ان دو روایتوں میں تصادم ہے۔ اس لئے موطاء کی روایت

قابل وثوق نہیں۔ حالانکہ یہاں تصادم پیدا کرنے کی کوشش کرنا ہی غلط ہے کیونکہ موطاء

کی روایت میں قرآن پاک کی آیت شریف یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الى

الصلوة الخ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے کہ نماز کے لئے وضو کرنا بہر حال شرط ہے۔

بستروں سے اٹھنے کے بعد بھی نماز کے لئے وضو لازماً کرنا ہوگا۔ بخاری شریف کی روایت

خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ جہاں بخاری شریف کی روایت ہے

وہیں آگے صاف موجود ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عینہ ولا

ینام قلبہ۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف آنکھوں پر

نیند طاری ہوتی تھی اور آپ کا دل ہمیشہ جاگتا رہتا تھا۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ بعض مواقع پر وضو کی حالت میں سوتے اور پھر



جاگنے پر بغیر وضو کی تجدید کے نماز پڑھ لیتے تھے۔ خصوصیات محمدی کا ذکر خود قرآن اقدس میں کئی جگہ موجود ہے مثلاً: وامرأة مومنة ان وهبت نفسها للنبي ان يستنكحها خالصة لك من دون المؤمنين. (سورہ الاحزاب) اگر کوئی مومنہ عورت خوشی سے آپ کو اپنا نفس بہہ کر دے اور آپ بھی اس کو اپنے نکاح میں لینے کے لئے تیار ہوں تو آپ کے لئے یہ خصوصی اجازت ہے کہ آپ بغیر مہر کے اس کو اپنے نکاح میں لے لیں اور مسلمانوں کے لئے ایسا بہہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح سے حدیث کی مذکورہ کیفیت بھی آپ کی خصوصیات سے متعلق ہے، موطاء کی روایت میں عام حکم بیان کیا گیا ہے۔ بتلائے اب کیا تصادم رہا؟

### سفید جھوٹ

تفقید موطاء کے سلسلے میں برق صاحب مزید گوہر افشانی یوں فرماتے ہیں: چند احادیث ملاحظہ ہوں:

من قبل امرأته او جسها بیده فعلیه الوضوء (موطاص ۳۳) جو شخص اپنی بیوی کو چوم لے یا صرف چھو لے اس پر وضو لازم ہو جاتا ہے۔ لیکن اسی صفحہ پر یہ حدیث بھی موجود ہے: عن عائشة ان النبی قبل بعض نسائه ثم خرج الى الصلوة ولم يتوضأ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج میں سے کسی کے بوسے لئے اور پھر وضو کئے بغیر نماز ادا فرمائی۔ حضور کا حکم وہ اور عمل یہ کس کی اقتداء کریں۔ (دوا سلام ص ۱۶۳)

یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ ”برق“ بغیر تحقیق کئے اندھا دھند سر پٹ گھوڑا دوڑائے چلے جاتے ہیں۔ قطعاً نہیں دیکھتے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ موطا سے آپ نے جو روایت بالا نقل کی ہے اس کی اصلیت موطا ہی سے معلوم کیجئے جو درج ذیل ہے:

عن سالم بن عبد الله عن ابيه عبد الله بن عمر انه كان يقول قبله

الرجل امرأته و جسدھا بئذہ من الملامسة فمن قبل امرأته أو  
حسھا بئذہ فعليه الوضوء (موطا فاروقی ص ۱۵)

یعنی عبداللہ بن عمر کہتے تھے کہ آدمی کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا یا اس کو ہاتھ سے (بارادہ  
شہوت چھونا) ”لامست“ ہی میں داخل ہے جس کا قرآن پاک کی آیت او لامستم  
النساء میں ذکر ہے پس جو ایسا کرتے اس کو وضو کرنا چاہئے۔

ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا قول ہے مگر برق اس کو  
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم بتلا رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے لکھ رہے ہیں کہ حضورؐ کا  
حکم وہ اور عمل یہ کس کی اقتدا کریں۔ برق کی ”غلط بیانیوں“ کا یہ ایک نمونہ ہے ورنہ آپ  
کی کتاب اس قسم کی بیشتر مثالوں سے پر ہے۔ شارحین حدیث لکھتے ہیں۔

هذه الاحادیث کلھنا موقوفة علی بعض الصحابة وليست فی حکم  
المرفوع مع احتمال ان يحمل ولهم علی الاستحباب للاحتياط (مرقات)۔  
یعنی یہ عبداللہ بن عمرؓ جیسی روایات سب بعض صحابہؓ کے موقوف اقوال ہیں جو حکماً  
بھی مرفوع نہیں ہیں اور ان میں استحباب اور احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے ورنہ مسئلہ کی  
اصل صورت وہی ہے جو حضرت عائشہؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ بیوی کو محض چھونے یا  
بوسہ لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

آگے برق نے مسلم شریف کی دو روایات نقل کی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ جماع  
کرنے والا اگر انزال سے پہلے ہی جدا ہو جائے یا اس کی شہوت ختم ہو جائے تو اس پر  
غسل نہیں ہے۔

ائمہ حدیث کا فیصلہ اس بارے میں سنئے اور برق کی ”برق پاشیوں“ کی داد دیجئے۔  
كانت الصحابة مختلفين في انه هل يجب الاغتسال في صورة  
الاكسال او الوضوء ثم انعقد الاجماع علی وجوب الغسل عند ذلك  
و كون هذا الحديث منسوخاً (شرح تراجم البواب بخاری شریف صفحہ ۱۹)۔

یعنی صحابہؓ میں پہلے اس بارے میں اختلاف ضرور تھا کہ عدم انزال یا اکسال کی صورت میں وضو کافی ہے یا غسل بھی کرنا ہوگا۔ بعد میں وجوب غسل پر سب کا اجماع ہو گیا اور اس کے خلاف کی جملہ روایات منسوخ ہو گئیں۔ اور حدیث اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل کو مفتی بہ قرار دیا گیا۔

مسئلہ کی اصل تصویر یہ ہے مگر تصادم پیدا کرنے کی غرض سے برق صاحب یوں کوشش فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ پر اب موطا کا فیصلہ سنئے:

عن عبد الرحمن بن عوف قال سالت عائشة ما يوجب الغسل قالت اذا جاوز الختان الختان فقد وجب الغسل. (موطا ص ۱۶)

عبد الرحمن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کس صورت میں غسل واجب ہو جاتا ہے؟ کہا جب آلہ تناسل کا سر عورت کی شرمگاہ کے ابتدائی حصے میں داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جاتا ہے۔ (دو اسلام ص ۱۶۴)

برق صاحب موطا کی اس روایت کو تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کا فتویٰ یہی ہے کہ اس حالت میں غسل واجب نہیں ہے۔ موطا کی اس روایت کو آپ اس لئے ناقابل قبول بتلاتے ہیں کہ آپ کے خیال باطل میں اس میں ”عریانیت“ پائی جاتی ہے۔ برق کے خیال میں ”ختان“ کا لفظ استعارہ اور کنایہ کے لئے نہیں بلکہ عریانیت کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور یہ حضرت عائشہؓ کی شان کے خلاف ہے۔ اس پر ہزلیات کا جو طومار برق نے باندھا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ”منہ زور“ آیت قرآن ان الله لا يستحيٰ کے ترجمہ پر ہزلیات کا طومار باندھ دے۔ ہو بہو یہی مثال برق کے ہزلیات کی ہے۔ روایت میں جو لفظ اس مقصد کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے وہ سراسر ”استعارہ“ ہے۔ ہاں برق نے ترجمہ کرتے وقت ضرور ساری ”تشریحات“ کو عریاں کر دیا ہے۔ مگر روایت کے عربی لفظ ”ختان“ کو عریانیت کہنا ”عریانیت پسندوں“ ہی کا شیوہ ہو سکتا

ہے۔ رہا یہ کہنا کہ عبد الرحمن بن عوفؓ نے یہ مسئلہ حضرت عائشہؓ سے کیوں پوچھا؟  
یہ بھی مہمل اعتراض ہے۔ شریعات میں اور پھر خاص کر ان مسائل میں جو ازدواجی  
زندگی کے ”ماحول“ کے مسائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ سے زیادہ ان مسائل کا  
جاننے والا اور کون ہو سکتا تھا۔ اس لئے اپنی آخری تفسیر کے لئے صحابہؓ ایسے امور میں  
آپؐ کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ تعجب تو یہ ہے کہ لفظ ”ختنہ“ جملہ مسلمانوں میں  
عام استعمال میں آنے والا لفظ ہے رات دن بولتے ہیں سنتے ہیں۔ روزِ حجام اور ڈاکٹر  
لوگ ختنہ کرتے ہیں۔ خود برقی کی زندگی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہوا ہوگا۔ مگر کبھی بھی  
برقی کے دماغ میں یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ میں عریانیت کا مرتکب ہو کر دشمنانِ اسلام کو  
بشنے کا موقع دے رہا ہوں یا لفظ ”ختنہ“ بول کر ”ملا“ کی ہم نوائی کر رہا ہوں کبھی ذہن  
میں یہ خیالات نہیں آئے ہوں گے۔

ہاں حدیث میں اگر لفظ ”ختان“ جو ختنے ہی کا ہم معنی ہے آپؐ کو نظر آ گیا تو لگے  
عریانیت عریانیت کرتے اور ملا کو کوسنے اور بے نقطہ بنانے۔ سچ ہے۔

چشمِ بد اندیش کہ برکنہ باد  
عیبِ نماد ہنرش در نظر

حدیثِ دشمنوں پر واضح ہو جانا چاہئے کہ وہ جن بے بنیاد خیالات پر مبنی ہیں۔ وہ  
صرف ”حدیث“ ہی کی تیج کنی نہیں کر رہے بلکہ خود قرآنِ اقدس پر بھی ان کی زد پڑنے  
والی ہے۔ برقی کو معلوم ہوگا کہ اپنے باطل خیال کی بنا پر سرسیدؒ نے ملاؒ کی ”قرآنی جنت“  
کا اپنی تفسیر میں کیا مذاق اڑایا ہے؟ حالانکہ حقیقت میں جو کچھ سرسیدؒ نے کہا ہے وہ محض  
ان کے ”خیالات“ ہیں پس منکرینِ حدیث آج اپنی بے بنیاد ہفوات سے قرآنِ مقدس  
پر بے لگام اور بد لگام زبانوں کے لئے گمراہ کن راستے کھول رہے ہیں۔ صحیح متواتر  
مرفوع متصل الانشاء احادیث کا انکار کر کے محض قرآنِ قرآن کا گیت گانا، قرآن  
دوستوں کا شیوہ نہیں بلکہ قرآنِ دشمنوں کی ایک چال ہے۔

علامہ سندھی شارح بخاری جلد ۱۰ ص ۲۳ پر لکھتے ہیں کہ لوگ کتاب اللہ کے معانی کو متعین کرنے کے لئے سنت ہی کے محتاج ہیں۔ استخراج مسائل پر ہر ایک آدمی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لئے خدا نے اپنے رسول کو یہ امر تفویض فرمایا کہ آپ قرآنی احکام و مسائل لوگوں کو سمجھائیں۔ امام مکحول فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو سمجھنا حدیث کی طرف زیادہ محتاج ہے۔ امام تکی بن کثیر فرماتے ہیں کہ سنت (حدیث) قرآن کریم کے احکام و ارشادات کی شرح بیان کرنے والی ہے۔ (مفتاح الجنب ص ۳۰) اللہ نے قرآن کریم میں اپنے نبی کو خطاب فرمایا: وانک لتھدی الی صراط مستقیم اے رسول تیزی جملہ احادیث صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرنے والی ہیں۔ امام ابن عبد البر مصنف جامع بیان العلم میں فرماتے ہیں کہ اس آیت کی رو سے حدیث کے بغیر ہدایت پانا ناممکن ہے۔ قرآن مجید نے حدیث کی حقیقت یہ بیان کی ہے مگر برق جیسے اسلام کے نادان دوست فرماتے ہیں کہ ”وقت آ گیا ہے کہ ہم احادیث کے نیچے دبے ہوئے قرآن کو پھر نکالیں“ برق صاحب؟ یہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک آپ قرآن مجید میں سے ان جملہ آیات کو نہ خارج کر دیں جن میں بتیان رسول فرمودات رسول کو عین بتیان الہی کہا گیا ہے اور اطاعت رسول لازم اور فرض قرار دی گئی ہے ان ساری آیات کو قرآن مجید سے خارج کر دیجئے۔ پھر یقیناً آپ اپنے ناپاک مقصد میں کامیاب ہو سکیں گے۔

## لیلۃ القدر کی تلاش

لیلۃ القدر کا ذکر خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ جس کی کیفیات بیان کرتے ہوئے صاف لفظوں میں بتلایا گیا ہے کہ (۱) اس میں قرآن کا نزول ہوا۔ (۲) فضائل و برکات کے لحاظ سے وہ ہزار مہینوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ (۳) اس رات میں شام ہی سے رحمت الہی کا خصوصی نزول ہوتا ہے اور صبح طلوع فجر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ (۴) اس مقدس رات میں جبریل علیہ السلام اپنے مخصوص ہمراہیوں کے جلو میں زمین پر آتے

ہیں۔ یہ جملہ تفصیلات سورہ انسا انزل لہما میں موجود ہے۔ بالکل ان ہی کی تفسیر و تشریح احادیث موطا میں ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ اس مقدس رات کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ مگر برق کہتے ہیں کہ لیلة القدر زائد قسم کے راتوں میں جاگے والے، رات بھر عبادت کرنے والے مسلمانوں کی بناوٹ ہے اور درحقیقت لیلة القدر کا ”ایسا“ کوئی وجود نہیں ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

”اگر واقعی لیلة القدر ہر رمضان میں آتی ہے تو وہ گزشتہ تین سو برس میں شب بھر جاگے والے چوکیداروں، ریلوے ملازموں، ملاخوں، ہوا بازوں اور مورچوں میں ڈٹے ہوئے فوجیوں کو کیوں نظر نہ آئی؟“ (دوا اسلام ص ۱۶۸)

برق کے نزدیک لیلة القدر کا ہر رمضان کے آخری عشرہ میں ہونا محض ”ملا“ کا افسانہ ہے۔ اس پر آپ کی دلیل یہ ہے کہ اگر لیلة القدر کا کچھ وجود ہوتا تو وہ رات بھر جاگنے والے چوکیداروں وغیرہ کو کبھی تو نظر آتی۔ جب ایسا نہ ہوا تو ثابت ہو گیا کہ لیلة القدر کا نظریہ محض ”افسانہ“ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس میں کلام نہیں کہ قرآن حکیم میں لیلة القدر کا ذکر آیا ہے لیکن وہ لیلة القدر والی حدیث لیلة القدر سے الگ چیز ہے۔ (دوا اسلام ص ۱۶۷)

برق صاحب؟ آپ کو معلوم ہوگا کہ اسرائیلیوں نے بھی کہا تھا کہ اگر خدا کا کوئی وجود ہے تو ہم کو کیوں نظر نہیں آتا؟ حضرت موسیٰ نے کلام کی کیا خصوصیت ہے؟ لن نؤمن لك حتیٰ نرى الله جھرة بغیر کھلم کھلا اپنی آنکھوں سے دیکھے ہم ہرگز خدا پر ایمان نہیں لاویں گے۔

قرآن پاک میں اسرائیلیوں کے اس اعتراض پر توجہ ہی نہیں کی گئی صرف اتنا بتلایا گیا:

”فَاخَذَتْهُمْ الصَّاعِقَةُ وَهُمْ يَنْظُرُونَ“

(ان کو عذاب الہی کی جج نے پکڑ لیا جس میں وہ دیکھتے ہی دیکھتے گرفتار ہو گئے)

ویدار الہی کے لئے ہر شخص کا حضرت موسیٰ جیسا صاحب بصیرت بن جانا ناممکن

ہے اس لئے اسرائیلیوں کا سوال حماقت پر مبنی تھا۔ ایسا ہی سوال برق صاحب لیلۃ القدر کے بارے میں کر رہے ہیں۔ مگر جو جواب اسرائیلیوں کو ملا۔ یقیناً وہی جواب منکرین لیلۃ القدر کا ہے۔ لیلۃ القدر عالم غیوبات کی ایک خاص چیز ہے آپ چاہیں کہ رات کو ہر جاگنے والا اسے پا لے ناممکن ہے۔ ۷

نہ ہر کہ سر تراشد قلندری داند

برق صاحب؟ سمندر میں ہر غوطہ خور درِ عدن نہیں پالیا کرتا۔ ڈاکٹری کے امتحان کی ہر شخص تیاری کرنے والا ”برق“ نہیں بن جایا کرتا۔ ۷

ایں سعادت بزورِ بازو نیست

تاتہ بخشد خدائے بخشندہ

رہی زاہد قسم کے لوگوں کی باتیں جن کا ثبوت صحیح احادیث میں نہیں ان کی ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوتی ہے نہ کہ حدیث پر۔

صحیح مرفوع روایات میں یہ کہیں بھی نہیں آیا کہ اس رات میں کائنات کی ہر چیز سجدے میں گر جاتی ہے۔ اور اس رات میں جو دعا مانگی جائے ضرور قبول ہی ہو جاتی ہے۔

اس رات زمین آسمان بقعہ نور بن جاتے ہیں۔

یہ سب برقی حاشیے ہیں جو محض برقی گپوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

لیلۃ القدر کے بارے میں قرآن پاک کا جو بیان ہے بالکل عین اسی کے مطابق احادیث صحیحہ رہ نمائی کرتی ہیں اور مزید جو کچھ ہے یاروں کا اضافہ اور بس۔

## قرآن میں رد و بدل

قرآن پاک میں کھلے لفظوں میں موجود ہے: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نَنْسَهَا

نَادَتْ بَخِيرَ مِنْهَا أَوْ مِثْلَهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ہم بعض دفعہ بعض آیات کو منسوخ کر دیا کرتے ہیں، بعض کو ہم اپنی مصلحت کے ماتحت بھلا بھی دیا

کرتے ہیں، پھر ہم اس سے بہتر آیات یا اس کے مثال لاتے ہیں۔ یہ سارا رد و بدل ہماری حکمت کے ماتحت ہوتا رہتا ہے اس لئے کہ ہم ہر چیز پر قادر ہیں۔ اس آیت کی روشنی میں بعض احادیث میں بعض منسوخ آیات کا ذکر ہے۔ مثلاً آیت رحم جو موطاص ۳۴۸ اور بخاری شریف میں حضرت عمرؓ کی روایت سے منقول ہے: ”الشیخ والشیخة اذا زنيا فارجموهما“ شادی شدہ مرد و عورت اگر زنا کریں تو ان کو رجم کرو۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کا برحق ہونا اسی طرح ثابت ہے جس طرح قرآن مجید و رسالت محمدیہ برحق ہیں۔ (بخاری شریف) مگر یہ آیت لفظاً منسوخ ہو گئی ہے اور اس کا حکم یعنی قانون رجم باقی ہے۔ برق کی ”برقی نگاہ“ میں یہ اگر تحریف قرآن ہے تو یہ اس کی نگاہ کا تصور ہے۔ خداوند تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ کے تحت نزول قرآن ہی کے زمانہ میں جن آیات کو چاہا ثابت رکھا۔ جن کو چاہا لفظاً یا معنایاً منسوخ کر دیا اور یہ سب کچھ صاحب وحی کے زمانے میں ہو چکا۔ بعد کے لئے اس قسم کی کوئی بھی گنجائش نہیں چھوڑی گئی۔ جن احادیث میں اس قسم کی تفصیلات ہیں۔ ان پر لب کشائی سے پہلے برق کو چاہئے کہ قرآن مجید میں سے آیت بالامان نسخ من آية الخ کو خارج کر دے۔

برق صاحب! آپ کو معلوم ہے۔ ایسی حرکتوں کے لئے قرآن مجید نے کیا سزا تجویز کی ہے؟ افتؤ منون ببعض الكتاب و تکفرون ببعض فما جزاء من يفعل ذلك منکم الا خزی فی الحیوة الدنیا و یوم القیامة یردون الی اشد العذاب وما اللہ بغافل عما تعملون ○

کیا کتاب الہی کی بعض آیات کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ یاد رکھو ایسا کرنے والوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ان کو سخت ترین عذاب کیا جائے گا۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں واللیل اذا یغشی میں والذکر والانثیٰ وارد ہوا ہے۔ قرأت سبعہ میں سے یہ بھی ایک قرأت ہے۔ پس



صحابہؓ کا بیان بھی صحیح مسلم کی حدیث بھی صحیح اور قرآن پاک کا موجود طرز قرأت۔

واللیل اذا یغشیٰ ○ والنہار اذا تجلیٰ ○ وما خلق الذکر والانثیٰ بھی صحیح ہے۔ قرآن پاک کی قرأت میں بالکل اسی قسم کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ بتائیے کوئی صحیح الدماغ انسان اسے قرآنی تحریف سے تعبیر کر سکتا ہے؟ مگر برق اپنے دماغی فتور سے مجبور ہیں اور اسے بھی آپ تحریف قرآن سے تعبیر کرتے ہیں۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت پر یہ بد اذانہ دے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت کی رو سے پوری آیات یوں ہیں: واللیل اذا

یغشیٰ ○ والنہار اذا تجلیٰ ○ والذکر والانثیٰ ○ (دیکھو ابن کثیر جلد دوم ص ۲۳۷)

مگر برق کی افترابازی ملاحظہ ہو کہ آپ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی طرف اس قرأت کو یوں منسوب کرتے ہیں: واللیل اذا یغشیٰ والذکر والانثیٰ۔

(دو اسلام ص ۱۷۰)

حالانکہ عبداللہ بن مسعودؓ کی قرأت میں جمہور سے صرف وما خلق الذکر

والانثیٰ میں اختلاف ہے کہ وہ ”ما خلق“ کو چھوڑ کر صرف والذکر والانثیٰ پڑھتے تھے نہ کہ آیت کریمہ والنہار اذا تجلیٰ کو بھی حذف کرتے تھے۔ حاشا وکلام۔

برق کی جرأت کی داد دینی چاہئے کہ قرآن مجید تک میں کمی و بیشی سے پرہیز

نہیں ہے۔ نہ اس بات کا خیال ہے کہ جو کچھ میں ایک صحابیؓ رسولؐ کی طرف منسوب کر رہا ہوں اس کی پوری حقیقت کیا ہے؟ تفصیلات سے قطع نظر کسی مجمل روایت کو لے اڑنا کھلی ہوئی بددیانتی ہے۔

یہ ہے ان لوگوں کی کج روی کا حال جو قرآن اقدس کے علمبردار اپنے آپ کو

بتلاتے ہیں اور صرف قرآن، محض قرآن، خالص قرآن کے دلفریب نعرے لگا کر عوام

الناس کو بتلائے فریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ سچ ہے

چہ دلا اور است دزدے کہ بکف چراغ دارند  
 اسی طرح سے شہدائے بڑ معونہ کے بارے میں اللہ نے اپنے رسول کو مظلوم  
 شہیدوں کی طرف سے ان لفظوں میں اطلاع دی: **رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ اَعْلَمُ**  
**بَلَّغُوا عَنَّا قَوْمَنَا اِنَّا قَدْ لَقِينَا رَبَّنَا فِرَضِي عَنَّا وَاِزْضَانَا** (بخاری ص ۵۸۶)  
 ہماری قوم کو ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ بے شک ہم اپنے رب سے آملے اور مولا ہم  
 سے راضی ہو گیا اور اس نے ہم کو راضی کر دیا۔

ان لفظوں کا نزول بطور ”آیت قرآن“ ہوا۔ ان ہی کے بارے میں حضرت  
 انسؓ کا بیان ہے: **فَقَرَأْنَا فِيهِمْ قُرْآنًا ثُمَّ اِنْ ذَلِكْ رَفَعَ**۔

ہم نے شہدائے بڑ معونہ کے بارے میں مذکورہ بالا لفظوں کو بطور قرأت قرآن  
 تلاوت کیا۔ مگر بعد میں آیت قرآن ”**مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ اَوْ نُنسِهَا**“ کے تحت یہ الفاظ  
 منسوخ تلاوت ہو گئے۔ اس کی مثال ”تشہد“ ہے۔ جس میں السلام علیک ایہا  
 النبیؐ وارد ہوا ہے۔ یہ کلام الہی اور وحی آسمانی ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر  
 قرآن مجید کی طرح کلام الہی نازل ہوا اور آپ نے اسے قرآن مجید کی طرح اپنے  
 صحابہ کرام کو سکھایا اور پڑھایا تھا۔ جیسا کہ عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ ”**كَمَا يَعْلَمُنَا**  
**السُّورَةُ مِنَ الْقُرْآنِ**۔ یعنی یہ تشہد ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی  
 طرح سکھایا اور پڑھایا ہوا ہے۔ نیز صحیح مسلم ص ۷۴، سنن ابوداؤد ص ۱۴۰، سنن ترمذی  
 ص ۴۶، سنن نسائی ص ۱۸۸، سنن ابن ماجہ ص ۶۵، سنن دارقطنی ص ۱۳۳، کتاب الام  
 للشافعی ص ۱۰۱، مسند احمد ص ۸، سنن کبریٰ للبخاری ص ۱۴۰، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۹۹،  
 معانی الآثار لطحاوی ص ۱۵۵، وغیرہ وغیرہ کتب حدیث میں حضرت عبید اللہ بن عباسؓ

وغیرہ سے مروی ہے کہ: **كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْلَمُنَا الشَّهَادَةَ**  
**كَمَا يَعْلَمُنَا السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ**۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قرآن مجید کی  
 طرح تشہد سکھایا اور پڑھایا بلکہ واؤ اور الف تک کی غلطی بھی درست کرائی تھی۔ جیسا کہ

مسند بزار وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔  
 الغرض تشہد کا کلام الہی ووحی آسمانی ہونا ”صحیح احادیث“ سے ثابت ہے مگر قرآن  
 مجید کی طرح اس کی تلاوت نہیں کی جاتی بلکہ اس کو صرف نماز ہی میں پڑھا جاتا ہے۔  
 منسوخ شدہ آیات کیلئے وجہ تنسیخ کا جواب خود باری تعالیٰ نے یوں دیا ہے:

الم تعلم ان الله على كل شيء قدير ○

اللہ پاک اپنی رضا اور امر کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے لا یسئل عما یفعل  
 وہم یسئلون ○ یعنی کسی کو یہ حق نہیں کہ اس کے کاموں کی گرفت کرے۔

برق کا یہ کہنا کہ ”اس آیت میں کیا خاص بات تھی کہ پہلے اتری اور پھر منسوخ  
 کر دی گئی“ (دو اسلام ص ۱۷۱) محض ایک ہرزہ سرائی ہے۔ برق ڈاکٹری کی پریکٹس  
 کرتے وقت نسخے ادل بدل کر اپنے مریضوں کو دیتے ہوں گے۔ اگر کوئی مریض آپ  
 سے پوچھ بیٹھے کہ ڈاکٹر صاحب! یہ کیا بات ہے کہ آپ صبح کچھ دوا دیتے ہو۔ دوپہر کو کچھ  
 اور شام کو کچھ اور؟ تو پھر دیکھئے کہ ڈاکٹر برق کا دماغ کس قدر کھول اٹھے گا۔ مگر قرآن  
 پاک کے بارے میں مسٹر برق کو اس قدر آزادی حاصل ہے کہ پوچھتے ہیں کہ فلاں  
 آیت کو کیوں منسوخ کر دیا گیا اور فلاں آیت کا نزول کیوں ہو گیا؟ مزید تعجب یہ کہ یہ  
 قرآن دشمن آزادی برق کو ایسے ملک میں حاصل ہے، جس کو سرایا مسلمانوں کا ملک یعنی  
 پاکستان کہا جاتا ہے۔ سچ ہے۔

چون کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

### ایک اور تحریف

برق نے یہاں مسلم شریف اور بخاری شریف کے حوالے سے جو لفظ نقل کئے ہیں  
 ”بلغو قومنا ان قد لقینا“ ان میں بھی تحریف کی گئی ہے ان قد لقینا کے لفظ آپ کو  
 نہ بخاری میں ملیں گے نہ مسلم میں بلکہ صحیح عبارت ”انا قد لقینا“ ہے اور ظاہر ہے کہ کلام

عرب میں ان اور انامیں آسمان زمین کا فرق ہے۔ گرا برق کو ان باتوں سے غرض نہیں، آپ کو تو اناسیدھا اعتراض جڑنا ہے اور وہ درست ہو یا نادرست؟ پھر تعجب یہ کہ کس ڈھٹائی سے ”حدیث دشمنی“ میں اندھے ہو کر اپنی ایسی حرکات کو اپنے لئے بالکل حلال جائز جانتے ہیں۔ برق ہی اس تبادلے میں آئیکیل نہیں ہیں بلکہ جملہ میٹرک فیل کلرک دشمنان حدیث کا یہ حال ہے جن کی جہالتوں سے آج قرآن و مقصد بھی ٹالانے اور ان سے یوں خطاب کر رہا ہے۔

ہوئے تم دوسرے جسٹس کے اس کا دشمن آسمان کیوں ہو؟

یہی حال آیت شریفہ: **حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ** کا ہے۔ یہاں **والصلوة الوسطیٰ** کی جگہ ”والصلوة البصر“ کا جملہ نازل شدہ تھا جس کو عرصہ تک تلاوت بھی کیا جاتا رہا۔ مگر بعد میں یہ جملہ منسوخ ہو گیا اور آیت شریفہ یوں تلاوت کی گئی۔ ”حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ“ یہ جملہ کیوں منسوخ ہوا؟ دوسرا جملہ کیوں نازل ہوا؟ ایسی کیا ضرورت پیش آئی؟ یہ سوالات ایسے ہیں جن کو یوں بھی بدلا جاسکتا ہے کہ فلاں ڈاکٹر صاحب کے ابا کیوں مرنے لے؟ ان سوالات کا جو جواب ہوگا وہی جواب آپ برق صاحب کے پیش کردہ سوالات کا سمجھ لیجئے۔

اب برق صاحب یوں کہتے کہ خدا نے قرآن میں **مَنْ مَّنَعَ مِنْ آيَةٍ** یعنی ہم بعض آیتوں کو منسوخ بھی کر دیا کرتے ہیں کیوں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ **لَا يَسْتَلِ عَمَّا يَفْعَلُ** (خدا سے اس کے کاموں کے بارے میں پوچھا نہیں جاسکتا) **يَحْكُمُ مَا يُشَاءُ وَيَفْعَلُ مَا يُرِيدُ** اللہ جو چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے اور جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔ یہ اصول قرآن نے کیوں مقرر کیا؟

عجب نہیں کہ آئندہ ”تین اسلام“ کی تخلیق اسکے وقت آپ کی ہرزہ سرائی یہاں تک بھی پہنچ جائے کہ

ابتداء ”فسق“ ہے روتا ہے کیا ☆ آگے آگے لکھا ہوتا ہے کیا؟

نہ صرف گوشت بلکہ ہر حلال چیز کے بارے میں یہ ہے کہ اس کی حد سے زیادہ کثرت انسانی صحت کے لئے مضر ہے۔ یہی حضرت عمرؓ کا نظریہ ہے جو موطاء میں نقل کیا گیا ہے:

ایاکم واللحم فان له ضراوة کفراوة الخمر۔

یعنی گوشت خوری کو عادت ہی نہ بنالو۔ ورنہ شراب کی طرح یہ بھی طبیعت کا ایک جز بن جائے گی۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں: ای اجتنبوا الاکثار من اكله۔ یعنی بطور عادت کے اس کی کثرت سے بچو۔ دوسری روایت میں ہے: ان عمر بن الخطاب ادرک جابر بن عبد الله و معه حمال لحم فقال ما هذا فقال يا امیر المؤمنین قومنا الى اللحم فاشتریت بدرهم لحمًا فقال عمر اما یرید احدکم ان یطوی بطنه عن جاره و ابن عمه این تذهب عنکم هذه الایة اذ هبتم طیبا تکم فی حیاتکم الدنیا و استمتعتم بها۔ (زرقانی جزء ۴ ص ۱۳۷) یعنی حضرت عمرؓ نے حضرت جابرؓ کو دیکھا کہ گوشت اٹھوائے چلے آ رہے ہیں۔ امیر المؤمنینؓ کے پوچھنے پر انہوں نے اپنی گوشت خوری کی خواہش کا بیان کیا۔ حضرت امیر المؤمنینؓ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کو بجائے اپنی تکمیل خواہشات کے اپنے پڑوسیوں کا اور قریبداروں کا بھی خیال ہونا چاہئے اور اس آیت کو نہ بھلانا چاہئے جس میں ذکر ہے کہ قیامت کے دن کہا جائے گا تم دنیا میں مزے اڑا چکے ہو۔ اٹو۔ برق کو حضرت عمرؓ کی یہ نصیحت نہیں بھائی اور اس پر محض غلط حواشی چڑھا کر لگے برق پاشی کرنے اور موطا شریف جیسی بلند پایہ حدیث کی کتاب کی تکذیب کرنے اور اپنی معقول پسندی کی ڈینگیں مارنے۔

برق صاحب؟ بے شک حلال جانوروں کا گوشت اللہ کی نعمت ہے جس میں غذائیت کا کافی حصہ ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ کوئی انسان دیگر اجناس و اغذیہ سے بے نیاز ہو کر ساری زندگی صرف گوشت ہی پر گزار دے اور صبح، دوپہر، شام کو



مکتب خیال کے لحاظ سے اہل سنت و الجماعت کی جتنی  
شخصیات ہیں اس امر میں سب ہی کا اتفاق ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام میں صحیح ترین  
”ذخیرہ اسلامیات“ صرف صحیح بخاری شریف ہے۔ اس کتاب میں حضرت امام  
المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی کاوش اور جستجو کے بعد صحیح اور مستند  
ارشادات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و آثار اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا ہے۔

## صحیح بخاری پہ ایک نظر

قدرت خداوندی نے آپ کی اس مبارک کوشش کو اس قدر درجہ قبولیت عطا فرمایا کہ  
وقت تالیف سے آج تک امت کے لاکھوں افراد اس کو بصد شوق پڑھتے، حفظ کرتے  
اور کروڑہا بنظر عقیدت و احترام دیکھتے رہے ہیں۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ کی حیات  
مقدسہ ہی میں امت اسلامیہ میں اس مقدس کتاب کو اس قدر قبولیت عامہ حاصل ہوئی  
کہ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے جن لوگوں نے براہ راست بخاری شریف کو سماعاً و  
قراءۃً حاصل کیا ان کی تعداد نوے ہزار کے قریب ہے۔

## آوازہ خلق کو نقارہ خدا کہتے ہیں

محدثین کے گروہ میں حضرت امام بخاریؒ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے صحیح اور مستند  
روایات نبویؐ کے جمع کرنے کا التزام بڑے اہتمام کے ساتھ کیا اور اس مہتمم بالشان  
خدمت اسلام کے لئے اپنی زندگی دولت عافیت قربان کر دی۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ دنیائے  
اسلام میں آپ امام المحدثین امیر المؤمنین فی الحدیث کے لقب سے مشہور ہوئے اور

آپ انہی پر ولایت کا جو نام الکلای میں فرماتے ہیں: ہن انظر بنظر الانصاف و  
 غایہ فی بحران الفقہ والایادیوں متجددین عن الاعتیاب وعلیم احکام یقیناً ان  
 ہا کثر المسائل الفیرعیۃ والاحتیاطیۃ الی اختلاف العلماء فیہا فہذا مہذب  
 الیوم جدیدین فیہا اقوال من اہل اہلب غیرہم وانی کہلما لیس فی اشعب  
 بالاختلاف اجد قول المجدلین فیہ قریناً من الانصاف واللہ درہم وعلیہ  
 شکرم یکف لا وہم وولولہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حقاً وایوب اللہ نعمہ  
 صدقاً حشرنا اللہ فی زمرتہم واما تنا علی حبہم ورسولہم فہم لہم حق وایوب اللہ  
 بنظر انصاف دیکھا اور فقہ اصول کے دریا میں غوطہ لگایا ہے اگر اس میں کجروی نہیں  
 ہے تو وہ یقین سے جان لے گا کہ کثرت ایسے مسائل فرعیہ و اصولیہ جن میں علماء مختلف  
 رہے ہیں یہ محدثین کا مذہب ان میں اور ان کے مذاہب خطبے قویٰ ہے اور یہ ہیں  
 جہاں تک اختلافی باتوں کو دیکھتا ہوں محدثین نے ہی کا قول اس میں ٹھیک پایا ہوں کہ اللہ  
 ہی کے واسطے ہے غریبی ان کی اور اسی کے ذمہ ہے جزا ان کی کیونکہ انہوں نے یہی لوگ  
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث اور شریعت محمدی کے سچے نواب ہیں یہ اللہ  
 میرا حشر ان کے زمرہ میں کرے اور مجھ کو ان کی محبت و ہریت پر دنیا بے اٹھائے کہ ان۔  
 سدا بالامام ابن خزمہ فرماتے ہیں کہ: امام بخاریؒ اسے چھ کر احادیث رسول اللہ کا عالم  
 بیان کے نیچے کوئی نہیں ہے۔ ابو عمر و تھانی کہتے ہیں کہ جو شخص امام بخاریؒ کی شان  
 میں توہین کرے گا اس پر میری طرف سے ہزاروں لعنتیں ہیں۔  
 عبد اللہ بن حماد اہلی کہتے ہیں میری یہی تمنا تھی کہ میں امام بخاریؒ کے جسم کا ایک  
 بال ہوتا اور جو شرف اس بال کو حاصل ہے وہ مجھے حاصل ہوتا۔  
 وفتنا علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: امام بخاریؒ حدیثوں کے رکھنے والے اہل بصیرت و  
 اہل شہرت ہیں، امام ہیں، اہل اسلام کے لئے حجت ہیں، علمائے ثقاہت نے ان کی فضیلت  
 امام بخاریؒ کو غیر ہر حدیث پر انکشاف و الحافہ سے ان کی اہل انوار اللہ





لائے، ان کی شہرت کا غلبہ جامع صحیح کے نام سے ان کی ایک کتاب حدیث نے بلند کر دیا۔ انتخاب حدیث میں انہوں نے انتہائی تنقیدی قابلیت کا ثبوت دیا ہے اور روایت متن میں انہوں نے احتیاط کی حد کر دی، اس کے ساتھ وہ جا بجا اپنی توضیح اور تشریح بھی نفس حدیث سے بالکل الگ پیش کرتے جاتے ہیں۔ صحیح بخاری کی روایتوں کی نقل میں بڑی صحت و اسناد کا اہتمام شروع ہی سے رہا ہے۔ صحیح بخاری کا ترجمہ مع حواشی کے فرنیچ زبان میں موجود ہے۔

پہلی پوز ڈکشنری آف اسلام ص ۲۴ میں ہے:

امام بخاریؒ اس طبقہ کے اولین شخص ہوئے ہیں جنہوں نے حدیثوں کے مجموعہ کو خوب جانچا اور پرکھا ہے۔ یہ تنقیدی طریقہ بہت مفید ثابت ہوا۔ اور بخاریؒ کی صحیح کا استناد اس وقت سے آج تک مسلم رہا ہے۔ حدیثوں کے کچھ مجموعے تو بخاریؒ سے قبل بھی تیار ہو گئے تھے لیکن راویوں پر جرح و تنقید اور اسناد کی تحقیق ان کے زمانہ سے چلی۔ بخاریؒ کے ابواب (پیرا گراف) تراجم (پیرا گرافوں کے عنوانات) سے ظاہر ہے کہ وہ فقہ کی مکمل کتاب تیار کر رہے تھے۔ ان کی صحیح کی ترتیب، عین ترتیب منطقی کے مطابق اور مناسب ہے۔ یہ حیثیت مجموعی ان کی کتاب ابتدائی اسلام اور عربی تمدن کے مطالعہ کے لئے ایک اہم ترین ماخذ ہے۔ خود بخاریؒ کی یہ صحیح عموماً بڑی احتیاط سے نقل ہوئی ہے، ان کی احتیاط اور نقل حدیث صحیح میں شدت اہتمام کا اندازہ ابن روایت سے ہو سکتا ہے کہ یہ ہر حدیث کے نقل کرنے سے قبل حق تعالیٰ کے حضور میں سجدہ شکر ادا کر لیتے تھے۔ بخاری شریف وہ مقدس ترین کتاب ہے کہ جب یونانیوں نے ترکی پر حملہ کیا۔ مصطفیٰ کمال پاشا مرحوم نے محاصرہ میں سے بحالت پریشانی شیخ سنوی کو تار دیا کہ بخاری شریف کا ختم کیا جاوے۔ چنانچہ مصطفیٰ کمالؒ کے حکم کی تعمیل کی گئی اور ختم پورا ہونے سے پہلے ہی ترک فوج یاب ہو گئے۔

(ضرورت حدیث ص ۱۱۲ بحوالہ برہان اپریل ۲۸ء)

نہایت ہی عجیب ہے۔ یہ کتاب (۱) اور (۲) کے ساتھ ساتھ (۳) اور (۴) کے ساتھ  
 قدیر، پوزر گر ہند اند۔ قدر جو ہر جو ہری الہامیہ اور ایسی ہے۔  
 قدر گل بلبل بداند۔ قدر عمر عنری

اب اس مختصر سی کیفیت کے بعد جبکہ قرآن اقدس جیسے پاکیزہ صحیفہ کی طاغوتی ذہینتوں  
 نے مخالفت کی تو یہ ناممکن تھا کہ صحیح بخاری شریف جیسی مقدس حدیث کی مستند کتاب ان  
 ذہینتوں کا ہدف ”نشانہ“ بننے سے بچ جاتی۔ اسی طاغوتی ذہینت کا اثر ہے کہ آج کل کے  
 کچھ میٹرک فیل کلرک و باواہر اس عظیم الشان اسلامی کتاب کو ”الغویث“ سے تعبیر کر رہے  
 ہیں۔ جیسا کہ مسٹر غلام احمد پرویز کے رسالہ طلوع اسلام بابت جون ۱۹۵۷ء میں موجود  
 ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق کو بھی ایک ایسی ہی ذہینت ملنے کا شرف حاصل ہے اور آپ  
 نے بھی بخاری شریف پر تنقید کے لئے قلم ہاتھ میں لیا ہے۔ پہلے آپ حضرت امام بخاریؒ  
 کی عظمت شان کا اعتراف ان لفظوں میں فرماتے ہیں: ”یقیناً یہ وہی وہی ہے جو  
 اس میں کلام نہیں کہ امام بخاری متوفی ۲۵۵ھ اپنے صحیح حدیثوں کی تلاش میں  
 اپنے لیے سفر کئے، ہر حدیث کو پرکھنے کے لئے تمام انوکھی وسائل اختیار  
 فرمائے، استخراج سے کئے کیے میں جا کر دعائیں مانگیں کہ اے اللہ مجھے غلط و صحیح  
 میں امتیاز کی توفیق عطا فرما، راویوں کو کھوج لگایا، ہر قابل ذکر حدیث سے مشورہ  
 کیا اور سب اہل سال کی مسلسل جستجو و کا پو کے بعد اپنا مجموعہ تیار کیا۔“

اس بیان کے بعد چاہئے تھا کہ آپ جھوٹ منہ اور بڑی بات کا ارتکاب کرتے  
 ہوئے صحیح بخاری پر تنقید سے پہلے ”ایمان و قدر و خورش نشانہ“ کے ماتحت سوچ سمجھ سے کام  
 لیتے، مگر آپ اتنے بے تحاشا و پل بخاریات نکالنے کے لئے بخاری شریف پر بزدلانہ حملے  
 شروع کر دئے۔ چنانچہ آپ کے حملے اس ترنیم سے شروع ہوئے ہیں: ”اس کتاب  
 (۱) اس مجموعہ میں چند ایسی احادیث ہیں جو یا تو (۲) تعلیم قرآن کے لئے نکلے گی“



چاہیں تو لہجہ بزم اللہ پر انکے مستقل تفسیر خواہ قلم کر کے لکھیں گے اس لئے جو کلام آپ کی شان اقدس میں اور مٹا گستاخی نہ کیا ہوگی کہ آپ کے ارشاد میں غالیہ سے بغاوت کا علم بلند کیا جاتے اور آپ کے ذمہ سواہ حسنہ کو ناقابل تسلیم بتلائے گئے۔ ”دوا اسلام“ کا جیسی حدیث دشمن کتابوں کی تخلیق کی جائے۔ برق کو اپنی یہ ساری گستاخیاں لاجل انظر آتی ہیں اور امام بخاری جیسے فیائے رسول آپ کو گستاخ رسالت دکھائی دیتے ہیں۔ سچا ہے کہ بھیکے آدمی کو ہر شخص بھیک کا ہی نظر آتا ہے۔ لہذا تلامذہ اہل حق و باطل علیٰ یقین المرء یقیس علیٰ نفسه یہ آپ کی آج ساری

کیا حدیث کی حیثیت محض تاریخ کی ہے؟  
حدیث کی حیثیت گھٹانے کے لئے مکررین حدیث نے یہ بھی کہو اس کی ہے کہ حدیث کی حیثیت صرف تاریخ کی ہے۔ دین سے اس کا محض تاریخی تعلق ہے یہ جزو دین نہیں ہے۔ چنانچہ برق صاحب بھی فرماتے ہیں: آپ کا بیان یوں چلتا ہے: ”احادیث کی حیثیت محض تاریخ کی ہے۔ تاریخ میں غلط باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور سچ بھی۔“ (دوا اسلام ص ۱۷۶)

نتیجہ ظاہر ہے کہ حدیث جزو دین نہیں ہے اس کا ماننا نہ ماننا محض ہماری مرضی پر موقوف ہے۔

حدیث رسول کو محض ”تاریخ“ کے درجے میں رکھنا آجکل کے دشمنان حدیث کا ایک گمراہ کن رویہ بگنڈہ ہے جو کئی وجوہ سے باطل ہے۔ جن کی مختصر تفصیل یہ ہے:

(۱) حدیث کی حیثیت عام تاریخ سے بالاتر ہے، اس لئے بھی کہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی، شرعی اقوال و افعال کا نام ہے اور بحیثیت ”سواہ رسول“ جزو دین ہے اور اس لئے بھی کہ حدیث جرح و تعدیل کے قوانین پر مبنی ہے اور یہ قوانین وہ ہیں جو کہ تیرا ہر قرآن مجید سے باخوف ہیں۔ تاریخ میں یہ امور شریعت نہیں۔ یہ محض مادیات

(۴) حدیث کی بنیاد علم الرجال پر ہے جو خالص اہل حدیث کا ایجاد کردہ علم ہے۔ اس علم کی نسبت جتنی ان کی تحقیقات کامل ہوئی ہیں ویسی کسی کی بھی نہیں ہوئی۔ حقیقت میں علم الرجال علم الحدیث اور علم سیر کا معیار ہے۔ بقول ڈاکٹر امیر فکر کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔

(مقدمہ سیرۃ النبی جلد ۱) ۵۱۵ء ۵۱۶ء ۵۱۷ء ۵۱۸ء ۵۱۹ء ۵۲۰ء ۵۲۱ء ۵۲۲ء ۵۲۳ء ۵۲۴ء ۵۲۵ء ۵۲۶ء ۵۲۷ء ۵۲۸ء ۵۲۹ء ۵۳۰ء ۵۳۱ء ۵۳۲ء ۵۳۳ء ۵۳۴ء ۵۳۵ء ۵۳۶ء ۵۳۷ء ۵۳۸ء ۵۳۹ء ۵۴۰ء ۵۴۱ء ۵۴۲ء ۵۴۳ء ۵۴۴ء ۵۴۵ء ۵۴۶ء ۵۴۷ء ۵۴۸ء ۵۴۹ء ۵۵۰ء ۵۵۱ء ۵۵۲ء ۵۵۳ء ۵۵۴ء ۵۵۵ء ۵۵۶ء ۵۵۷ء ۵۵۸ء ۵۵۹ء ۵۶۰ء ۵۶۱ء ۵۶۲ء ۵۶۳ء ۵۶۴ء ۵۶۵ء ۵۶۶ء ۵۶۷ء ۵۶۸ء ۵۶۹ء ۵۷۰ء ۵۷۱ء ۵۷۲ء ۵۷۳ء ۵۷۴ء ۵۷۵ء ۵۷۶ء ۵۷۷ء ۵۷۸ء ۵۷۹ء ۵۸۰ء ۵۸۱ء ۵۸۲ء ۵۸۳ء ۵۸۴ء ۵۸۵ء ۵۸۶ء ۵۸۷ء ۵۸۸ء ۵۸۹ء ۵۹۰ء ۵۹۱ء ۵۹۲ء ۵۹۳ء ۵۹۴ء ۵۹۵ء ۵۹۶ء ۵۹۷ء ۵۹۸ء ۵۹۹ء ۶۰۰ء ۶۰۱ء ۶۰۲ء ۶۰۳ء ۶۰۴ء ۶۰۵ء ۶۰۶ء ۶۰۷ء ۶۰۸ء ۶۰۹ء ۶۱۰ء ۶۱۱ء ۶۱۲ء ۶۱۳ء ۶۱۴ء ۶۱۵ء ۶۱۶ء ۶۱۷ء ۶۱۸ء ۶۱۹ء ۶۲۰ء ۶۲۱ء ۶۲۲ء ۶۲۳ء ۶۲۴ء ۶۲۵ء ۶۲۶ء ۶۲۷ء ۶۲۸ء ۶۲۹ء ۶۳۰ء ۶۳۱ء ۶۳۲ء ۶۳۳ء ۶۳۴ء ۶۳۵ء ۶۳۶ء ۶۳۷ء ۶۳۸ء ۶۳۹ء ۶۴۰ء ۶۴۱ء ۶۴۲ء ۶۴۳ء ۶۴۴ء ۶۴۵ء ۶۴۶ء ۶۴۷ء ۶۴۸ء ۶۴۹ء ۶۵۰ء ۶۵۱ء ۶۵۲ء ۶۵۳ء ۶۵۴ء ۶۵۵ء ۶۵۶ء ۶۵۷ء ۶۵۸ء ۶۵۹ء ۶۶۰ء ۶۶۱ء ۶۶۲ء ۶۶۳ء ۶۶۴ء ۶۶۵ء ۶۶۶ء ۶۶۷ء ۶۶۸ء ۶۶۹ء ۶۷۰ء ۶۷۱ء ۶۷۲ء ۶۷۳ء ۶۷۴ء ۶۷۵ء ۶۷۶ء ۶۷۷ء ۶۷۸ء ۶۷۹ء ۶۸۰ء ۶۸۱ء ۶۸۲ء ۶۸۳ء ۶۸۴ء ۶۸۵ء ۶۸۶ء ۶۸۷ء ۶۸۸ء ۶۸۹ء ۶۹۰ء ۶۹۱ء ۶۹۲ء ۶۹۳ء ۶۹۴ء ۶۹۵ء ۶۹۶ء ۶۹۷ء ۶۹۸ء ۶۹۹ء ۷۰۰ء ۷۰۱ء ۷۰۲ء ۷۰۳ء ۷۰۴ء ۷۰۵ء ۷۰۶ء ۷۰۷ء ۷۰۸ء ۷۰۹ء ۷۱۰ء ۷۱۱ء ۷۱۲ء ۷۱۳ء ۷۱۴ء ۷۱۵ء ۷۱۶ء ۷۱۷ء ۷۱۸ء ۷۱۹ء ۷۲۰ء ۷۲۱ء ۷۲۲ء ۷۲۳ء ۷۲۴ء ۷۲۵ء ۷۲۶ء ۷۲۷ء ۷۲۸ء ۷۲۹ء ۷۳۰ء ۷۳۱ء ۷۳۲ء ۷۳۳ء ۷۳۴ء ۷۳۵ء ۷۳۶ء ۷۳۷ء ۷۳۸ء ۷۳۹ء ۷۴۰ء ۷۴۱ء ۷۴۲ء ۷۴۳ء ۷۴۴ء ۷۴۵ء ۷۴۶ء ۷۴۷ء ۷۴۸ء ۷۴۹ء ۷۵۰ء ۷۵۱ء ۷۵۲ء ۷۵۳ء ۷۵۴ء ۷۵۵ء ۷۵۶ء ۷۵۷ء ۷۵۸ء ۷۵۹ء ۷۶۰ء ۷۶۱ء ۷۶۲ء ۷۶۳ء ۷۶۴ء ۷۶۵ء ۷۶۶ء ۷۶۷ء ۷۶۸ء ۷۶۹ء ۷۷۰ء ۷۷۱ء ۷۷۲ء ۷۷۳ء ۷۷۴ء ۷۷۵ء ۷۷۶ء ۷۷۷ء ۷۷۸ء ۷۷۹ء ۷۸۰ء ۷۸۱ء ۷۸۲ء ۷۸۳ء ۷۸۴ء ۷۸۵ء ۷۸۶ء ۷۸۷ء ۷۸۸ء ۷۸۹ء ۷۹۰ء ۷۹۱ء ۷۹۲ء ۷۹۳ء ۷۹۴ء ۷۹۵ء ۷۹۶ء ۷۹۷ء ۷۹۸ء ۷۹۹ء ۸۰۰ء ۸۰۱ء ۸۰۲ء ۸۰۳ء ۸۰۴ء ۸۰۵ء ۸۰۶ء ۸۰۷ء ۸۰۸ء ۸۰۹ء ۸۱۰ء ۸۱۱ء ۸۱۲ء ۸۱۳ء ۸۱۴ء ۸۱۵ء ۸۱۶ء ۸۱۷ء ۸۱۸ء ۸۱۹ء ۸۲۰ء ۸۲۱ء ۸۲۲ء ۸۲۳ء ۸۲۴ء ۸۲۵ء ۸۲۶ء ۸۲۷ء ۸۲۸ء ۸۲۹ء ۸۳۰ء ۸۳۱ء ۸۳۲ء ۸۳۳ء ۸۳۴ء ۸۳۵ء ۸۳۶ء ۸۳۷ء ۸۳۸ء ۸۳۹ء ۸۴۰ء ۸۴۱ء ۸۴۲ء ۸۴۳ء ۸۴۴ء ۸۴۵ء ۸۴۶ء ۸۴۷ء ۸۴۸ء ۸۴۹ء ۸۵۰ء ۸۵۱ء ۸۵۲ء ۸۵۳ء ۸۵۴ء ۸۵۵ء ۸۵۶ء ۸۵۷ء ۸۵۸ء ۸۵۹ء ۸۶۰ء ۸۶۱ء ۸۶۲ء ۸۶۳ء ۸۶۴ء ۸۶۵ء ۸۶۶ء ۸۶۷ء ۸۶۸ء ۸۶۹ء ۸۷۰ء ۸۷۱ء ۸۷۲ء ۸۷۳ء ۸۷۴ء ۸۷۵ء ۸۷۶ء ۸۷۷ء ۸۷۸ء ۸۷۹ء ۸۸۰ء ۸۸۱ء ۸۸۲ء ۸۸۳ء ۸۸۴ء ۸۸۵ء ۸۸۶ء ۸۸۷ء ۸۸۸ء ۸۸۹ء ۸۹۰ء ۸۹۱ء ۸۹۲ء ۸۹۳ء ۸۹۴ء ۸۹۵ء ۸۹۶ء ۸۹۷ء ۸۹۸ء ۸۹۹ء ۹۰۰ء ۹۰۱ء ۹۰۲ء ۹۰۳ء ۹۰۴ء ۹۰۵ء ۹۰۶ء ۹۰۷ء ۹۰۸ء ۹۰۹ء ۹۱۰ء ۹۱۱ء ۹۱۲ء ۹۱۳ء ۹۱۴ء ۹۱۵ء ۹۱۶ء ۹۱۷ء ۹۱۸ء ۹۱۹ء ۹۲۰ء ۹۲۱ء ۹۲۲ء ۹۲۳ء ۹۲۴ء ۹۲۵ء ۹۲۶ء ۹۲۷ء ۹۲۸ء ۹۲۹ء ۹۳۰ء ۹۳۱ء ۹۳۲ء ۹۳۳ء ۹۳۴ء ۹۳۵ء ۹۳۶ء ۹۳۷ء ۹۳۸ء ۹۳۹ء ۹۴۰ء ۹۴۱ء ۹۴۲ء ۹۴۳ء ۹۴۴ء ۹۴۵ء ۹۴۶ء ۹۴۷ء ۹۴۸ء ۹۴۹ء ۹۵۰ء ۹۵۱ء ۹۵۲ء ۹۵۳ء ۹۵۴ء ۹۵۵ء ۹۵۶ء ۹۵۷ء ۹۵۸ء ۹۵۹ء ۹۶۰ء ۹۶۱ء ۹۶۲ء ۹۶۳ء ۹۶۴ء ۹۶۵ء ۹۶۶ء ۹۶۷ء ۹۶۸ء ۹۶۹ء ۹۷۰ء ۹۷۱ء ۹۷۲ء ۹۷۳ء ۹۷۴ء ۹۷۵ء ۹۷۶ء ۹۷۷ء ۹۷۸ء ۹۷۹ء ۹۸۰ء ۹۸۱ء ۹۸۲ء ۹۸۳ء ۹۸۴ء ۹۸۵ء ۹۸۶ء ۹۸۷ء ۹۸۸ء ۹۸۹ء ۹۹۰ء ۹۹۱ء ۹۹۲ء ۹۹۳ء ۹۹۴ء ۹۹۵ء ۹۹۶ء ۹۹۷ء ۹۹۸ء ۹۹۹ء ۱۰۰۰ء

(۵) بے شک ”حدیث“ ایسی اسلامی تاریخ ہے جس کا مرتبہ عام تاریخ سے بہت بلند ہے۔ قرآن مجید میں بھی بہت سی تاریخی حکایات نقل ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ ان کو ”مختصر تاریخ“ کہہ کر ”درجہ تخفیف“ میں نہیں رکھا جاسکتا۔ فرعون، ہامان، نمرود، عاد، ثمود، نوح اور بہت سی گذشتہ قوموں کے تاریخی حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں ”بحیثیت“ قرآن مجید ”ان سب پر ایمان لانا فرض واجب ہے اور ان کا انکار تکذیب قرآن کی وجہ

بے تاریخ کے اعتبار سے اس مسئلہ کے حوالہ سے حالات کا مطالعہ ضروری ہے۔

سے کفر ہے۔ بالکل یہی حال حدیث کا ہے۔ اس پر بھی ایمان الیقین انتہائی ضروری ہے جتنا قرآن پر بشرطیکہ وہ صحیح مستند ذرائع اسے ثابت شدہ ہوں یقیناً بخیر متین کرام خصوصاً حضرت امام بخاری و مسلم پھر دیگر اصحاب سنن نے ان کو بہت کچھ تحقیق و جستجو کے بعد حوالہ قلم کیا ہے اور صحت متن و سند کے لئے اپنی پوری امکانات کو ششون کو طرف کر دیا ہے۔ اسلام کے مایہ ناز مورخ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں ان پر انتہائی احترام ہے۔

كان علم الشريعة في مبدء هذه الامر نقلا عن طريق تسمولها السلف  
تخرجوا الصحيح حتى اكملوها وكتبوا ما لك رجمه الله كتاب الموطا  
او دعه اصول الاحكام من الصحيح المتفق عليه ورواه علي ابواب الفقه  
ثم عني الحفاظ بمعرفة طرق الاحاديث واسبابها المتخلفة وربما قطع  
استناد الحديث من طرق متعددة عن رواة مختلفين وقد يقع الحديث ايضا  
في ابواب متعددة باختلاف المعاني التي اشتمل عليها وجاء محمد بن  
اسماعيل البخاري امام المحدثين في عصره فخرج احاديث السنة على  
ابوابها في مسنده الصحيح بجميع الطرق التي للحجازيين والعراقيين  
والشاميين واعتمد منها ما اجمعوا عليه ودون ما اختلفوا فيه وكرز  
احاديث يسوقها في كل باب بمعنى ذلك الباب الذي تضمنه الحديث  
فكررت لذلك احاديثه حتى يقال انه اشتمل على تسعة آلاف حديث و  
مائتين منها على ثلاثة آلاف متكررة و فروق الطرق والاسباب عليها  
مختلفة في كل باب ثم جاء الامام مسلم بن حجاج القشيري رحمه الله  
تعالى فالف مسنده الصحيح جدا فيه خذو البخاري في نقل المتجمع عليه  
وحذف المتكررة منها وجمع الطرق والاسباب ورواه علي ابواب الفقه  
وتراجمه. (تاريخ ابن خلدون)

ترجمہ:- ابتداء میں علم شریعت کا صرف نقلی تھا۔ سلف اس کے لئے آمادہ ہوئے اور

صحیح بخاری اور مسلم کی کتابوں کے ساتھ اس میں احکام کے صحیح اصول کا جو متفق  
 علیہ تھے درج کئے اور فقہ کے بابوں پر اس کو ترتیب دیا۔ بعد ازاں اس کے محدثین نے اسے تصدیق کیا  
 و طریق و احادیث اور مختلف سندوں کے بیچانے لگا اور کبھی حدیث کی سند چند راویوں سے  
 معتد و طرق مختلفہ ہوتی ہے اور کبھی ایک ہی حدیث چند بابوں میں واقع ہوتی ہے و لیکن  
 حسب اسطے علامہ احمد نے اپنے چند معنی کو شامل کیا ہوتا ہے اور اپنے زمانے کے امام احمد بن حنبل  
 بخاری آئے تو صحیح بخاری میں سند ترقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو ہر باب کے  
 موافق لائے اور اس میں محدثین بخاری و عراق و شام کی سندوں کو جمع کیا اور اعتماد انہیں  
 محدثین غیر کثیر جن پر تمام محدثین کا اتفاق تھا۔ ان کے راویوں پر جو مختلف ذیلی تھیں اور بہت  
 احادیثوں کو مؤلفین مضمون حدیث کے ہر باب میں مکرر لائیے اس لئے ان کی حدیثیں مکرر  
 ہوئیں اور کہی جاتی تھیں یہ بات نہ کہ صحیح بخاری میں تو ہر راوی و سند حدیث میں لکھے  
 تین ہزار حدیثیں مکرر ہیں۔ اور امام بخاری ہر باب میں حدیث کی سند لایے بعد ان  
 کے امام مسلم ہوئے، انہوں نے صحیح مسلم تالیف کی اور احادیث متفق علیہا کے نقل کرنے  
 میں بخاری ہی کی مثال چلی اور مکرر کو حذف کر دیا اور طرق اسناد کو جمع کر دیا اور فقہ اور  
 تراجم کے بابوں پر اس کتاب کو ترتیب دیا۔ اس کے بعد علامہ ابن حجر عسقلانی نے ابوداؤد و  
 ترمذی و نسائی کا ذکر کر کے لکھا ہے: **و هذه المسانيد المشهورة في الملة وهي**  
**امهات الكتب الحديث في السنة** یعنی یہی کتابیں ہیں جو دن محمدی میں مشہور ہیں  
 اور طریقہ صحیح صلی اللہ علیہ وسلم میں کتب حدیث کی اصل و جڑ ہیں۔ علامہ خطاویؒ اپنی مشہور  
 کتاب میں فرماتے ہیں: **وعلماء اهل الحديث الذين جمعوا صحيح الحديث**  
**ما في امير رسول الله صلى الله عليه وسلم واقواله و افعاله و حركاته و سكناته و**  
**ما قول الصحابة و المهاجرين و الانصار و الذين اتبعوه و احسان الخ** (خطاویؒ شرح در مختار مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۱۵۲)



یعنی علماء اہل حدیث اودہ ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال  
 وغیرہ تمام امور کو اور صحابہ مہاجرین و انصار کے اقوال و اعمال کو جمع کیا ہے۔ پس اتحادیت  
 کے اس عظیم الشان ذخیرہ کو کھنڈ "تاریخ" کا درجہ دیکر ابن کی سکتہ ذیبت کرنا بقصر اسلام کی  
 بنیادوں کو اکھاڑنا ہے اور صد افسوس کہ یہ ناپاک کام نہ یہودیوں کے ہاتھوں ہوسکا نہ  
 عیسائیوں کے نہ دیگر غیر مسلم معاندین اسلام کے بلکہ آج یہ ناپاک کام ان لوگوں کے  
 ہاتھوں انجام پارہا ہے جو اپنے آپ کو مسلمان و محب قرآن بتلاتے ہیں۔

اس کے بعد اگر دوسرے امر روز پود فرمائیے۔ اس کے بعد اگر دوسرے امر روز پود فرمائیے۔  
 برق نے آگے صحیح بخاری کی تردید و توہین کرنے کے لئے بخاری شریف کی چند  
 روایات کو موضوع بحث بنا کر اپنی "ہمدانی" کے جو گل کھلائے ہیں ہم بھی برق کی قدر  
 و قیمت متعین کرنے کے آپ کے ان ہی "گلہائے تکفرت" کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

ن ایک پیشین گوئی

۸ھ مطابق ۶۲۰ء کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یزدگرد شاہ ایران  
 اور ہرقل قیصر روم کی طرف خطوط بھیجے اور ان کو اسلام کی طرف دعوت دی۔ ہرقل نے  
 قاصد رسول کی بڑی تعظیم کی۔ آپ کے نام مبارک کو سر آٹھوں سے لگایا۔ رخ البراقی  
 شرح صحیح بخاری بارہ اول ص ۲۲ پر ہے: ان ہرقل وضع الکتاب فی قصبة من  
 ذهب تعظیماً لہ و انہم لم یز الوایع اور فونہ الخ یعنی ہرقل نے آپ کے نام  
 مقدس کو ایک طلائی ڈبیر میں حفاظت سے رکھ لیا اور اس کی بے حد زیادہ تعظیم کی اور پھر  
 ہمیشہ اسے خزانہ شاہی میں نسل بعد نسل محفوظ رکھتے رہے۔ لیکن کسری نے خط کو پھاڑ ڈالا  
 اور قاصد محمدی کو ذلت و پست کر دیا۔ کال دیا۔ جب ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو  
 کسری کی اس بدتمیزی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اللہ جس طرح کسری نے میرے خط کو  
 پھاڑ ڈالا تو بھلی اس کی فرعونیت کا اس کو بدکہ دے اور اسی طرح اس کو ہلاک کر دے۔

رچنا نچہ آپ کی دعا پوری ہوئی اور بہت ہی تھوڑے عرصہ بعد کسری ہلاک ہوا۔ پھر اس کی  
 سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ اس بار اے میں آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیش گوئی  
 فرمائی تھی اس کے الفاظ یہ ہیں: "اذا هلك كسرى فلا كسرى بعده" اور اذا  
 هلك قيصر فلا قيصر بعده (جب کسری ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کسری نہیں رہے گا اور اس  
 کے بعد کسری پیدا نہ ہو سکے گا۔ پھر قیصر ہلاک ہوگا اور اس کے بعد بھی اس  
 جیسی نشان و شوکت والا کوئی قیصر پیدا نہ ہو سکے گا۔) البتہ الایمانی ص ۱۲  
 چونکہ کسری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ترین گستاخی کی تھی کہ آپ کا نام نہ  
 مبارک لیا جائے اور آپ کے قتل کر دئے جائے اور کھڑی حکام کو اسلایا۔ اس لئے  
 لعناب الہی نے فوراً ہی اس کو اور پھر اس کی نسل کو ختم کر دیا، مگر قیصر نہایت اذیت و احترام  
 سے پیش آیا۔ اسلام کی تھل لڑائی کا اعتراف کیا اور بانی اسلام کی ذات اقدس کے بارگاہ  
 میں المیہ بنیاد، جذبات کا اظہار کیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے  
 بارے میں فرمایا کہ: "واما هؤلاء فليكفوني لهم بقیة" (فتح الباری ص ۲۲) یعنی ہر قتل  
 کے لئے اور اس کی آل و اولاد کے لئے فوری ہلاکت نہیں ہوگی بلکہ وہ ابھی باقی رہیں گے۔  
 افسوس! کہ ہر قتل بعض ذاتی اغراض کی بنا پر اسلام قبول نہ کرنا کا بلکہ آگے چل کر عیسائیت  
 کے مقابلے پر آگیا جس میں ہر دفعہ اس لئے مسئلہ کی کھائی، مگر احترام رسول اور تصدیق نامہ  
 مبارک کی جرأت اسے اس کی فوری ہلاکت نہیں ہوئی بلکہ اس کے ہلاک ہونا جو جانتے ہی کے بعد  
 تدریجی طور پر اس کی نسل کو ختم کیا گیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کا جو حصہ  
 کسری سے متعلق تھا وہ اپنی جلالی شان کے ساتھ فوراً پورا ہوا اور جو حصہ قیصر سے متعلق تھا وہ  
 اس طرح تدریجی طور پر پورا ہوا کہ ہر قتل قیصر روم کے ہلاک ہو جانے کے بعد اس کی قومی  
 شان و شوکت ختم ہو گئی۔ حکومت اگرچہ کچھ عرصہ باقی رہی، مگر دن بھر اس کا آفتاب اقبال  
 زوال ہی کی طرف چلنا گیا حتیٰ کہ ایک دن اس خاندان کا نام و نشان بھی دنیا سے مٹ گیا اور  
 پیش گوئی کا یہ حصہ بھی تدریجی طور پر پورا ہوا۔ یہ ہے اصل حقیقت، مگر برقی "حدیث دشمنی"

ملاحظہ ہو کہ یہاری بخاری شریف میں سے مشن تکذیب کے لئے پہلے اسی حدیث پر آپ نبی کی  
نگاہ پڑی ہے اور یہی ٹھہرائی گئی ہے ساتھ اس ”پوہنواہت“ کا انبیاء کا دیا ہے جس نے اس  
باب میں جو ہر نہ سرائی کی ہے اس ہی کے لفظوں میں ملاحظہ کیجئے کہ لفظ ۱۱ ان میں ۱۱  
۱۱ پہلے آچے جناب آپ کا قائلے کا یہی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لفظوں میں ایک مشورہ تلقین  
کے لئے کیا جرات کرتے ہیں: قصہ کے حسن سلوک کا تقاضا تھا کہ حضور پر قل کے لئے  
اسی طرح محبت کا اظہار کرتے جس طرح وہ نجاشی سے کیا کرتے تھے لیکن جو پیش گوئی  
بخاری میں موجود ہے وہ ہماری اس تمنا کو پورا نہیں کرتی: (دوا اسلام ص ۱۷۸)

۱۱ ہر ایک کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حیرت افروز پیش کر دیا لیکن بے  
محاسبہ اس لئے کہ نجاشی نے نہ صرف اسلام قبول کیا تھا بلکہ مہاجرین کے ساتھ انتہائی  
خیرین سلوک سے پیش آیا تھا اور بھی اللہ تعالیٰ اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا اس لئے  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غمگیناٹھ اظہار محبت کیا، مگر قبل میں ان چیزوں میں  
رہے کوئی نکتہ چیز نہیں تھی، بلکہ وہ مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گیا تھا اس لئے آپ نے اس کے  
بارگاہ میں یہ پیشین گوئی فرمائی کہ اگر گئے برق صبا جب کارشاد یوں ہو گا تو اسے ۱۱  
۱۱ کہہ کر لی گئی ہے متعلق یہ پیشین گوئی: جو قاف اچھڑے پوری ہوئی: اس شخص پر ایک ہاتھ  
نہ نہ ریتا تھا جسے صرف دن برتن لیا تھا وہ میں جنگ نہاوند نے حمایتی چاہیوں کو کہ  
بعد ازیں ہمیشہ کے لئے نہاوند کے کرائی (یروگرد) قلن ہو گیا اور اس کے بعد آج تک پھر نہا  
۱۱ کوئی کہہ کر لی گئی ہے نہاوند پلائے تو یہ تھا کہ قصہ کے متعلق بھی یہ پیش گوئی اسی ہے  
۱۱ لفظ قرآن پوری ہوئی، لیکن اللہ کا پسند کیا تھا (دوا اسلام ص ۱۷۸) کہ  
۱۱ ان ایک ہی حدیث ہے جس میں دو پیش گوئیاں دی گئی ہیں: اس کا حصہ تو برق کے  
۱۱ ایک طرف اور طرف صبح رہے جو پورا ہوا تو لپکا اور اسی حدیث کا دوسرا حصہ ”مخوفات“ کا ہے  
جہاں آئی ہے کہ کہہ کر لی گئی طرف قصہ کا نفاذ ان فوری طواری پر ختم نہیں ہوا: اس لئے  
”نشا“ ناظرین ناگفتن گئے ہم تو حق اس کے ہیں ان کے وہ اس کی حقیقت پر غور کر لیں کہ لکھت

حدیث کا آدھا حصہ اگر حرف بحرف صحیح ہے تو اس کے دوسرے حصے کو جعلی بنانے کے لئے کوئی معقول دلیل ہونی چاہئے۔ محض ”منہ زوری“ سے برق چاہئے کہ ایک صحیح حدیث کے نصف حصہ کی تصدیق کرے اور ”نصف کی تکذیب“ تو یہ کوئی معقول طریقہ کار نہیں ہوگا۔

ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ کسریٰ نے جو گستاخی کی تھی اس کا تقاضا ہی یہ تھا کہ رسول کی بددعا اس کے حق میں فوراً اپنا اثر دکھلائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور قیصر نے جو احترام و عقیدت کا بدیہ دربار رسالت میں پیش کیا تھا۔ اس کی برکت سے اس کی ہلاکت اور اس کے خاندان کی تباہی فوری طور پر نہ عمل میں لائی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ پیشگوئی کا یہ دوسرا حصہ یوں پورا ہوا کہ ہر قل کے مرنے پر اس کی خاندانی عزت و عظمت اور اس کا اقبال ختم ہو گیا۔ کمال زوال سے بدل گیا اور پھر رفتہ رفتہ وہ دن آ گیا کہ اس کی پوری نسل کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا اور اس طرح سے اذا ہلک قیصر فلا قیصر بعدہ کی پیشگوئی تدریجی طور پر پوری ہو گئی۔ جو غیر مسلم حضرات معقول پسند ہوں گے وہ بھی اس حقیقت کا اعتراف ضرور کریں گے کہ پیغمبر عربی کی پیشگوئی تدریجی طور پر ضرور پوری ہو کر رہی کہ آج اس سلطنت کا دنیا سے نام و نشان مٹ چکا جو اپنی عظمت و شوکت کے لئے ہزاروں سال کی ایک زبردست تاریخ رکھتی تھی۔ آج اس کے شہنشاہ نسیا منیا ہو کر اس شعر کے مصداق بن گئے:۔

جن کے مخلوق میں ہزاروں رنگ کے فانوس تھے

جھاڑ ان کی قبر پر ہیں اور نشان کچھ بھی نہیں

اس حقیقت کے باوجود حدیث کے اس حصہ کو بعد کا اضافہ (دواہلام ص ۱۸۱) کہنا

سراسر حدیث دشمنی کا ثبوت دینا ہے۔

حدیثی پیشگوئیاں واقعات کی روشنی میں

صحیح حدیثوں میں پیشگوئیوں کا کافی حصہ ہے جو حرف بحرف اپنے اپنے وقتوں پر

پورا ہوتا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسریٰ کی فوری بربادی کے بارے میں حدیثی پیشگوئی کا بتدریج ظہور ہوا کہ آج دنیا کے اس عظیم ترین شاہی خاندان کا نام و نشان تک دنیا سے مٹ گیا۔ بالکل اسی طرح حدیث کی بہت سے پیشگوئیاں اپنے اپنے وقتوں پر پوری ہوتی رہی ہیں۔ جو حدیث کی صداقت پر ایک بین دلیل ہے۔ ہم چند ایک تاریخی واقعات بطور مثال درج ذیل کرتے ہیں:-

(۱) بخاری شریف و مسلم شریف دو کتابوں میں یہ حدیث ہے کہ جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حجاز میں ایک آگ نمودار ہوگی جو بصری کے اونٹوں پر اپنی روشنی ڈالے گی۔ چنانچہ تاریخ کا مسلمہ واقعہ ہے کہ ۶۵۳ھ میں یہ آگ حجاز میں موضع نیکم جمادی الثانی کو لگی اور بصری کے بدوؤں نے اس آگ کی روشنی میں اپنے اونٹوں کو دیکھ لیا اور شناخت کر لیا۔ کتب تواریخ میں بہت سے عینی شاہدوں کی شہادتیں اس واقعہ پر موجود ہیں۔ (دیکھو حاشیہ مشکوٰۃ ص ۶۹۹)

(۲) بخاری و مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم ترکوں سے ضرور جنگ کرو گے جن کے چہرے سرخ اور آنکھیں چھوٹی اور ناک پست ہوگی۔ ۶۵۶ھ میں مسلمانوں اور تاتاریوں کے درمیان یہ جنگ ہوئی اور ہلاکو خاں نے خراسان و عراق کو تباہ کر دیا۔ اس طرح یہ پیشگوئی واقعہ روایت حدیث کے پانچ سو سال بعد حرف بحرف پوری ہو کر رہی۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۳) مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ سے اور مسند امام احمد اور سنن ابوداؤد میں حضرت معاذ بن جبلؓ سے قسطنطنیہ کے فتح کی خبر موجود ہے، ان محدثین کی وفات کے چھ سو سال بعد ۱۴۵۳ھ میں سلطان محمد نے فتح قسطنطنیہ کی پیشگوئی پوری فرمادی اور پھر یہی نہیں بلکہ آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ یہ ملک پھر ہمیشہ غیروں کے تسلط اور ان کی ظاہری حکومت سے آزاد رہے گا۔ چنانچہ ترک آج تک آزاد ہیں اور ہمیشہ آزاد ہی رہیں گے۔ ان شاء اللہ ترکوں کو کوئی قوم غلام نہیں بنا سکے گی۔ وقتی حالات کے زیر اثر کسی

کمزوری کا آجانا اور چیز ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب ضرورت حدیث۔

(۴) جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن بیت اللہ کے کنجی بردار

عثمان بن طلحہ کو فرمایا:

اے بنی طلحہ اس کنجی کو سنبھالو اب یہ ہمیشہ تمہارا ہے ہی خاندان میں رہے گی جو

تم سے چھینے گا وہ ظالم ہوگا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشگوئی کا تعلق مندرجہ ذیل امور سے ہے:

(۱) طلحہ کی نسل ہمیشہ باقی رہے گی۔ (۲) کنجی ان ہی کے قبضہ میں رہے گی۔

(۳) عارضی طور پر یہ ان سے چھین بھی لے جائے گی۔ (۴) اور وہ چھیننے والا

ظالم ہوگا۔

چنانچہ آج تک اس حدیث کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے اور آئندہ بھی ہوتی رہے

گی۔ مکہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت مقدس سے آج تک آباد گھرانا

یقینی طور پر صرف یہی طلحہ کا گھرانہ ہے جس نے نہ تو ہجرت کی اور نہ ہی پورے چودہ سو

سال تک اس کی نسل منقطع ہوئی آج تک بیت اللہ شریف کی کنجی ان ہی کے پاس ہے۔

صرف چند دنوں کے لئے یزید نے یہ کنجی ان سے چھین لی تھی، مگر آج تک پھر ان ہی

کے پاس ہے اور قیامت تک ان ہی کے پاس رہے گی۔

(۵) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: یوشک ان یقعہد الرجل

منکم علی اریکتہ یحدث بحديثی فیقول یننی و بینکم کتاب اللہ الخ

یعنی تم مسلمانوں ہی میں ایک آدمی ایسا پیدا ہوگا جو اپنے چھپر کھٹ پر بیٹھا ہوا ہوگا اور اس

کے سامنے جب کوئی میری حدیث بیان کی جائے گی تو کہے گا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا۔

میں صرف قرآن مجید کو مانتا ہوں۔ یہ حدیث ابورافع، مقدام اور عریاض رضی اللہ عنہم

تین صحابیوں سے مروی ہے اور ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ و بیہقی و دارمی و مسند احمد چھ

حدیث کی کتابوں میں اس کو نقل کیا گیا ہے۔ اس پیشگوئی کا مصداق آج چودہ سو برس

بعد ہم عبد اللہ چکڑالوی کو دیکھ رہے ہیں جس نے ایک کھیا پر بیٹھے بیٹھے حدیث دشمنی کا ”نعرہ بلند کیا اور دنیا ہی میں رسوا ذلیل ہو کر خائب و خاسر ہوا۔

بطور نمونہ یہ صرف چند حدیثی تاریخی پیشگوئیاں درج کی گئی ہیں۔ جن کا وقوع تاریخ کے مسلمات میں سے ہے ایسی سیکڑوں پیشگوئیاں احادیث میں موجود ہیں جو اپنے اپنے وقتوں پر پوری ہوتی رہی ہیں اور پوری ہوں گی۔

برق کو اگر کسی پیشگوئی کے پورا ہونے میں شبہ ہے تو یہ اس کی نگاہ کا قصور ہے اس کو اپنے ”دماغ“ کا علاج کرانا چاہئے نہ کہ احادیث رسول ہی پر اپنی کج فہمی کی وجہ سے ہاتھ صاف کرنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔

برق صاحب؟

اب جو آئی ہوئی ہے گلشن گیتی میں بہار ☆ رنگ اڑالائی ہے ان ہی کے گلستانوں سے وہ خود امی تھے مگر کون و مکاں کے اسرار ☆ حکماء سیکھ گئے ان کے دبستانوں سے

تاریخی غلط بیانیان

اس عنوان کے تحت برق نے صحیح بخاری شریف سے تاریخی غلط بیانیان تلاش کرنے کی نئے کار جدوجہد کی ہے۔ اس کوشش میں کہاں تک برق کو کامیابیاں حاصل ہوئی ہیں؟ اس کی تفصیل تو ناظرین آگے ملاحظہ کریں گے۔ اتنا ضرور ہے کہ کج فہمی، بددماغی، ناعاقبت اندیشی کے بدترین مناظر برق نے ناظرین کے سامنے رکھ دیئے ہیں، جن کو دیکھ کر آپ کی قابل رحم حالت واضح طور پر ہمارے سامنے آ جاتی ہے۔ ناظرین شاید ہمارے بیان کو مبالغہ قرار دیں۔ مگر حقیقت میں یہ مبالغہ بالکل نہیں ہے مثال آپ کے سامنے موجود ہے کہ برق نے حضرت ابراہیمؑ و حضرت سلیمانؑ کے بارے

۱۔ حدیث ہذا میں اس شخص کے قعود کی جو کیفیت بیان ہوئی ہے عبد اللہ چکڑالوی میں اس کو پورے طور پر پایا گیا، جس کے بہت سے معنی شہاد بھی تک موجود ہیں۔ راز

۲۔ احادیث پاک

میں طول نگاری اسے کام لیکر خواہ مخواہ ایک صحیح روایت کو بیت اللہ و بیت المقدس کی تجدید تعمیرات کے ہزار سال سے بھی زائد عرصہ سے ٹکراتا چاہا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت ابراہیم و سلیمان میں ہزار سال سے بھی زائد عرصے کا فاصلہ ہے۔ اسلامی تاریخ کی روایات کے علاوہ تو زرات کا بیان بھی اس پر شانہ و آفاق ہے اور اس میں بھی مطلقاً شک و شبہ نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم و حضرت سلیمان نے کعبۃ اللہ اور بیت المقدس کو تعمیر کیا، مگر ان حضرات کو ان ہر دو مقدس مقامات کا بانی اول قرار دینا سراسر جہالت ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر موجود ہے:

وَ اذ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمَاعِيْلُ: اَيْ قَدِيْمُ بِنَادُوْنَ بِرِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ فِيْ خَانَةِ كَعْبَةِ التَّعْمِيْرِ كِيْ: يَهْبِيْ حَالِ بَيْتِ الْمَقْدَسِ كَا هِيَ كِهْ اَنْ كِيْ قَدِيْمُ بِنَادٍ بِرِ حَضْرَتِ سَلِيْمَانَ لِيْ اَنْ كُو تَعْمِيْرُ كِيَا لِيْ تَوَارِيْحُ ۲۸ بَاب ۳ آيَات ۱۲ مَدُورُ هِيَ: ”اور سليمان خداوند کا گھر یورو و غلہ میں کوہِ بوریا پر جو اس کے باپ داؤد کو دکھلایا گیا تھا اور اس جگہ پر جو داؤد نے ارناں نیوی کے کھلیان میں مقرر کی تھی بنائے لگا۔“

بائبل کا یہ بیان (صاف بٹلارہا ہے کہ حضرت سلیمان نے اپنے آباء و اجداد کی نشانیوں پر بیت المقدس کی تعمیر شروع کی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ اس تجدیدی تعمیر کے درمیان ہزار سال سے بھی زائد عرصہ ہے۔ رہا بتائے اول کا معاملہ سواش کا ذکر بخاری شریف کی روایت ذیل میں ہے۔ اس میں واضح طور پر بتائے اول کا ذکر ہے جس سے بتائے ابراہیمی کو مراد لینا قطعاً غلط اور الفاظ حدیث کے بالکل خلاف ہے۔ چنانچہ ملاحظہ کیجئے:

عَنْ اَبْنِيْ اِذْ قَالَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبِيْ مَسْجِدٍ وَضَعَ فِي الْاَرْضِ اَوَّلُ قَالَ الْمَسْجِدُ الْجَدِيدُ قَالَ قُلْتُ اَمْ اَيُّ قَالَ الْمَسْجِدُ الْاَقْصَى قُلْتُ كَمْ كَانَ بَيْنَهُمَا قَالَ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۵۵)۔

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہؐ سے پہلے دنیا میں کون سی



مسجد نے وجود پایا آپؐ نے فرمایا مسجد الحرام نے۔ پھر میں نے کہا کہ پھر اس کے بعد سب سے پہلے کون سی مسجد تعمیر ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا مسجد اقصیٰ۔ میں نے کہا کہ اس اولین تعمیر میں ہر دو کے درمیان کتنا فاصلہ تھا۔ فرمایا چالیس سال۔ ظاہر ہے کہ روایت میں ہر دو مقدس مقامات کی بنائے اول کا ذکر ہے۔ بنائے ابراہیمی اور بنائے سلیمانی سے اس کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے۔ مگر برق صاحب ہیں کہ بڑی دلیری کے ساتھ قد امت کعبہ کا انکار کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ کو بانی اول قرار دیکر اور بیت المقدس کا حضرت سلیمانؑ کو بانی اول قرار دے کر ”حدیث کی تکذیب“ کے لئے ایک بالکل غلط پہلو تلاش کرنے کی بے کار جہد و جہد کرتے ہیں اور پھر غلط نتائج کا انبار لگا دیتے ہیں۔ اپنی خصوصی متانت اور تہذیب اور شرافت کے لہجہ میں برق صاحب کا بیان ”یوں چلتا“ ہے۔ ہے کوئی محدث جو اس صریح غلط بیانی کی کوئی تاویل پیش کر سکے؟ کیا خدا مصطفیٰ جبریلؑ کسی کو بھی ان مساجد کی تعمیر کا زمانہ معلوم نہیں تھا؟ آپؐ کو ماننا پڑے گا کہ یہ حدیث غلط ہے اور کسی جلسہ نے علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کے ارادے سے وضع کی تھی۔ (دوا سلام ص ۱۸۲)

برق کی ڈھٹائی ملاحظہ ہو: کعبۃ اللہ کی بنائے ابراہیمی کو اولین بناء قرار دے کر اس پر بہت سے نفوٹات کی یہ خام دیوار تعمیر کرتے ہیں۔ حالانکہ روایت میں صراحتاً ”ای مسجد وضع فی الارض اول“ موجود ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں کوئی مسجد تعمیر کی گئی۔ روایت میں اگر بنائے ابراہیمی کا ذکر صاف موجود ہوتا اور پھر بنائے سلیمانی کا اور درمیان میں چالیس سال کا فاصلہ بتلایا جاتا تو یقیناً اس روایت کو جھوٹا قرار دیا جاسکتا تھا، مگر حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہاں ہر دو اولو العزم پیغمبروں کی ”بنائوں“ کا ذکر ہی نہیں ہے۔ بلکہ روایت میں صاف ”بنائے اول“ کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ بناء اول حضرت ابراہیمؑ سے بہت پہلے کی ہے اور یہ جملہ مورخین اسلام کا متفقہ نظریہ ہے۔ علامہ بیہوشیؒ فرماتے ہیں: **الایۃ والحدیث لا یند لان علی بناء ابراہیم و**

سليمان لما بنى ابتداء وضعهما لهما بل ذلك تجديد لهما كان اسسه  
غيرهما وبداءه وقد روى ان ابا من بنى البيت ادم وعلي هذا فيجوز ان  
يكون غيره من ولده وضع بيت المقدس من بعده تاربعين عاماً  
(حاشية ناسي)

یعنی کوئی آیت قرآن وحدیث یہودی اس چیز پر دلالت نہیں کرتی کہ حضرت ابراہیم  
کی بناء کعبہ اللہ کے لئے اور حضرت سلیمان کی بیت المقدس کے لئے "اولین بنائے"  
ہیں بلکہ ان ہر دو مقامات مقدسہ کی قدیم بنیادوں پر ان بزرگوں نے ان کی تجدید کی ہے  
بعض روایات کی بنا پر کعبہ اللہ کا بانی اول حضرت آدم کو قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے آپ کی  
اولاد نے اس "بنائے" کے معنی میں بعد بیت المقدس کو تعمیر کیا ہوگا جس کا اس روایت میں  
ذکر ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ان آدم لم يبنى الكعبة امرو: الله تعالى بالسير  
الى بيت المقدس وان يبنيه فبناه وان شكك فيه (حوالہ مذکور) یعنی حضرت  
آدم جب بنائے کعبہ تھے فارخ ہو چکے تو اللہ پاک نے آپ کو مقام بیت المقدس کی  
طرف جانے کا حکم فرمایا اور اس کو بھی بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ نے پھر اس کی تعمیر کی  
اور اس میں عبادت الہی بجالائے۔

خلاصہ مندرجہ فرماتے ہیں: ایسے المنزاد بناء ابراهيم للمستجد التخرام و  
بناء سليمان للمستجد الاقصى فان بينهما مدة طويلة بل المراد البناء  
سواء هذين البنائين (حوالہ مذکور) یعنی چالیس سال والی روایت میں خانہ کعبہ کے  
لئے بنائے ابراہیمی اور بیت المقدس کے لئے بنائے سلیمانی فرماؤ نہیں ہے، کیونکہ ان ہر  
دو تجدیدی بنائوں کے درمیان تو بہت کافی فاصلہ ہے بلکہ ان میں ہزاروں سے علاوہ اولین  
بناء مراد ہیں۔

ناظرین بتلا میں کہ ایک صاف سیدھی واضح حقیقت پر پردہ پوشی کر کے ایک غلط



عن عطاء بن ايسار قال لقيت عبد الله بن عمرو بن العاص قلنت اخبرني  
عن صفة رسول الله صلى الله عليه وسلم في التوراة قال اجل والله انه  
لمؤججوف في التوراة تبعض صفته في القرآن يا ايها النبي انا ارسلناك  
شاهدا و مبشرا و نذيرا و حوزا للاميين انت عيسى و رسولنا اسبغيتك  
التموكل ليس بفظ ولا غليظ ولا تسخاب في الاسواق ولا يدفع بالسنيعة  
النسيئة ولكن يغفو و يغفر و لن يقبضه الله حتى يقيم به التملة الغوجاء بان  
يقولوا لا اله الا الله و يفتح بها اعلمنا و اذا انا صلينا و لا قلوبنا غلفا و رواه  
البخاري (مشكوة ص ۵۱۲) کہ میں نے حضرت عیسیٰ بن مریم سے سنا کہ جب آپ نے  
آپنے توراة میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کچھ مطالعہ کی تھیں تو سنا کہ ایسے نبیوں  
نے کہا ہے شک آپ کی جمل قدر و قیمت قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں ان میں سے  
بعض بعض صفتوں کو ہم نے توراة میں بھی مذکور پایا ہے مثلاً یہ کہ اے نبی ہم اپنے تجھ کو شاہد  
اور مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے اور آجے نبی تو میرا بندہ اور رسول ہے۔ تین ایسے تیرا نام  
متوکل رکھا ہے اور یہ بھی کہ وہ نبی بلند اخلاق کا مالک ہوگا جس کی کابیرہ نیکی سے اولے گا  
خدا اس کے ذریعہ سے ملت گمراہ کو پھر سیدھی راہ توحید نصیب کر دے گا اور اس کے  
ذریعہ سے بہرے گوئے اندھے صحیح سالم ہو جائیں گے۔

۱۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا نبی بنا دیا

۲۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا رسول بنا دیا  
۳۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا خدا بنا دیا  
۴۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۵۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۶۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۷۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۸۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۹۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا  
۱۰۔ اے نبی میں نے تجھ کو اپنا مالک بنا دیا

۱۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۲۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۳۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۴۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۵۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۶۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۷۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۸۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۹۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶) ۱۰۔ یعنی وہ تھک محمد ہے۔ میرا خلیل میرا حبیب ہی ہے (رحمۃ اللعالمین ص ۱۶)

”عطاء بن یسار کہتے ہیں: میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے دریافت کیا الخ۔  
اس جھوٹ کی تفصیل یہ ہے کہ عطاء بن یسار نے جس بزرگ سے دریافت کیا تھا  
وہ عبداللہ بن عمر ہرگز نہیں ہیں بلکہ عبداللہ بن عمرو بن عاص ہیں۔ (دیکھو مشکوٰۃ شریف  
ص ۵۱۲) یہ پہلا جھوٹ ہے جو بڑی فراخ دلی کے ساتھ حوالہ قلم کر دیا گیا ہے۔

### دوسرا جھوٹ

یہ کہ اس روایت میں ”کوئی آیت“ کا ترجمہ از خود ایجاد کر لیا، حالانکہ راوی متفرق  
اوصاف کو متفرق مقامات توراۃ سے بیان کر رہے ہیں اور راوی کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے  
کہ ان ہی لفظوں میں کوئی خاص آیت توراۃ کے کسی صفحہ پر لکھی ہوئی موجود تھی۔

### تیسرا جھوٹ

اس سلسلے میں یہ حوالہ قلم کیا کہ اصل توراۃ جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور پر ملی تھی وہ عہد  
رسالت محمدی میں ہو بہو لفظ بہ لفظ بغیر کسی کمی بیشی کے موجود تھی۔ یہ ایسا جھوٹ ہے جس  
کی تائید خود کتب مورخین یہود سے بھی نہیں ہو سکتی۔

### چوتھا جھوٹ

یہ کہ توراۃ میں بشارات متعلقہ ”آخری رسول“ سے انکار کیا، حالانکہ آج کے  
تحریف شدہ یہود لٹریچر میں بھی آپ کو آخری رسول کے بارے میں بشارات مل جائیں  
گی۔ اور بہت سی بشارات ہو بہو ان ہی معنوں میں جن معنوں میں اوصاف محمدی کو  
بخاری کی روایت میں نقل کیا گیا ہے موجود ہیں۔ مگر صد افسوس کہ رسول موعود کے ان

الہامی اوصاف سے برق کو انکار ہے۔

ہر کس از دست غیر نالہ کند ☆ سعدی از دست خویشین فریاد  
حضرت امام بخاری کی جامع صحیح سے تاریخی غلطیاں نکالنے کے سلسلے میں برق نے

ایک یہ غلطی بھی ڈھونڈ پائی ہے کہ حضرت انسؓ خادم رسالتؐ نے بخاری کی روایت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف صرف ۶۰ سال بیان کی ہے حالانکہ بالاتفاق آپؐ کی عمر شریف ۶۳ سال کی ہے۔ برق کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ کی یہ روایت غلط ہے اور بخاریؒ نے اس کو اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ اس لئے یہ کتاب ناقابل اعتبار ہے۔ دیکھو (دو اسلام ص ۱۸۶)

ناظرین کرام کو معلوم ہونا چاہئے کہ روایت اپنی جگہ پر بالکل صحیح اور سچی ہے۔ حضرت انسؓ نے ۶۰ برس کی کسر کو قابل ذکر نہ جان کر صرف عمر شریف کے ۶۰ سال ذکر کر دیئے ہیں اور یہ عام مجاورہ ہے۔ بسا اوقات کسر گرا کر صرف دہائیاں ہی ذکر میں لے آیا کرتے ہیں۔ بالکل اسی کے مطابق حضرت انسؓ کی یہ روایت ہے جیسے کہ قرآن مجید اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث صحیحہ کی روشنی میں باتفاق امت اسلام رمضان کے ۳۰ یا ۲۹ روزے فرض ہیں؛ مگر قرآن مجید میں ان کو محض ”اینا ما معدودات“ وہ گنتی کے صرف چند دن ہیں، سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب کوئی نادان قرآن مجید کی جنابی، غلطی نکالنے بیٹھ جائے تو یہ اس کی بھول ہوگئی۔ بالکل یہی حال برق جنے یہاں اپنا پیش کیا ہے کہ خواہ مخواہ حضرت انسؓ کی حدیث ہی کو مشق تکذیب کے لئے لے اڑے۔ اس حدیث کی شرح میں علماء حدیث صاف لکھتے ہیں:

”باعتبار القاء الکسرو عدم اعتداده۔ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۲۱)  
یعنی حضرت انسؓ کی یہ روایت اس اعتبار سے ہے کہ آپؐ نے دہائیوں سے اوپر کسر کو ناقابل اعتنا جان کر حذف کر دیا ہے اور بس۔ مگر برق کو ایک بھانہ چاہئے۔ آپؐ کا بیان یوں چلتا ہے:

حضرت انسؓ کی روایت قطعاً غلط ہے۔ حیرت ہے کہ امام بخاریؒ نے اس غلط روایت کو اپنی صحیح میں کیوں جگہ دی؟ اور زیادہ حیرت اس امر پر کہ جس انسؓ کو اپنے آقاؐ پر اور پیغمبرؐ کی عمر تک معلوم نہیں تھی اس کی باقی تمام روایات کو امام

بخاریؒ نے کیسے صحیح سمجھ لیا؟ اس (دوا سلام ص ۱۸۶) برق کے خیال باطل میں اس روایت کی وجہ سے حضرت انسؓ کی جملہ مرویات غیر صحیح ہیں۔ بات کا متنگ بنانا اسی کو کہتے ہیں۔ کسی کہنے والے نے برق ہی کے لئے یہ فقرہ موزوں کیا ہے۔

جھوٹ کو سچ کر دکھانا کوئی ان سے سیکھ جائے صحیح بخاری شریف کی ایک یہ غلطی بھی برق نے ڈھونڈ پائی ہے کہ بالاتفاق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ مگر بخاری شریف میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ کی کتابت کے وقت حضرت علیؓ کے کہنے پر کہ قسم خدا کی یا رسول اللہ میں آپ کے لئے رسول کا لفظ نہیں مٹاؤں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کاغذ کو لیکر اور آپ نے اس پر سے لفظ رسول کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دیا تھا، حالانکہ آپ امی تھے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ روایت غلط ہے اور بخاری اس غلط روایت کی بنا پر ناقابل اعتبار ہے۔ (تفصیل کیلئے دیکھو دوا سلام ص ۱۹۵، ۱۹۶)

برق نے جس حدیث کو یہاں مشق تکذیب کے لئے انتخاب کیا ہے اس کے بارے میں تفصیلات یہ ہیں کہ حضرت علیؓ نے پیاس ادب مٹانے سے انکار کیا تھا۔ اس پر آپ نے کاغذ لیکر اپنے دست مبارک سے لفظ رسول کو مٹا دیا اور پھر حضرت علیؓ کو فرمایا کہ اب محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ اس روایت میں مضمون مقدر یوں ہے۔

فاخذ رسول الله صلى الله عليه وسلم الكتاب للمحوفمحاہ بیدہ لا متناع علی بمقتضى ادبه فكتب اى امره بالكتابة او كتب على بعد محوه۔ (طبی و مرقاۃ وغیرہ حاشیہ مشکوٰۃ ص ۳۵۵)

یعنی محو کرنے کے لئے آپ نے کاغذ کو ہاتھ میں لے لیا اور مٹا کر حضرت علیؓ کو لکھنے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ حضرت علیؓ نے پھر لکھ دیا۔ هذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد الله۔ (تفصیلات کے لئے دیکھو فوق بلگرامی کی تاریخ امیر المومنین)

اصل واقعہ یہ ہے مگر برق کو ”مشق تکذیب“ کے لئے بخاری شریف کی ہزار ہا احادیث صحیحہ میں کہیں انگلی رکھنے کی جگہ نہ مل سکی تو اسی ”شوشتے“ کو لے اڑے۔ یہ اس چیز کا ثبوت ہے کہ بخاری شریف درحقیقت اپنی جگہ پر ایک مہتمم بالشان صحیح اور مستند کتاب ہے جس میں دشمنان حدیث کے لئے انگلی رکھنے کی ازاول تا آخر کہیں بھی جگہ نہیں ہے اور جو بلا شک اصح الکتاب بعد کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کے بعد اسلام میں سب سے صحیح ترین کتاب ہے۔

برق نے بڑے غیظ و غضب کے ساتھ تنقید بخاری شریف کے لئے ”النگر لنگوٹے“ کسے تھے، مگر انجام کار کو دیکھ کر بیساختہ زبان پر یہ شعر آ گیا:۔

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا  
جو چیرا تو اک قطرہ خوں نہ نکلا



راشد و ان السلفہ اچھے لایلیہ تھے، ان کے لئے دنیا اور آخرت میں  
 نوابی ہے۔ (تفسیر القرآن مجید، ج ۱، ص ۱۰۱)۔  
 (۱۰۱-۱۰۲)

## حضور کی تصویر حدیث میں

پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ آپ کی پاکیزہ زندگی، آپ کے ظاہری و  
 باطنی اوصاف کے بارے میں جس قدر بھی معلومات ہیں ان سب کا اخذ کتب احادیث  
 و سیر میں اور اس بارے میں محدثین کرام و مؤرخین اسلام نے ان قدر دھونڈنا شروع کیا ہے  
 کہ سیرت مقدسہ کے ہر پہلو کو نمایا کر کے پیش کر دیا ہے جو اس قدر مکمل اور روشن ہے کہ  
 دنیا کا کوئی نبی ہر رسول ہر نبی ہر پیغمبر، فاتح اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 کے مقابلہ پر پیش نہیں کیا جاسکتا۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صائم الذہر، قائم  
 اللیل، نفع یتیموں کے مربی، بیواؤں کے نگہ ران، غریبوں کے شفیق، گمراہوں کو اٹھانے  
 والے، مظلوم کے لئے ڈھال بن جانے والے تھے۔ دنیا نے انسانیت میں آپ کے  
 زیادہ خوبصورت و خوب سیرت مکمل ترین انسان نے وجود نہیں پایا۔ سچ ہے کہ  
 حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری  
 آپ انچہ خوباں ہمہ دارند تو تھا داری  
 آپ کے اخلاق حسہ ہی کا نتیجہ تھا کہ خون کے پیاسوں کو آپ نے اپنا شیدہ بنالیا  
 اور دشمنوں کے مغرور متکبر سروں کو قدموں میں جھک جانے پر مجبور کر دیا۔ گذریوں کو قیصر  
 و کسری کے تخت پر بٹھا دیا۔ شراہیوں کو پاکساز، بیکاروں کو کارساز، یتیموں کو پاسبان اور  
 جاہلوں کو علم کائنات کا کلمہ دان بنا دیا۔ آپ کی مکمل بہترین تصویر صرف حدیث کی  
 برکت سے ہمارے سامنے آئی ہے اور برق خود اس حقیقت کا اعتراف ہے، چنانچہ  
 آپ فرماتے ہیں

اس میں کلام نہیں کہ حضورؐ کے ان اوصاف جمیلہ کا چرچا صرف احادیث کی بدولت ہوا۔ اور ہم حدیث کے اس گراں بہا ذخیرے پہ ہمیشہ ناز کرتے رہیں گے۔ (دوا اسلام ص ۱۹۹)

برق صاحب کی یہ عبارت پکار پکار کر اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے کہ جناب محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ کا چرچا احادیث کی بدولت ہوا ہے اور احادیث کے اس ذخیرہ کو اگر باطل محض قرار دے دیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بارے میں ہم قطعاً اندھیرے میں رہ جاتے ہیں۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے پھر برق نے ”دوا اسلام“ لکھ کر حدیث کی جو کچھ ”تفحیک“ توہین کی ہے اور جس طرح اسے خرم حقیقت کا ایک ”بت“ قرار دیا ہے یہ سراسر خود آپ ہی کے قول کے مطابق ایک کھلی ہونی ہرزہ سرائی نہیں تو اور کیا ہے؟ بلا شک ذخیرہ احادیث کی بدولت ہم نے قرآن مقدس کو سمجھا اسلام کو سمجھا، بانی اسلام کی حیات طیبہ کو سمجھا، حدود اسلام کو معلوم کیا، حلال و حرام کو پہچانا، نماز کی تفصیلات کو جانا، روزے کے احکام کو معلوم کیا، زکوٰۃ و حج کی تشریحات کو دریافت کیا۔ اگر احادیث کا یہ مقدس ذخیرہ ہمارے سامنے نہ ہوتا تو ہم ان سب چیزوں سے محض اندھیرے میں رہ جاتے۔ باری تعالیٰ نے اسی لئے قرآن مجید میں کھلے ہوئے لفظوں میں فرمایا تھا: **و انزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم**۔ اے رسول ہم نے اس قرآن کو تیری طرف اتار دیا اب اس کی تشریح اور وضاحت تیرا کام ہے۔ چنانچہ اللہ کے نبیؐ نے اپنے اسوۂ حسنہ سے پورے طور پر اس ارشاد کی تعمیل کر کے قرآن پاک کے ہر ہر اصولی حکم کی تشریح فرمادی، اسی کا نام حدیث ہے۔ یہ آیت صراحۃً بتلا رہی ہے کہ قرآن مجید کی وضاحت کے لئے بتیان رسولؐ کی اشد ضرورت ہے اور اس کے بغیر نزول قرآن کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ پس احادیث کے خلاف بغاوت کا جھنڈا اٹھانا اسلام کے ساتھ قرآن کے ساتھ ایک ایسی کھلی ہوئی غداری ہے، جسے کسی صورت میں بھی برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ برق

صاحب کو بھی ان جملہ حقائق کا اعتراف ہے، مگر پھر اسے کہتا ہے: ”اگر گد گدی اٹھتی ہے دل میں پارسا کو دیکھ کر۔“

آپ ہیں کہ بار بار بالکل اوجھے ہتھیرازوں سے حسن حدیث پر گولہ باری کرنے کے لئے اٹھتے ہیں اور ہر بار منہ کی کھاتے ہیں۔ چنانچہ اس عنوان کے ذیل میں بھی آپ نے جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا ایک ”بھیانک پہلو“ پیش کرنے کے لئے چند احادیث کو منتخب کیا ہے۔ جن پر ہم بھی تفصیلی نظر ڈالیں گے اور اپنے ناظرین کو دکھلائیں گے کہ برق اپنی حدیث دشمن کوششوں میں کس کس طور پر ناکام و نامراد ہو کر خائب و خاسر ہوئے ہیں۔ پہلے آپ نے روزہ کے بارے میں چند احادیث صحیحہ نقل کی ہیں جن میں بحالت روزہ ہر قسم کی برائیوں سے دور رہنے کی تلقین کی گئی ہے اور غنیمت ہے کہ آپ نے ان احادیث کو صحیح تسلیم کیا ہے اور ارشادات رسولؐ سے ان کو تعبیر کیا ہے۔ بلا شک روزے کی نہایت عمدہ تشریح احادیث میں درج ہے روزہ مقررہ حدود کے اندر اپنے کیر کمر، اپنے کردار پر کٹرول کرنے کا نام ہے۔ خود برق کے لفظوں میں روزہ ”ہر قسم کی بدزبانی، بدکاری، شہوت رانی سے دور رہ کر اپنے اخلاق اور روحانیت کو بلند کرنا ہے۔“ (دوا سلام ص ۲۰۰) حقیقی روزہ وہی ہے جس میں ہر قسم کی بدزبانی، بدکاری اور شہوت رانی سے پرہیز کیا جائے۔ اب برق صاحب کی ”برق پاشیاں“ ملاحظہ کیجئے۔ آپ بڑی جرأت، دلیری اور ڈھٹائی کے ساتھ اپنی ہفوات کو یوں چلاتے ہیں:

آئیے اب دیکھیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ان ارشادات پر کہاں تک عمل کیا۔ (دوا سلام ص ۲۰۱)

ناظرین کو یاد ہوگا، برق نے پچھلی کسی صحبت میں فرمایا تھا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مقدس میں کہی ہوئی ”جسارت“ کو بھی برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر یہاں آپ نہ صرف ہلکی بلکہ بہت بھاری ”جسارت“ کے لئے تیار ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال میں تضاد پینڈا کرنے کے لئے آپ بلا

سوچے سمجھے چند احادیث کو ”بہانہ“ بنا کر شان رسالت میں ایسے الفاظ حوالہ قلم کر جاتے ہیں۔ جن کو لکھتے وقت آریہ و عیسائی صاحبان کو بھی بہت سوچنا پڑتا، مگر آپ ہیں کہ بلا دھڑک دل جو بھی چاہتا ہے حوالہ قلم کر دیتے ہیں۔ برقی ہفوات کا خلاصہ یہ ہے کہ فرامین رسالت کی رو سے روزے میں پدربانی، بدکاری، شہوت رانی آداب روزہ کے سخت خلاف ہیں اور یہ کہ ایسی بھی احادیث موجود ہیں جن میں خود ذات نبوی کی طرف سے ایسے حرام گناہوں کا ارتکاب پایا جاتا ہے۔ استغفر اللہ۔

کبرت کلمۃ تخرج من افواہهم ان يقولون الا کذباً  
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کا ایک بناوٹی ”بھیاںک پہلو“ پیش کرنے کے لئے برقی نے اس حدیث کو پیش کیا ہے۔ دیکھو (دو اسلام ص ۲۰۱)

عن عائشۃ قالت کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقبل و یبایس و هو صائم (بخاری ص ۲۲۶) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام روزہ رکھ کر اپنی ازواج کے بوسے لیتے اور ان سے مباشرت فرمایا کرتے تھے۔ برقی نے ”لفظ مباشرت پر غلط بحث کرنے کے لئے سارا زور کلام صرف کر دیا ہے، حالانکہ مباشرت سے یہاں صرف جسم سے جسم کا چھونا مراد ہے۔ مباشرت سے ہر جگہ جماع مراد لینا یہ سراسر جہالت اور بددیانتی ہے۔ بخاری کی اس حدیث کی حقیقت سمجھنے سے پہلے ناظرین کو یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ اللہ پاک نے فرائض اسلام کے آداب و شرائط کے سلسلے میں از اول تا آخر جملہ تفصیلات کو اپنے رسولؐ کے ”اسوۂ حسنہ“ سے مکمل طور پر بیان کرا کے اس کو واضح کر کے رکھ دیا ہے۔ بہت سے کام ایسے ہیں جن کے ارتکاب سے نماز فوراً ٹوٹ جاتی ہے اور بہت سے ایسے بھی ہیں کہ جن سے نماز ٹوٹی نہیں۔ بلکہ اس کی تکمیل پر اثر پڑتا ہے اور بہت سے ایسے ہیں کہ جن کے ارتکاب سے نماز پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یہی حال روزے کا ہے۔ روزہ میں عمداً کھانا پینا مطلقاً حرام ہے، اسی طرح جماع کرنا بھی مطلقاً حرام ہے۔ مگر علاوہ ازیں بعض کام ایسے ہیں جن سے روزہ ٹوٹا نہیں بلکہ اس کی

تکمیل پر اثر پڑتا ہے۔ بعض بالکل مباح ہیں۔ برق نے جو حدیث یہاں نقل کی ہے اس میں جن کاموں کا ذکر ہے اگر وہ اپنی حدود میں ہیں تو باتفاق جمہور مسلمین ان سے روزے پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور حدود سے تجاوز کے بعد ان کا ارتکاب قطعاً ممنوع ہو جاتا ہے۔ اب لفظ ”مباشرت“ کے لغوی معنی پر غور کیجئے: مباشرت باب مفاعلہ کا مصدر ہے جو بشر (یعنی جسم) سے بنایا گیا ہے۔ جس کے معنی ہیں میاں بیوی کا جسم سے جسم لگانا۔

### مباشرت کے معنی

یہ لفظ جامعیت کے لئے بھی بولا گیا ہے اور محض جسم سے جسم لگانے کے معنی میں بھی۔ (ملاحظہ ہو کشمیری بیان اللسان ص ۶۸۲) اور اس حدیث میں یہی مراد ہے، جماع ہرگز مراد نہیں ہے۔ بلکہ بحالت صوم اس کی حرمت میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، ہاں محض محبت کے طور پر بغیر مقصد شہوات کے اپنی عورت کا بوسہ لے لینا یا اس کے جسم سے اپنے جسم کو چھو دینا اپنی ”حد“ کے اندر جائز ہے۔ یہ ”مباشرت“ قرآن مجید میں بھی مذکور ہے۔ روزہ کے حکم میں ارشاد ہے: لَا تَبَاسِرُوا هُنَّ وَ انْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ۔ یعنی جس حال میں تم لوگ رمضان کے دنوں میں مساجد کے اندر اعتکاف کر رہے ہو اس حال میں عورتوں کے بدن سے بدن بھی مت ملاؤ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مباشرت کرنے سے اعتکاف فی المساجد مانع ہے نہ محض صیام۔ اگر ایسا ہوتا یعنی صیام مانع ہوتا تو قرآن مجید میں یوں ارشاد ہوتا: لَا تَبَاسِرُوا هُنَّ وَ انْتُمْ صَائِمُونَ۔ یعنی صیام کی حالت میں عورتوں کے بدن سے بدن نہ ملایا کرو، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ پس قرآن مجید سے ثابت ہوا کہ روزہ کی حالت میں نہ بیوی کا بوسہ لینا منع ہے، نہ جسم کے ساتھ جسم ملانا، بلکہ دونوں فعل جائز ہیں۔ اس آیت کی تفصیل کے بعد خطرہ ہے کہ برق قرآن مجید سے بھی اسلام کی بھیا تک شکل نہ پیش کر بیٹھیں لا حضرت صدیقہؓ نے اس روایت کو اس لئے بیان فرمایا تا کہ لوگ حدود شرعیہ کو سمجھ لیں اور افراط و تفریط میں نہ واقع ہوں۔

کھلا ہوا جھوٹ

برق نے یہاں ایک آیت قرآنی نقل کی ہے: احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نسائکم ..... فالان باشر وھن۔ ظاہر ہے کہ ان آیات میں مباشرت سے جماع مراد ہے۔ جس کے لئے آگے خود قرینہ موجود ہے: وابتغوا ما کتب اللہ لکم۔ یعنی مباشرت کرو اور اولاد کے لئے تقدیر الہی کا انتظار کرو۔ معلوم ہوا کہ یہاں مباشرت یقیناً مجامعت کے معنوں میں ہے۔ اب برق کا کھلا ہوا جھوٹ ملاحظہ فرمائیے جو بڑی دریدہ دہنی کے ساتھ ”یوں چلتا“ ہے۔

یعنی صرف رات کے وقت مباشرت کی اجازت ہے لیکن یہ حدیث کھلی چھٹی دیتی ہے کہ دن ہو یا رات کام چلائے چلو۔ (دو اسلام ص ۲۰۲)

یہ عبارت بتلا رہی ہے کہ برق نے حدیث میں وارد شدہ مباشرت سے یقیناً جماع مراد لیا ہے اور یہ اتنا بڑا سفید جھوٹ ہے کہ اس پر جس قدر بھی اظہار نفرت کیا جائے کم ہے۔ آیت قرآنی میں جس مباشرت کے لئے رات کو اجازت دی گئی ہے حدیث کی مباشرت سے وہ ”مباشرت“ ہرگز ہرگز مراد نہیں ہے، اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ اس ذیل میں حضرت صدیقہؓ کا یہ بیان صاف موجود ہے: ”وکان املککم لا ربہ“، یعنی آپ ایسی مباشرت فرماتے تھے جس کا نفسانی شہوت سے کچھ بھی تعلق نہیں ہوتا تھا، اسلئے کہ آپ اپنے نفس پر بہت زیادہ قابو رکھنے والے تھے۔ یہ بیان صاف بتلا رہا ہے کہ اگر اس مباشرت کا نفسانی شہوت سے ذرا سا بھی تعلق ہو تو پھر یہ جائز نہ ہوگی۔ عون المعبود شرح ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۴ پر ہے: معنی المباشرة ہهنا اللمس بالید و ھو من التقاء البشورتین۔ یعنی یہاں مباشرت سے صرف ہاتھ سے چھونا مراد ہے اور لفظ ”مباشرت“ کا مفہوم دو جسموں کا ملنا ہے۔ ابوداؤد شریف میں جہاں یہ حدیث ہے وہاں آگے صاف باب موجود ہے: باب کراہیۃ للشباب۔ یعنی جوان کے لئے یہ

مباشرتِ بحالتِ روزہ مکروہ ہے۔ چنانچہ اس بارے میں حدیث ذیل صاف صریح موجود ہے۔ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ اَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ لِلصَّائِمِ فَرَخَّصَ لَهُ وَاتَاهُ الْخَمْرُ فَسَأَلَهُ فِيهَا فَادَّاهُ الَّذِي رَخَّصَ لَهُ شَيْخٌ وَالَّذِي نَهَاهُ شَبَابٌ (ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۸۵) حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے روزہ دار کے لئے نبی کریم ﷺ سے ”مباشرت“ کے بارے میں مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اس کو اجازت دیدی۔ پھر یہی مسئلہ ایک دوسرے آدمی نے پوچھا آپ نے اس کو منع فرمادیا۔ پس جس کو اجازت دی تھی وہ بڑھا تھا اور جس کو منع فرمایا وہ جوان تھا۔ اسی لئے حضرت عائشہؓ خود بھی بحالتِ روزہ لوگوں کو بعض مواقع پر مباشرت سے روکا کرتی تھیں۔ جیسا کہ اسود کہتا ہے: قُلْتُ لِعَائِشَةَ اَيُّ شَيْءٍ الصَّائِمِ قَالَتْ لَا (نسائی) میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا روزے دار کو مباشرت کی اجازت ہے فرمایا نہیں۔ ان ہی معنوں میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی ”مباشرت“ سے روکا کرتے تھے۔ (موطأ ص ۲۹) پس ہر دو فتاویٰ اپنے اپنے محل پر ٹھیک اور ہر دو قسم کی روایات بھی ٹھیک ہیں۔ مگر برق حدیث دشمنی سے مجبور ہیں کہ وہ ایسی چیزوں کو ”بہانہ“ بنا کر دلچجارات نکالیں۔ چنانچہ آپ اپنی فطری ”متانت اور تہذیب“ کے لہجہ میں فرماتے ہیں؟

ہمارے محدثین اس لذیذ فعل کے اس قدر شائق تھے کہ ایک سے ایک بڑھتے چلے گئے۔ (دوا اسلام ص ۲۰۵)

”ہرزہ سرانی“ ملاحظہ ہو کس سو قیانہ طرز سے برق نے محدثین کرام پر حملہ کیا ہے؟ برق میں اگر سچائی اور دیانت کا ایک ذرہ بھی تھا تو آپ کا فرض تھا کہ کوئی ایسی روایت پیش کرے جس میں بحالتِ صوم (۱) بدزبانی کا جواز پایا جاتا۔ (۲) بدکاری کی اجازت ہوتی۔ (۳) شہوتِ رانی کی ترغیب پائی جاتی۔ اگر ایسی کوئی بھی روایت آپ پیش کرتے تو آپ کی صداقت کا نشان ہوتا اور ہم بھی آپ کے یقیناً ہم نوا ہو جاتے، مگر

افسوس کہ برق اپنے ناپاک مقصد کے حصول میں قطعاً ناکامی کے ساتھ منہ کی کھار ہے ہیں اور جب کچھ بھی بس نہیں چل سکا ہے تو لگے ایک مناسب حدیثی تشریح میں کاٹ چھانٹ کر ٹکے اس کو اپنے ناپاک مقصد کے لئے استعمال کرنے اور محدثین کرام پر کیچڑ اچھالنے۔ یہ ساری کیفیت بتلا رہی ہے کہ برق ”کھسانی ملی کھبانو چے“ کے مطابق محض ہرزہ سرائی سے حدیث کے قلعہ کو فتح کرنا چاہتے ہیں۔

### بدحواسی

معلوم ہوتا ہے کہ برق ہرزہ سرائی کے اس قدر شائق ہیں کہ محدثین کرام رضی اللہ عنہم کے اوپر کیچڑ اچھالتے ہوئے خود بڑھیا سے بڑھیا بات تراشتے چلے جا رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی بدحواسیوں کی عجیب در عجیب مثالیں بھی پیش کرتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ آپ نے حضرت عائشہؓ کی روایت بالا کی بالکل غلط توجیہ کرتے ہوئے فتح الملہم کی ایک عبارت نقل کی ہے جس میں مباشرت کے جائز حدود کی تشریح کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں فاضل شارح نے گھٹنوں سے نیچے اور ناف سے اوپر کی حدود بتلا کر مباشرت بمعنی مجامعت سے قطعاً دور رہنے کا اشارہ کر دیا ہے۔ یہ مولانا شبیر احمد عثمانی مولف فتح الملہم کا تشریحی بیان ہے۔ بخاری کی روایت میں صرف ”یقبل و یساشر“ کے لفظ ہیں، مگر برق کی بدحواسی ملاحظہ ہو کہ فتح الملہم کے تشریحی بیان کو بخاری کی طرف منسوب کر کے اپنی حدیث دشمنی کے بخارات خارج کرتے ہیں۔ چنانچہ آپ کی بدحواسی کا بیان یوں چلتا ہے:

امام بخاریؒ و مسلمؒ نے تو صرف بوس و کنار اور گھٹنوں سے نیچے استعمال آلت کی اجازت دی تھی۔ الخ (دوا اسلام ص ۲۰۵)

ناظرین ذرا غور کریں کہ کس طور پر برق صاحب اپنی ”بدحواسیوں“ کی ایک سے ایک بڑھیا مثالیں پیش کرتے چلے جا رہے ہیں۔ بیان تھا مولانا شبیر احمد مرحوم کا۔ لگا دیا اس کو امام بخاریؒ و مسلمؒ کے ذمے۔ اسی طرح آگے آپ نے ابو داؤد کی ایک روایت



کو مشق تکذیب کے لئے نشانہ بنانا چاہا ہے۔ روایت میں ذکر صرف اتنا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت روزہ اپنی بیوی حضرت عائشہؓ کا بوسہ دیتے اور ان کی زبان کو چوس بھی لیا کرتے تھے۔ پیچھے تفصیل سے لکھا جا چکا ہے کہ بحالت روزہ مباشرت خفیہ یعنی صرف بدن سے بدن ملانا جائز ہے اور جماع قطعاً حرام ہے۔ بدن سے بدن ملانے میں منہ اور زبان بھی داخل ہے۔

زبان کو چوسنے کا یہ مطلب لینا کہ آپ حضرت عائشہؓ کا تھوک اپنے پیٹ کے اندر بحالت روزہ اتار لیا کرتے تھے یہ برقی حاشیہ ہے۔

روایت میں یہ ذکر کہیں بھی نہیں ہے صرف چوسنے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ روزہ میں کسی غیر کے تھوک کو پیٹ میں داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے کیوں نہ سمجھ لیا جائے کہ آپ زبان کو چوس کر تھوک دیا کرتے تھے۔ اول تو سند کے لحاظ سے لفظ ”یَمصُّ لسانها“ ہی صحیح طور پر ثابت نہیں ہیں۔ صاحب عون المعبود فرماتے ہیں: قال ابن الاعرابی بلغنی عن ابی داؤد انه قال بهذا الاسناد ليس بصحيح. یعنی امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ لفظ صحیح سند سے ثابت نہیں ہیں ان کو صرف محمد بن دینار نے روایت کیا ہے۔ دیکھو عون المعبود شرح ابو داؤد ج ۲ ص ۲۸۵ اور اگر اس روایت کو صحیح تسلیم کیا جائے تو صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ: انه عليه السلام كان يبتلقه ولا يبتلعه. (حوالہ مذکور) یعنی آپ زبان کو چوس کر تھوک دیا کرتے تھے اور اس کو نگلا نہیں کرتے تھے۔ اب بتلائیے کیا اشکال باقی رہا؟ مگر بریق صاحب کو محدثین کرام رضی اللہ عنہم کی توہین و تنقیص کے لئے کوئی بہانہ چاہئے۔

برقی قسم کے جملہ اعتراضات کا جواب خود حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں ان لفظوں میں موجود ہے: وَكَانَ اَمْلَكُكُمْ لَا رِبَّهَ. یعنی آپ کے اس اظہار محبت کا شہوت رانی سے ہرگز ہرگز کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ آپ کو اپنے نفس پر پورا ضبط حاصل تھا۔ معلوم ہوا۔ کہ حضرت عائشہؓ کا مافی الضمیر بھی یہی ہے کہ اگر حدود مقررہ کے اندر

مباشرت ہوگی تو اجازت ہوگی ورنہ اس کو ناجائز قرار دیا جاسکے گا۔ اسی لئے بعض مواقع پر آپ نے جواز کے خلاف بھی فتویٰ دیا۔ جیسا کہ پیچھے گزرا ہے۔ اور بعض موقع پر اجازت بھی دی جیسا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عبد الرحمن بن ابوبکر صدیقؓ کو تعمیل کی اجازت دی تھی اور ان کے دریافت کرنے پر بتلایا تھا کہ اپنی حدود میں یہ کام بحالت روزہ درجہ جواز میں ہیں۔ شریعت کے جزوی اور کلی احکامات اور تفصیلات کو روشنی میں لے آنا اس زمانے کا اکابر اسلام کا فرض تھا۔ اور حضرت عائشہؓ بھی اکابر اسلام سے ہیں کہ جناب ختمی ثاب کی حرم محترم ہیں آپ سے زیادہ حدود الہی کا جاننے والا کون ہوگا۔ اس لئے آپ موقعہ محل کی مناسبت سے جزوی و کلی احکامات و تعلیمات کا اظہار ضروری جانتی تھیں۔ مگر برق کے نزدیک یہ ”عیب“ ہے۔ اسی لئے آپ کو حضرت عائشہؓ کے اس قسم کے مسائل بتلانے پر بھی اعتراض ہے۔ چنانچہ آپ اپنی فطری متانت کے لہجہ میں اپنے بیاں کو یوں چلاتے ہیں:

کیا روزے میں بوس و کنہ ارقا ضروری فعل تھا کہ اگر رہ جاتا تو ساری امت پر

بتا ہی آ جاتی۔۔۔۔۔ یہ مباشرت کہاں کا حکم تھا۔۔۔۔۔ ساری قوم میں حضرت عائشہؓ

ہی کو کیا پڑی تھی کہ مباشرت کی تلقین کرتی پھریں۔۔۔۔۔ دشمنان اسلام نے

حضرت عائشہؓ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقار کو کم کرنے کے لئے یہ

احادیث وضع کیں۔ (دوا اسلام ص ۲۰۷)

کسی صحیح اور مستند حدیث کو ”دشمنان اسلام کی گھڑنت“ بتلانا اور احکام اسلام کے

جائز و ناجائز حدود کے اظہار پر ناک بھوں چڑھانا یہ ایسے ہی لوگوں کا شیوہ ہو سکتا ہے

جن کو حدود الہی کی پرواہ نہیں، جو جائز ناجائز کے جھیلوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار

نہیں جو ممنوعات اور مamonورات کا فرق جاننے کے لئے آمادہ نہیں۔ یہی آج کل کے

”آزاد منش مسلم نما ملاحدہ“ کی کیفیت ہے جو جملہ حدود و قیود اسلامی کو توڑ کر محض طاغوتی

آزادی کی فضا میں مسلمان کہلانا چاہتے ہیں، اگر حدود الہی کا معاملہ ایسا ہی ہلکا ہوتا تو

قرآن اقدس میں بار بار یہ لفظ نہ وارد ہوتے: تلک حدود اللہ فلا تعتدوها ومن يتعد حدود الله فلا لنك هم الظالمون ○ یہ اللہ کی حدود ہیں۔ ان سے تجاوز کرنے والوں کو ظالم قرار دیا جائے گا۔ روزے کے بارے میں اس قدر تفصیلات کو اس لئے بھی روشنی میں لایا گیا کہ اسلامی روزہ اذیان سابقہ کے افراط و تفریط والے روزہ سے ممتاز ہو سکے۔ ایسی قومیں بھی آج تک دنیا میں موجود ہیں جن کے ہاں بحالت روزہ نہ صرف کھانا پینا بلکہ بات چیت تک کرنا ممنوع ہے اور ایسے مذاہب بھی موجود ہیں جن کے ہاں روزے میں بہت سے ناپا کولات و مشروبات کی بلا کھلے اجازت ہے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ اسلامی روزے کے جزوی اور کلی جائز و ناجائز حدود ظاہر کر کے رکھ دیئے جائیں اور بتلادیا جائے کہ بحالت روزہ عورت کے نزدیک رہ کر بھی حدود الہی کی پابندی کی جاسکتی ہے اور کمال بھی اسی کا نام ہے۔ شارع کا مقصد یہی تھا کہ اسلامی روزہ افراط و تفریط سے پاک رہے اور شریعت محمدی کا یہ عظیم الشان نیک عمل اذیان سابقہ کی طرح مسخ نہ ہونے پائے۔ ان تمام جزوی مسائل کو اسی غرض سے پیش کیا گیا ہے مگر

چشم اندازِ اندیش کہ برکنہ یاد

نمایا ہنرش اور نظر

مباشرت در حیض

بحالت حیض عورت کو ”اچھوت“ قرار دے کر اس کو بالکل شجر ممنوعہ قرار دینا دنیا کی بہت سی قوموں کا دستور رہا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا بھی استعمال میں لانا خلاف تقویٰ سمجھا جاتا رہا ہے۔ قرآن پاک کی آیت ذیل میں جائزہ کا ذکر ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ اَذْيٌ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي

الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهُرْنَ اِذَا طَهَّرْنَ فَاتَوْهُنَّ مِنْ

حيث امرکم اللہ۔

آیت میں بتلایا گیا ہے کہ خون حیض میں ملاپ کرنے سے ہر دو کو تکلیف ایدہ پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اس لئے اس وقت عورت سے ملاپ مت کرو۔ ہاں جب وہ پاک صاف ہو جائیں تو پھر قانون فطرت کے مطابق ملاپ کرو۔ باری تعالیٰ کو برق جیسے حرفین اسلام کا پہلے ہی سے علم تھا۔ اس لئے آیت ہذا میں مباشرت کی وضاحت میں آیت کا جملہ ”فیاتوہن من حیث امرکم اللہ“ صاف بتلا رہا ہے کہ بحالت حیض جماع سے روکا جائز ہے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ دور رہو اور قریب بھی نہ جاؤ۔ یہ سب نہی عن الجماع سے کنایات ہیں۔ اس آیت شریفہ میں مباشرت خفیہ یعنی حائضہ عورت کے جسم سے جسم چھو جانے کی ممانعت کا ذکر قطعاً نہیں ہے۔ حائضہ سے صرف جماع منع ہے باقی اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا حلال ہے، اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا جائز ہے، اس کے جسم سے جسم کا ملا دینا جائز ہے۔ یہی مباشرت کا مفہوم ہے جو حدیث ذیل میں وارد ہوا ہے:

عن عائشة ..... کان یامرنی فانتز فیما شرنی وانا حائض۔ (بخاری شریف) یعنی خود حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بحالت حیض جبکہ میں تہ پوش پہنے ہوئے ہوتی۔ میرے جسم سے اپنا جسم ملایا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شارع تھے آپ کا ہر ہر فعل امت کے لئے شریعت بننے والا تھا۔ پس آپ کا یہ ”فعل“ اس لئے بیان کیا گیا کہ حلال و حرام کا بیان واضح ہو جائے، جائز و ناجائز حدود کی وضاحت ہو جائے۔ آپ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت شریفہ تھی کہ یا ایہا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک۔ اے نبی جو چیز خدا نے تیرے لئے حلال کی ہے اس کو تجھے حرام کرنے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ سچ ہے: الحلال بین والحرام بین الخ۔ یعنی حلال و حرام سب امور بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام جانو اور جو چیزیں مشتبہات میں سے ہیں ان سے بچو۔ بلا شک باتفاق جمہور مسلمین عورت نے بحالت حیض صرف جماع حرام ہے۔ علاوہ ازیں عورت کے

ساتھ میل ملاپ، اٹھنے بیٹھنے کو حرام قرار دینا یہ ”برقی مذہب“ ہے جو یہودیت کا ”جرہ“ ہے۔ جس کے لئے کتاب اللہ سے بھی کوئی دلیل نہیں پیش کی جاسکتی۔ ہاتھ تو بڑھانکے ان کنتم صادقین۔ بلا شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے بہت زیادہ ڈرنے والے اور حدود الہی کو بہت زیادہ جاننے والے تھے۔ آپ سے جو کچھ روایات صحیحہ مستندہ میں وارد ہو گیا بلا شک وہ سب کچھ حدود الہی کے اندر داخل ہے اور احکامات قرآن مجید کی صحیح تشریح ہے۔ اس حقیقت کے بعد ”ہفوات برق“ کا مطالعہ کیجئے جن کی تفصیل آپ کی قلم ہفوات رقم سے یوں چلتی ہے:

ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ قرآن تو حیض کی حالت میں بیویوں سے دور رہنے اور قریب نہ جانے کا حکم دے اور اللہ سے بے حد ڈرنے والا اور خدائی حدود کو سب سے زیادہ پہچاننے والا رسول علیہ السلام اس حالت میں مباشرت کرتا پھرے۔ (دوا سلام ص ۲۱۰)

ظاہر ہے کہ برقی ہفوات کی یہ دیوار ”مباشرت“ بمعنی جماع پر تعمیر ہوئی ہے۔ حالانکہ روایت بخاری میں اس قسم کی مباشرت ہرگز مراد نہیں ہے۔ حدیث کا لفظ ”یا مرنی فانتور“ آپ مجھ کو ازار بند ہوا دیا کرتے تھے ”صاف بتلا رہا ہے کہ مباشرت واردہ سے مراد جماع نہیں، بلکہ صرف بدن سے بدن ملانا ہے اور قرآن مجید میں دور رہنے اور قریب نہ جانے سے مراد جماع سے روکنا ہے۔ برق نے حدیث و آیت ہر دو میں تحریف کی ہے۔ آپ نے حدیثی مباشرت سے جماع کو مراد لے لیا اور قرآنی اعتزال سے عورتوں سے بالکل دور رہنا، ان کے جسم سے جسم تک نہ چھو جانا مراد لے لیا، حالانکہ نہ حدیث میں برقی مراد ہے نہ آیت میں، بلکہ برق نے ہر دو میں تحریف کر کے اپنی ہفوات کے لئے راستہ ہموار کرنا چاہا ہے۔

برق صاحب؟ اللہ اور اس کے رسولؐ کی مراد کے خلاف آیات و احادیث میں کتر بیہوش کرنا یہ کونسا ”اسلام“ ہے؟ آپ کی مزید ہفوات یوں چلتی ہیں:

کیا مباشرت کئے بغیر یہودی عقیدہ کی تردید نہیں ہو سکتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بیک وقت دس بیویاں موجود تھیں..... حاکمۃ ہی سے مباشرت کرنا اور خدائی حدود سے متجاوز ہونا کہاں تک قرین قیاس ہے..... یہ عجیب قسم کا ضبط تھا کہ بقول بخاری و مسلم آپ نہ روزے میں مباشرت سے رکتے تھے اور نہ حیض میں۔ (دو اسلام ص ۲۱۰، ۲۱۱)

### دیانتداری کا نمونہ

آپ نے ان ہفتوں کو چلانے میں بار بار ”مباشرت کرنے“ کا لفظ استعمال کر کے اپنی دل کی چوری کی طرف اشارہ کر دیا ہے آپ کا ضمیر شہادت دے رہا ہے کہ صرف لفظ ”مباشرت کرنا“ ہی کی نقل میں برقی دیوار تعمیر ہو سکتی ہے اور جہاں اس کی اصطلاحی تشریح کی برق کی تعمیر کردہ ریت مٹی کی دیوار فوراً منہدم ہو جائے گی، اس لئے آپ نے ہر جگہ لفظ مباشرت ہی کو استعمال کیا تاکہ ناظرین کو دھوکا دینے کے لئے آپ کا برقی جادو پورا کام کر سکے مگر برق کی یہ صرف ”بددیانتی“ ہی نہیں بلکہ ایک سخت بھول ہے۔ حقیقت کو ایسے مصنوعی پردوں سے چھپایا نہیں جاسکتا۔ حقیقت ایک نہ ایک دن ظاہر ہو کر رہتی ہے اور الحمد للہ کہ آج دن حقیقت الامر کے اظہار نے برق کی جھوٹی مصنوعی ریت کی دیوار کا نام و نشان مٹا کر رکھ دیا اور ناظرین باتمکین کے ہر حلقہ کی طرف سے ”برق“ کے لئے ”شرم شرم“ کے نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ سچ ہے: فغلبوا هنالک وانقلبوا صاغرين ○

### کردار رسولؐ پر برق کی ایک اور چوٹ

بخاری شریف و مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک ہی برتن میں غسل جنابت فرمایا کرتے تھے۔ روایت میں یہ ذکر ہرگز نہیں ہے کہ آپ کا یہ غسل بحالت برہنگی ہوتا تھا۔ پھر ہم یہ کیوں نہ تسلیم کر لیں کہ یقیناً یہ غسل ازار پوشی کی حالت میں ہوتا تھا۔ مگر برق کی ”ہلکی جسارت“ ملاحظہ ہو۔

بار بار لکھے چلے جا رہے ہیں کہ:

”خضور ازواج کے ہمراہ برہنہ غسل فرمایا کرتے تھے۔“ (دوا اسلام ص ۲۱۱)

کیا برق یا برق کا کوئی ہم نوا بتلا سکتا ہے کہ لفظ ”برہنہ“ روایت کے کون سے لفظ کا ترجمہ ہے؟ ہم بلا کھٹکے یہ کہیں گے کہ ایسا ترجمہ بڑی اضافہ ہے، ہاں یہ حقیقت ایک الگ چیز ہے کہ میان بیوی کے ازدواجی تعلقات فطرت نے ایسے رکھے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی پردہ نہیں رہتا۔ اسی لئے قرآن مجید میں میان بیوی کی پوزیشن یوں بیان کی گئی ہے: **هَن لِبَاسٍ لِّكُم وَ لِبَاسٍ لَّهِنَّ** ”عورتیں خاوند کا لباس ہیں اور خاوند عورتوں کے لباس ہیں“ اور ظاہر ہے کہ لباس میں جسم ایسے کوئی پردہ نہیں رہ سکتا۔ یہی حال عورتوں اور خاوند کا ہے پس اگر میان بیوی کے ہمراہ بحالت برہنگی بھی غسل کر لے تو اخلاقاً و شرعاً یہ کوئی معیوب چیز نہیں ہوگی۔ ہاں عورتوں کے لئے یہ اجازت ہرگز نہیں ہے کہ زن و شوئی کے رازوں کو برملا ظاہر کریں۔ بلکہ حدیث کی رو سے ایسی عورتوں پر لعنت وارد ہوئی ہے۔ مگر ان کا ایک ساتھ غسل کر لینا شرعاً و اخلاقاً کوئی معیوب امر نہیں ہے۔

خود علامہ برق کا فتویٰ بھی یہی ہے جو بیویوں چلتا ہے۔

”میں مانتا ہوں کہ شرعاً اس میں کوئی ہرج نہیں۔“ (دوا اسلام ص ۲۱۲)

اپنی بیوی کے ہمراہ نہانا برا نہیں۔ (حوالہ مذکور)

برق کے یہ الفاظ ظاہر کر رہے ہیں کہ روایت واردہ میں اول تو برہنگی کا ذکر ہی نہیں ہے اس لئے کیوں نہ اس کے خلاف سمجھ لیا جائے اور اگر یہ ہو بھی تو یہ شرعاً و اخلاقاً کوئی معیوب چیز نہیں ہے۔ اس حقیقت کے باوجود ہفوات کی ایک دیوار تعمیر کر کے کردار رسول پر چوٹ کرنا اور حقائق کا مذاق اڑانا کہاں کی شرافت ہے؟ افسوس کہ برق نے اپنی برقی ہفوات کی رو میں نشان رسالت کی تنقیص کے لئے ایسے خطرناک دروازے کھول دیئے ہیں کہ دشمنان اسلام و معاندین قرآن ان راستوں سے جب بھی چاہیں گے بانی اسلام کی مقدس شخصیت کے خلاف ہرزہ ہرائی کر سکیں گے۔ افسوس کہ اس گھر کو آگ

لگ گئی گھر کے چراغ سے۔

برقی مذہب یا یہودیت کے چربہ میں غالباً حائضہ عورت کے جھوٹے پانی کا استعمال حرام ہو جاتا ہے۔ اس لئے آپ کو یہ روایت بھی کھٹکی جس میں ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کا جھوٹا پانی پی لیا کرتے تھے جبکہ وہ حائضہ ہوتی تھیں۔ اسی طرح یہ روایت بھی آپؐ نے ”تغیر ہفوات“ کے لئے منتخب کی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ایک دفعہ اپنے بھائی کو پردہ کر کے غسل کرنے کا طریقہ عملی طور پر بتلا دیا تھا اس میں یہ ذکر ہرگز نہیں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے یہ غسل بحالت برہنگی کر کے دکھلادیا تھا۔ غسل کرنے کے لئے برہنہ ہونا ضروری نہیں ہے۔ پس یقیناً حضرت عائشہؓ نے ہر ممکن احتیاط کے ساتھ یہ غسل کیا ہوگا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ظاہری طور پر صرف ضروریات غسل کو سمجھا دیا ہو۔ یہ سب کچھ ہے۔ مگر برقی ہفوات کی تان یہاں آ کر ٹوٹتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ یہ احادیث یا تو یہود و نصاریٰ نے وضع کی تھیں اور یا ان شہواتی ملاؤں نے جو ہندوؤں کی طرح عیاشی و شہوت رانی کو جزو مذہب بنانا چاہتے تھے۔ (دو اسلام ص ۲۱۴)

زن و شوقی تعلقات کے بارے میں قرآن مجید کے اندر بھی تفصیلات موجود ہیں مثلاً: نساؤکم حرث لکم فاتوا حرثکم انی شنتم۔ (سورہ بقرہ)

عورتیں تمہاری کھیتی ہیں کھیتوں میں جس طرح چاہو غم ریزی کرو۔

خطرہ ہے کہ برق آئندہ ”کسی اور اسلام“ کی تخلیق کے وقت قرآن مقدس کی ان آیات کو بھی یہود و نصاریٰ یا شہواتی ملاؤں کی وضع کردہ نہ قرار دے بیٹھیں؟

باجماع جمہور اہل اسلام نماز کے لئے غسل اسی وقت فرض ہو جاتا ہے جبکہ مرد عورت سے ہمبستری شروع کر دے انزال ہو یا نہ ہو۔ مگر غسل جنابت برائے نماز یقیناً فرض ہو جائے گا۔ جمہور صحابہ و تابعین و محدثین و امامان دین کا اس پر اجماع ہو چکا ہے۔



اسی مسئلے کو حدیث ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

۱: اجلس بين شعبها الاربع ثم جهدها واجب عليه الغسل و ان لم ينزل: (مسلم) جب بھی مرد عورت کے اوپر چڑھ کر جماع کے لئے عملی کوشش شروع کر دے غسل واجب ہو جائے گا اگرچہ انزال نہ ہو۔ ایک بالکل صحیح و سیدھی حقیقت کو اس کے اصلی رنگ میں واضح کر دیا ہے۔ مگر برق کو اس حدیث کے الفاظ خلاف فصاحت نظر آ رہے ہیں۔ آپ کی فصاحت بیانی یوں چلتی ہے:

حدیث کی زبان دیکھئے کہ ماشاء اللہ کتنی پاکیزہ اور شستہ ہے ان اقوال کو اس

افصح العرب والجم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے کی جرأت اس

خاکسار کو تو نہیں۔ (دوا اسلام ص ۲۱۲)

میان بیوی کی اس اجتماعی کیفیت کا ذکر قرآن مجید میں ایک جگہ ان لفظوں میں

وارد ہے: فلما تغشاها حملت حملا خفيفا فمرت به فلما أثقلت الآية

(سورہ اعراف) فلما تغشاها ہی کی تشریح اذا جلس بين شعبها الاربع میں ہے

ہر دو جگہ ایک ہی حقیقت ہے جس کو بہت ہی قریب کے کنایات سے ظاہر کیا گیا ہے۔

برق کو چاہئے کہ آیت شریفہ ”فلما تغشاها“ (جبکہ مرد نے اوپر چڑھ کر عورت کو

ڈھانک لیا) کے بارے میں بھی لکھ دیں کہ قرآن کی زبان دیکھئے پاکیزہ اور شستہ ہے

استغفر اللہ العوذ باللہ سچ ہے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا اڑانے میں

تیرے ہے مرغ قبل نما آشیائے میں

یوں ہی اللہ

حضرت صفیہؓ کا نکاح

حضرت صفیہؓ بنت جحش بن اخطب ایک رئیس زاوی جنگ خیبر کے اسیروں میں

تھیں۔ گرفتاری کے بعد اس کی عزت و حیثیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے حرم محترم میں ان کو شامل کر لیا گیا۔ عزت و حشمت کے ساتھ خدا نے ان کو جمال و جس کی دولت بھی عطا کی تھی اور ظاہر ہے کہ حسن سیرت کے بعد عورت کا جمال ایک خدا داد نعمت ہے۔ حضرت صفیہؓ کو حرم نبوی میں داخل کرانے کا جب ذکر چلا تو اس سلسلے میں اس کی عزت و حشمت کے ساتھ ساتھ اس کے حسن و جمال کا بھی چرچا ہوا اور شدہ شدہ یہ چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک بھی پہنچی۔ آپ نے بہر حال ان کو حرم رسالت میں داخل فرمانے کا شرف عطا فرمایا۔ اسی امر کا ذکر حضرت انسؓ کے لفظوں میں یوں وارد ہوا کہ فتح خیبر کے موقع پر حضرت صفیہؓ کی عزت و حشمت کے ذکر کے ساتھ ساتھ ان کا حسن و جمال بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ذکر میں لایا گیا آپ نے (بہر حال) حضرت صفیہؓ کو حرم میں داخل فرمایا ایک حقیقت ہے جو صحیح بخاری کی اس روایت میں ذکر کی گئی۔ اس کو داستان جہو بنا کر اس کے اوپر ہفوات کی دیوار تعمیر کرنا احادیث نبوی کے ساتھ ایک کھلی ہوئی غداری نہیں تو اور کیا ہے۔

اوصحیح احادیث نبوی کی تکذیب کرنے والو! اگر بروز قیامت تم سے باز پرس نہ ہوئی تو یقیناً ابوجہل و ابولہب سے بھی نہ ہوگی۔ اگر صحیح احادیث رسولؐ کی تکذیب کے باوجود تم خدا کی مار سے بچ گئے تو یقیناً یزید بھی عذاب الہی سے بچ جائے گا جس نے شہادت حسینؓ کے مواقع پیدا کر کے عظمت حسینؓ کے بارے میں جملہ احادیث نبویؐ کو پامال کر ڈالا تھا۔ یزید نے عظمت حسینؓ کی احادیث کی تکذیب کی اور تم نے از اول تا آخر سارے اسلام کی تفصیلات کو پامال کر ڈالا۔ یزید نے عزت حسینؓ کو خاک میں ملایا۔ تم نے جد حسینؓ کی احادیث کا انکار کر کے ہمارے قرآن مقدس کو ایک معصہ اور بالکل چیتا بنا دیا۔

ظالمو! سنو تمہارے لئے قرآن مجید کیا الٹی میٹم پیش کرتا ہے: وَمَنْ يَشْتَاَقِ  
الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ  
وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ۝ جو لوگ ہدایت الہی کی تفصیلات (یعنی احادیث

نبویؐ) سامنے آ جانے کے بعد بھی رسول علیہ السلام کی مخالفت کریں اور جملہ اہل اسلام مومنین کے صحیح اجماعی راستہ کو چھوڑ کر (جو یقیناً اتباع القرآن والحدیث ہے) اپنے لئے کوئی الگ نیا راستہ تجویز کریں ہم بھی ان کے منہ کو بے لگام کر دیں گے اور ان کو اس دوزخ میں داخل کر دیں گے جو بہت ہی بری جگہ ہے۔

### سیرت رسولؐ پر برق کی ایک اور چوٹ

دنیا کی گاڑی کو کھینچنے والے دواہم ترین پیسے ہیں جن میں ہر دو بے حد ضروری ہیں اور اگر ایک بھی ان میں سے نہ ہو تو یہ گاڑی ایک فرلانگ بھی نہیں بڑھ سکتی ان میں ایک مرد اور دو سہرا پیہ عورت ہے۔ مرد عورت ہی مل کر دنیا کی گاڑی کو کھینچ رہے ہیں اور ان ہر دو کے اتحاد سے یہ ہمارا عالم آباد ہے۔ دنیا کی یہ ساری نیرنگیاں صرف ان ہر دو کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے دنیا کا کوئی عقلمند انسان اس سے منکر نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل دنیا کے بیشتر مسلمہ مذاہب میں عورت کی اہمیت کو اس کا صحیح مقام نہیں دیا گیا بلکہ اس کو ہر جگہ نظر انداز کیا گیا اور اس کو صرف تکمیل شہوت کا ایک کھلونا بنا کر استعمال میں لایا جاتا رہا۔ تجر دور رہا نیت کے قصے آپ کو دنیا کی بیشتر قوموں میں، بیشتر مذاہب میں ملیں گے وہ سب اسی غلطی کے نتائج تھے کہ عورت کو اس کا صحیح مرتبہ نہیں دیا گیا۔ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ہی دنیا کے وہ عظیم ترین ریفاہر ہیں جنہوں نے اس افسوسناک حقیقت پر توجہ فرمائی اور اپنی اصلاحی اسکیم میں عورت کی عزت و اہمیت کے مسئلہ کو صفحہ اول پر جگہ دی۔ آپ نے عورت کے لئے ہر حیثیت سے بڑی فراخ دلی کے ساتھ بہت سی عزتیں بخشیں۔ ماں کی حیثیت میں جنت کو اس کے قدموں کے نیچے بتلایا۔ بیٹی کی حیثیت میں اس کی پرورش پر جنت میں اپنی معیت کی بشارت دی اور بیوی کی حیثیت میں اس کو جملہ جائز حقوق انسانی کا مستحق ٹھہرایا۔ الغرض عورت کو اس کا صحیح

مقام صرف اسلام کی بدولت اور بانی اسلام کے طفیل حاصل ہوا ہے۔ اس مختصر سی تمہید کے بعد آپ بانی اسلام کی حیات مقدسہ پر نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آپ نے عملی دنیا میں عورتوں سے کس قدر مہربانی و نرمی کا برتاؤ پیش کیا ہے اور اپنے اسوۂ مبارکہ سے اپنی حرم محترم ازواج مطہرات کے بارے میں کتنی بہترین خانگی زندگی کا منظر ہمارے سامنے رکھا ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ کیا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یدور علیٰ نسائه فی السباعة الواحدة من الليل والنهار وھن احدی عشرة الخ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس (بعض دفعہ) رات یا دن کی کسی ساعت میں دورہ فرمایا کرتے تھے اور وہ گیارہ تھیں۔ ظاہر ہے کہ روایت میں محض آپ کے دورہ فرمانے کا ذکر ہے ”یدور“ کا لفظ صراحتاً اس پر دلالت کر رہا ہے۔ دورہ فرمانے کے لئے جماع کو ضروری قرار دینا یہ ”برقی گپ“ ہے جو اس موقع پر اس نے ہانکی ہے۔ آپ کا دورہ فرمانا ان کی مزاج پر ہی کے لئے ان کی ضروریات خانگی کی تکمیل کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ گیارہ گھرانوں میں پھرنا اور ایک ساعت میں ان کی خانگی ضروریات کا انتظام کر دینا کسی کمزور آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے روایت میں بیان کیا گیا کہ آپ کمزور نہیں تھے بلکہ آپ جسمانی طاقت کے لحاظ سے تیس آدمیوں کے برابر طاقت رکھتے تھے۔ برق کی حدیث دشمنی ملاحظہ ہو کہ آپ کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مقدس سیرت پر بھی اعتراض ہے۔ روایت میں یہ ذکر ہرگز نہیں ہے کہ یہ دورہ محض جماع کے لئے ہوتا تھا۔ صرف ”یدور“ کا لفظ ہے جو جملہ مستورات کی خانگی ضروریات کی تکمیل کے لئے دورے پر دلالت کر رہا ہے۔ اور پھر آپ کی جسمانی و روحانی قوت عظیم پر، مگر برق کو آپ کی طاقت سے انکار ہے، آپ کی مقدس سیرت سے انکار ہے اور خواہ مخواہ ایک ایسا پہلو پیش کرنے کے لئے ہاتھ پیر مار رہے ہیں جس سے آپ کے خیال خام میں تنقیص کا پہلو ظاہر و نمایاں ہو۔ یہ بھی اپنی

جگہ پر بالکل صحیح ہے کہ آپ کے حرم محترم میں ازواج کی تعداد بیک وقت نو سے زیادہ ثابت نہیں ہے۔ اس روایت میں گیارہ کی تعداد لوٹدیوں کو شامل کر کے ذکر کی گئی ہے۔ علامہ عینی شارح بخاری فرماتے ہیں: قال ابن خزيمة لم يقل احمد من اصحاب قتادة احدى عشرة الا معاذ بن هشام عن ابيه وقد روى البخاري الرواية الاخرى عن انس تسع نسوة وجمع بينهما بان ازواجه كن تسعا في هذا الوقت كما في رواية سعيد و سريته مارية و ربحانة. یعنی اس حدیث کے راوی قتادہ کے شاگردوں میں ہوائے معاذ بن ہشام کے یہ گیارہ کے لفظ کسی شاگرد نے بھی روایت نہیں کئے ہیں۔ بخاری شریف کی دوسری روایت میں انسؓ نے آپ کی ازواج مطہرات کا نو ہونا مذکور ہوا ہے۔ دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ اس وقت میں آپ کی بیویاں نو تھیں اور دو لونڈیاں تھیں ماریہ اور ربیعہ ان سب کو ملا کر راوی نے گیارہ کا لفظ استعمال کر دیا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا نکاح نو سال کی عمر میں ہوا۔ یہ حدیث و سیر کا متفقہ بیان ہے۔ نکاح کے لئے فوراً ہی جماع کا ہونا ضروری نہیں ہے اور یہ ممکن بھی ہے کیونکہ آب و ہوا اور طبائع کے لحاظ سے بعض دفعہ لڑکیاں چھوٹی عمر ہی میں بالغ بھی ہو جاتی ہیں۔ جس حدیث میں حضرت عائشہؓ کے نکاح کا اور آپ کی عمر شریفیت کا ذکر ہے۔ برق اس کو ”خرافات“ سے تعبیر کر کے اپنی ہفوات میں ایک اور مزید اضافہ فرماتے ہیں۔ اسی طرح ہے۔

### حرمت متعہ

بالا تفاق علمائے اسلام ”متعہ“ اول اسلام میں جائز تھا چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں اوائل اسلام ہی کا یہ قصہ ہے کہ ایک موقع پر صحابہؓ نے آپ سے متعہ کی اجازت مانگی اور آپ نے اجازت دے دی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں حرمت متعہ کا عام اعلان کر دیا تھا۔ اس لئے اب متعہ قیامت تک کے لئے حرام مطلق ہے اس

حقیقت کے باوجود برق کی برق پاشی ملاحظہ ہو کہ آپ حرمت متعہ سے قبل کے واقعات نقل کر کے بٹی بازار آنے والے خوانین کے لئے ایک راستہ نکال رہے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے لکھ رہے ہیں۔

تو پھر کیا حکم ہے ان خوانین کے متعلق جو پشاور سے چل کر بٹی بازار میں کچھ ایسے ہی مقاصد کے لئے جاتے ہیں اور کئی کئی راتیں وہیں گزار دیتے ہیں۔

(دو اسلام ص ۲۲۴)

برق صاحب؟ اگر وہ خوانین آپ جیسے آزاد طبع نہیں ہوئے ہیں تو ان کو فتویٰ سنا دیجئے کہ صحیح احادیث کی رو سے اب متعہ قیامت تک کے لئے حرام ہے جو از کی احادیث و روایات کا تعلق اوائل اسلام سے تھا جواب منسوخ ہو چکی ہیں، کسی روایت میں اگر کسی ایسے مسلمان کا ذکر ہو جس کو حرمت متعہ کا علم نہ ہوا ہو اور دیر میں علم ہونے پر وہ اس سے رکا ہو تو یہ ایک علیحدہ امر ہے جیسا کہ جابرؓ کی روایت میں ذکر ہے۔

اسی سلسلہ کی ایک اور روایت ہے جس میں حج تمتع کا ذکر ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ حاجی شروع میں اگر ایام حج میں دیری ہے تو طواف عمرہ کر کے حالت احرام سے باہر آ جاتا ہے اور جو چیزیں احرام کی حالت میں حرام تھیں وہ اب سب حلال ہو جاتی ہیں۔ از دو اجماعی تعلقات بھی اسی ذیل میں ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ ایک ایسے ہی حج تمتع کا ذکر کرتے ہوئے بتلاتے ہیں کہ ہمیں احرام سے باہر آنے کی اجازت دی گئی اور جملہ امور حتیٰ کہ جماع تک بھی ہمارے لئے حلال ہو گئے۔ مزید تفصیل یہ کہ یہ پانچویں ذی الحجہ کا ذکر ہے، آٹھویں کو پھر حج کا احرام باندھ کر جب ہم عرفہ کے لئے روانہ ہوئے تو ہمارے شہوانی اثرات ابھی تک موجود تھے مقصد صرف احرام اور غیر احرام کی حالت کا فرق بیان کرنا ہے۔ مگر برق کی شرافت تہذیب فصاحت ملاحظہ ہو۔ کس ڈھب کے ساتھ اس پر حاشیہ آرائی ہوتی ہے:

خدا جانے ان صحابہؓ نے کون سا کشتہ کھایا ہوا تھا کہ حج کے مقدس موقعہ پر بھی ان کا

نطفہ اچھل اچھل کر زمین پر گر رہا تھا الخ (دو اسلام ص ۲۲۵)

برق صاحب؟ یہ کشتہ خوری تو آج کل کے رنگین مزاج لوگوں کو مبارک ہو۔ ہاں یہ ایک حقیقت ہے کہ عربی مسلمان تو منہ جیم ہونے کے ساتھ ساتھ صحت و عافیت کے لحاظ سے بھی ایک مثالی انسان ہوتے تھے، جملہ خواہشات انسانی ان کے اندر بھی تھیں، اس لئے مناسب و جائز مواقع پر وہ اپنی خواہشات کی شرعی حدود میں تکمیل کرتے تھے۔ کھانا پینا، لباس پہننا، سونا جاگنا، بیاہ شادی کرنا، ان سب امور کی مناسب تفصیلات اگر روایات میں ملتی ہیں تو آپ کون ہیں ان پر خاشیہ آرائی کرنے والے اور غوات کی لام باندھنے والے؟ بلاشبہ ان کی تصویر کے ہر دور میں مکمل اور بہترین پاکیزہ نتائج کے حامل ہیں وہ بلاشبہ تر اہم رکھنا سجد ایتغون فضیلا من اللہ و رضوانا کے مصداق تھے اور بلاشبہ وہ جرأت بہادری و مراد انگی کے ساتھ ساتھ جیا و شرم کے محسوس تھے۔ یقیناً بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کنواری حسینہ عورتوں سے بھی زیادہ شرم دار تھے اور آپ کے اصحاب کرام بھی۔ اس لئے تصویر کا صرف ایک رخ دیکھنا اور دوسرے رخ سے آنکھیں بند کر لینا کسی صحیح الدماغ، شریف انسان کا کام نہیں ہو سکتا۔

و صلی اللہ علی حبیبہ و علی الہ و اصحابہ اجمعین۔ (امین)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

والحمد لله الذي هدانا لهذا الذي كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله

## دسواں باب

### حدیث میں نماز کی صورت

یہ باب بہت سی تفصیلات چاہتا ہے مگر بخوف طوالت ہم صرف ”برقی ہفوات“ ہی پر تبصرہ کریں گے۔ برق صاحب نے اپنی کتاب ”ایک اسلام“ میں تو نماز کا سارا معاملہ ہی صاف کر کے رکھ دیا ہے اور لکھ دیا ہے کہ نماز کا مطلب صرف اللہ پاک کا پروپیگنڈہ کرنا ہے، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے اللہ کا پروپیگنڈہ کرتے رہنا ہی نماز ہے باقی اور تمام چیزیں ”ملائی اسلام“ سے متعلق ہیں۔ اس باب میں برق نے احادیث نبویؐ میں کائنات چھانٹ کر کے نماز کی صورت کو بھی مخ کرنے کی ناپاک جدوجہد کی ہے۔ ہم کم سے کم وقت میں برقی ہفوات کے ازالہ کے ساتھ صحیح حقائق سے اپنے ناظرین کو آگاہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

### نماز کیسے فرض ہوئی

اس سرفی کے تحت برق نے معراج نبویؐ اور فرضیت صلوٰۃ کو ایک دلچسپ داستان سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ واقعہ معراج کا ذکر خود قرآن مجید کے اندر موجود ہے ارشاد ہے،

سَبَّحَنَ الَّذِی اسْرٰی بِعَبْدِهِ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِی بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِیْہٗ مِنْ اٰیَاتِنَا اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی سیر کرائی جس کا ماحول بے حد مبارک ہے۔ پھر آگے بہت سے عجائبات قدرت دکھلائے بے شک خدا سننے والا دیکھنے والا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث آیت ہذا کی تشریح ہے



جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہب معراج میں انبیائے عظام سے ملاقات کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کے ساتھ ساتھ ان کے تجربات سے فائدہ اٹھانا اور بار بار دربار الہی میں جا جا کر دست و عاذراز کر کے آداب الوہیت بجالانا اور بالآخر نماز پنجگانہ کا تحفہ لیکر واپس مراجعت فرمانا مذکور ہوا ہے۔ قرآن وحدیث کی رو سے واقعہ معراج بالکل صحیح اور حق ہے جس کا انکار آیات قرآن کا انکار ہے۔

### واقعہ معراج

معراج ۱۲ ربیع الثانی ۵۲ھ ولادت نبویؐ کو ہوا۔ ذیل میں دکھلایا جاتا ہے کہ احادیث معراج کن کن صحابہ کرام سے کن کن دواوین حدیث میں مروی ہیں۔

۱- حدیث انس بن مالک رضی اللہ عنہ

(الف) صحیح بخاری وابن جریر بطریق شریک بن عبد اللہ عن انسؓ  
 (ب) صحیح مسلم بطریق ثابت عن انسؓ (ج) نسائی وابن ماجہ بطریق یزید بن مالک عن انسؓ (د) ابن ابی حاتم بطریق دیگر از یزید بن مالک (ه) ابن جریر وابن مردویہ بطریق عبد الرحمن بن ہاشم عن انسؓ (و) احمد وترمذی ونبہیقی وعبد بن حمید وابن جریر وابن مردویہ وابونعیم بطریق قتادہ عن انسؓ (ز) ابوداؤد و احمد بطریق عبد الرحمن بن حمیر عن انسؓ (ح) ابن مردویہ بطریق قتادہ وسلیمان التیمی وعلی بن یزید عن انسؓ (ط) ابن سعد سعید بن منصور، بزار، بیہقی، ابن عساکر عن ابی عمران الجوفی عن انسؓ۔

۲- حدیث جابر بن عبد اللہ صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما۔

(الف) صحیح بخاری و صحیح مسلم عن جابرؓ

۳- حدیث عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

(الف) صحیحین من طریق قتادہ عن ابی العالیہ عن ابن عباس (ب) صحیح مسلم ایضا عن ابن عباسؓ (ج) احمد ابونعیم ابن مردویہ بسند صحیح من طریق قابوس عن ابیہ عن ابن

عباس (د) احمد ابو یعلیٰ ابو نعیم ابن مردویه من طریق عکرمه عن ابن عباس (ه) احمد، نسائی، بزار، طبرانی، بیہقی، ابن مردویه من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس (و) ابن مردویه من طریق شہر بن حوشب عن ابن عباس۔

۴- حدیث عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

(الف) صحیح بخاری من طریق علقمہ عن ابن مسعود (ب) صحیح مسلم من طریق مرة الہمدانی عن ابن مسعود (ج) صحیح مسلم و بیہقی و ابو نعیم من طریق زر عن ابن مسعود (د) احمد، ابن ماجہ، سعید بن منصور و حاکم فی صحیحہ من طریق موثر بن غفار عن ابن مسعود (ه) ترمذی و حسنہ ابن مردویه من طریق عبد الرحمن عن ابن مسعود (و) بزار ابو یعلیٰ حارث بن ابی اسامہ طبرانی ابو نعیم، ابن عساکر من طریق علقمہ عن ابن مسعود۔

۵- حدیث مالک بن صعصعہ رضی اللہ عنہ۔

(الف) صحیحین من طریق الزہری عن انس قال کان ابو ذر یحدث (ب) مسلم بسندہ عن ابی ذر

۶- حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ

(الف) صحیح مسلم و احمد و ابن مردویه من طریق ابی سلمہ (ب) احمد، ابن ماجہ، ابن ابی حاتم، ابن مردویه، بزار، ابو یعلیٰ، بیہقی من طریق ابی العالیہ عن ابی ہریرہؓ (د) ابن مردویه من طریق سلیمان التیمی (ه) سعید بن منصور ابن سعد طبرانی (اوسط) ابن مردویه عن ابی وہب مولیٰ ابی ہریرہؓ۔

۷- حدیث حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ

(الف) احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، حاکم و صحاح و نسائی و ابن جریر و ابن مردویه و بیہقی عن حذیفہؓ

۸- حدیث سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ

(الف) ابن مردویه عن سمرہؓ

- ۹- حدیث سہل بن سعد رضی اللہ عنہ  
(الف) ابن عساکر عن سہل بن سعد  
۱۰- حدیث شداد بن اوس رضی اللہ عنہ  
(الف) ابن ابی حاتم، بیہقی وصحیح، بزار، طبرانی، ابن مردویہ عن شداد  
۱۱- حدیث صہیب رضی اللہ عنہ  
(الف) طبرانی، ابن مردویہ عن صہیب بن ہشام  
۱۲- حدیث عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما  
(الف) ابوداؤد، طبرانی (اوسط)، بیہقی عن ابن عمر  
۱۳- حدیث ابن عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ  
(الف) ابن مردویہ، ابن عمرو بن شعیب عن ابيه عن جده  
۱۴- حدیث عبد اللہ بن اسعد بن زرارة صحابی بن صحابی رضی اللہ عنہما  
(الف) بزار، ابن قانع، ابن عدی، بغوی، ابن عساکر عن عبد اللہ بن اسعد  
۱۵- حدیث ابویوب رضی اللہ عنہ  
(الف) ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن ابی یوب  
۱۶- حدیث ابن حنیہ رضی اللہ عنہ  
(الف) طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ  
۱۷- حدیث ابی العراء رضی اللہ عنہ  
(الف) طبرانی، ابن قانع، ابن مردویہ  
۱۸- حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ  
(الف) ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، بیہقی، ابن عساکر، من طریق ابی ہارون العبدی (ب) ابن مردویہ من طریق ابی نصرۃ عن ابی سعید (ج) ابن مردویہ من وجہ آخر عن ابی نصرۃ (د) ابن مردویہ من طریق علقمہ عن ابی سعید

۱۹- حدیث ابی یعلیٰ رضی اللہ عنہ

(الف) طبرانی (اوسط) ابن مردویہ من طریق محمد بن عبد الرحمن

۲۰- حدیث عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

(الف) ابن مردویہ، حاکم وصحیح بیہقی من طریق زہری عن عروہ

۲۱- حدیث اسماء بنت الصدیق رضی اللہ عنہا

(الف) ابن مردویہ من طریق یحییٰ بن زیاد

۲۲- حدیث ام ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا

(الف) ابن اسحاق، ابن جریر، عن الکلی عن ابی صالح عن ام ہانی

۲۳- حدیث عمر فاروق رضی اللہ عنہ

(الف) احمد عن عبید بن آدم عن امیر المؤمنین عمرؓ (ب) ابن مردویہ من طریق مغیرة

بن عبد الرحمن

۲۴- حدیث ابی سفیان اموی

(الف) ابو نعیم عن محمد بن کعب القرظی عن ابی سفیان

۲۵- حدیث امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

(الف) طبرانی من طریق الحسین عن ابیہ (ب) ابو نعیم من طریق محمد بن الحنفیہ

(ج) ابن مردویہ من طریق زید بن علی عن آباءہ عن علیؓ

۲۶- حدیث عبد الرحمن بن قرط الثمائی

(الف) سعید بن منصور، طبرانی، ابن مردویہ، ابو نعیم (فی المعرفة) عن عبد الرحمن

بن قرط

۲۷- حدیث بریدہ رضی اللہ عنہ

(الف) ترمذی، حاکم وصحیح و ابو نعیم، ابن مردویہ، بزار، عن بریدہ رضی اللہ عنہ

(رحمة للعالمین ج ۳ ص ۱۴۵-۱۵۲)

## ناظرین کرام

اس تفصیل سے معلوم کر لیں گے کہ واقعہ معراج اتنا اہم اور صحیح و مستند واقعہ ہے۔ جس کو ۲۷ صحابیوں سے محدثین و مورخین اسلام کی ایک بھاری تعداد نے نقل کیا ہے، اتنے مستند صحیح درجہ تو اتر میں پہنچنے والے واقعہ ہمارے لئے برق صاحب لکھتے ہیں:

”ما شاء اللہ کیا داستان تراشی ہے“ (دو اسلام ص ۲۲۹)

برق کی یہ ہرزہ سرائی نہ صرف شان رسالت کی تنقیص ہے بلکہ صریحاً قرآن کریم کا انکار ہے۔

موسیٰ علیہ السلام سے بار بار ملاقات اور ان سے حاصل کردہ تجربات پر حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں: تَمَثَّلَ هَذَا الْمَعْنَى مُسْتَدِلًّا إِلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَانَّهُ أَكْثَرَ الْأَنْبِيَاءِ مُعَالَجَةً لِلْأَمِيَّةِ وَمَعْرِفَةً بِسِيَاسَتِهَا. (حجۃ اللہ ص ۲۰۸) یعنی یہ استناد حضرت موسیٰ کی طرف اس لئے کیا گیا کہ گروہ انبیاء میں آپ امتوں کا سیاسی و مذہبی مزاج پہنچانے میں اپنے ہم جنسوں سے بہت آگے ہیں۔

پچاس نمازوں کا حکم دے کر درخواست تخفیف کو منظور کیا گیا اور ظاہراً بوقتہ نمازوں کو ثواب کے لحاظ سے پچاس ہی کے درجہ میں رکھا گیا۔ اس پر حکیم الامت شاہ صاحب مرحوم فرماتے ہیں: امر بخمسين صلوات بلسان التجوز لانها خمسون باعتبار الثوب. اللہ پاک نے ایک نیکی پر دس گناہ ثواب عطا کرنے کا خود قرآن مجید میں وعدہ فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ مِثَالِهَا. (سورہ انعام) جو ایک نیکی کرے گا اس کو دس گناہ ثواب ملے گا۔ اسی اصول قرآنی کے ماتحت آپ کے لئے تخفیف پانچ نمازوں پر ختم ہوئی جن کو ثواب کے اعتبار سے پچاس ہی رکھا گیا۔ یہی مطلب ہے آیت شریفہ لَا يَسْدِلُ الْقَوْلُ لِدِي كَالْمَعْنَى مِيرِي بَاتِ بِلَا يَسْلُ كَرْتِي مِثْلِ اپنے وعدے

کے مطابق بنجوقتہ نمازوں پر پچاس ہی کا ثواب دیا گیا۔ سچ ہے: ۷

تیری رحمت کے لئے کوئی بہانہ چاہئے

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار واپس جانا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس بارے میں رہنمائی فرمانا اس پر حضرت حکیم الامت لکھتے ہیں:

ثم اوضح الله مراده تدريجاً ليعلم ان الحرج مدفوع و ان النعمة كاملة. (حجۃ اللہ)

بار بار آنے جانے کا مقصد یہ کہ اللہ نے اپنی مراد کو تدریجی طور پر واضح کر کے رکھ دیا تاکہ یہ امر روشن ہو جائے کہ اب دنیائے انسانیت پر تنگی اور سختی کا دور ختم ہو گیا اور باوجود اس کے بھی یہ نعمت اسلام کامل ہے۔ اس مختصر سی تفصیل کے بعد اب برق کی ہرزہ سرائی ملاحظہ کیجئے آپ اپنے ”ماحول“ کی عینک استعمال کر کے اس واقعہ عظیمہ کو دیکھ رہے ہیں جس کی روشنی میں آپ کی تنقید یوں چلتی ہے۔

ماشاء اللہ کیا داستان تراشی ہے کہ حضرت موسیٰ کو خدا اور رسول کا معلم دانش بنا ڈالا اور یہ آخری فقرہ بھی خوب ہے کہ ”ہم اپنا قول نہیں بدلا کرتے“ اگر نہیں بدلا کرتے تو پھر پچاس سے پچیس اور پچیس سے پانچ کیوں کہیں؟

(دو اسلام ص ۲۲۹)

برق محض عبارت آرائی و سخن گسترائی سے قرآن پاک کے واقعہ اسراء اور صحیح حدیث کی تفصیل معراج سے انکار کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ آپ کی ہزل گوئی بالکل بے وزن ہے۔ تجربہ کار بزرگوں سے استفادہ فطرت انسانی میں داخل ہے اور یہ بھی کہ انسان اپنی رفاقت کے لئے کسی اپنے ہم جنس رفیق کا ضرور متلاشی ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے تجربات سے فائدہ پہنچایا اور آپ نے بار بار اس بارے میں آپ سے مشورہ چاہا۔ اس پر برق کا یہ لکھنا کہ حضرت موسیٰ کو خدا اور رسول کا معلم دانش بنا ڈالا اسرا سر ہرزہ سرائی ہے۔

دیکھئے قرآن پاک میں حضرت موسیٰ کی اللہ پاک سے دعا مذکور ہے۔ اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاجْعَلْ لِي سُلْطٰنًا مِّنْ

لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي

اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَاجْعَلْ لِّي فِي أَمْرِي ۝ نَصِيرًا

وَنَذِيرًا ۝

حضرت موسیٰ درخواست کرتے ہیں کہ مولا میرا سینہ کھول دے، میرے کام کو آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کو دور کر دے تاکہ میری بات لوگ بخوبی سمجھ سکیں اور میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنادے، اس کی وجہ سے میری طاقت کو بڑھا دے، میرے کام میں اس کو شریک کر دے تاکہ ہم دونوں مل کر تیری یاد زیادہ سے زیادہ کر سکیں۔

کیوں برق صاحب؟ کہہ دیجئے۔

کیا داستان تراشی ہے حضرت موسیٰ کو خدا سے ہٹا کر ہارون کے قدموں میں لا ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خدا پر بھروسہ نہیں رہا؟ خدا ان کی مدد کے لئے کافی نہیں؟ اب ہارون کی وزارت کے لئے درخواست پیش کر رہے ہیں۔ گویا ان کی وزارت کے بغیر گاڑی چل ہی نہیں سکتی۔ عجب نہیں کہ آئندہ برق صاحب تین قرآن کی تصنیف کے وقت اس ہرزہ سرائی پر بھی اتر آئیں اور قرآن پاک کو بھی دلچسپ داستان سے تعبیر کرنا شروع کر دیں۔ حضرت؟

”خُنْ شَاسَ نِي دَلْبَرَا! خَطَايَايَا اسْت“

وضو

اس سرخی کے ذیل میں برق نے فقہی وضو اور حدیثی وضو میں ٹکراؤ پیدا کرنے کے

لئے ناکام ہاتھ پیر مارنے ہیں، حالانکہ خود ہی اعتراف بھی ہے کہ:  
 فقہ کی بنیاد قرآن و حدیث پر رکھی گئی تھی۔ (دوا سلام ص ۲۲۹)  
 فقہ علمائے اسلام کی اس علمی کوشش کا نام ہے جو انہوں نے قرآن و حدیث کے  
 سمجھنے کے لئے کی۔ اس کی بنیاد بلا شک کتاب و سنت ہی پر ہے مگر یہ ضروری نہیں ہے کہ  
 فقہاء کا ہر فقہی مسئلہ صحیح ہو۔ ان سے ہر آن غلطی کا امکان ہے۔ الم اجتهد قد یخطئ  
 و یصیب ایک مسلمہ اصول ہے مگر خلاف واقعہ حدیث و فقہ میں خواہ مخواہ ٹکراؤ پیدا کرنے  
 کی غلط کوشش کرنا سراسر عقل و خرد سے دشمنی مول لینا ہے۔ اب ”برقی ٹکراؤ“ کی حقیقت  
 پر غور کیجئے۔

### ہر نماز کیلئے نیا وضو

وضو ہوتے بھی ہر نماز کے لئے تجدید وضو مستحب۔ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا  
 یہی عمل تھا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ ہر (فرض) نماز کے لئے نیا وضو کیا کرتے  
 تھے۔ راوی نے ان سے پوچھا کہ:

کیف کنتم تصنعون قال یجزی احدنا الوضوء مالم یحدث۔ (بخاری  
 ص ۳۴) تم لوگوں کا عمل درآمد کیا تھا؟ بولے جب تک حدث نہ ہوتا سابقہ وضو ہمیں  
 کفایت کرتا تھا۔ اسی طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی کفایت کرتا تھا مگر  
 احتیاباً آپ ہر فرض نماز کے لئے تجدید وضو فرمایا کرتے تھے۔ بعض دفعہ خصوصاً رات کی  
 نماز تہجد وغیرہ میں آپ سابقہ وضو پر بھی اکتفا فرمایا کرتے تھے اور یہ چیز آپ کی  
 خصوصیات میں سے تھی، کیونکہ آپ کی صرف آنکھیں سوتی تھیں اور دل جاگتا رہتا تھا۔  
 اس لئے سونے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا۔

اب برق صاحب کی نئی برقی فقہ ملاحظہ کیجئے۔ حضورؐ کی خصوصیات پر پھبتی اڑاتے  
 ہوئے آپ ”برقی فقہ“ یوں جھاڑتے ہیں:



اس حدیث سے دو باتیں واضح ہو گئیں: اول کہ حضور ہر نماز کے لئے نیا وضو

نہیں کیا کرتے تھے۔ دوم کہ نیند کے بعد وضو ضروری نہیں ہے۔

(دوا اسلام ص ۲۳۰)

اس پر ایک عدد حدیث بھی پیش فرماتے ہیں:

كَانَ اصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنَامُونَ ثُمَّ يَصْلُونَ

وَلَا يَتَوَضَّؤْنَ. حضور کے صحابہ سو چکنے کے بعد وضو کے بغیر نماز پڑھ لیا

کرتے تھے۔ کیا صحابہ کے دل بھی نبی کی طرح جاگتے رہتے تھے۔

(دوا اسلام ص ۲۳۱)

دیانتداری کا ایک مزید نمونہ:

برق کی دیانتداری ملاحظہ ہو، بابو لوگوں کی نظروں میں وضو کو ”ہلکا“ کرنے کے لئے

”سوچنے کے بعد“ کے ترجمہ کا اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں، حالانکہ حدیث ہذا کا ترجمہ

”سوچنے کے بعد“ کیلئے نہیں ہے، کیونکہ یہ سونا بستروں پر دراز ہو کر سونا نہیں تھا بلکہ بیٹھے

بیٹھے صرف نیند کا غالب آ جانا اور سروں کا جھک جانا تھا۔ تفصیل کے لئے پورا واقعہ یوں

ہے: عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ اصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ

حَتَّى تَخْفَقَ رُؤُسُهُمْ ثُمَّ يَصْلُونَ وَلَا يَتَوَضَّؤْنَ (مشکوٰۃ ص ۴۱)

یعنی صحابہ کرام نماز عشاء کی جماعت کے انتظار میں بیٹھے رہتے حتیٰ کہ نیند کے

جھٹکوں سے ان کے سر جھک جایا کرتے تھے پھر وہ بغیر وضو کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

شارحین حدیث لکھتے ہیں: فَظَهَرَ مِنْ هَذِهِ الرِّوَايَةِ أَنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ يَنَامُونَ

أَنَّهُمْ كَانُوا يَنَامُونَ قُعُودًا وَكَانَ يَوْمَهُمْ هَذَا فِي انْتِظَارِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ (تحفہ

الاحوذی شرح ترمذی ص ۸۱) یعنی اس روایت سے ظاہر ہو گیا کہ جس حدیث میں نیامون کا

لفظ آیا ہے وہاں بھی ان کا بیٹھے بیٹھے سونا مراد ہے اور ان کا یہ سونا عشاء کی نماز کے انتظار کے

لئے ہوا کرتا تھا۔

اسی لئے بیشتر علماء اسلام کا متفقہ فتویٰ ہے کہ اس طرح بیٹھے بیٹھے نیند آ جائے تو وہ ناقص وضو نہیں ہے اس کی دلیل مندرجہ ذیل حدیث ہے: عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الوضوء لا يجب الا على من نام مضطجعاً الخ: (رواه الترمذی و ابو داؤد) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وضو کرنا اس کے لئے ہی ضروری ہے جو لیٹ کر سو جائے۔ افسوس کہ برق صاحب کا ”کیس“ یہاں بھی بالکل بوگس ثابت ہوا۔

لہو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا

یہاں بھی حدیث اور فقہ میں تصادم دکھلانے اور پھر ہر دو کا مذاق اڑانے کے لئے برق نے ناکام ہاتھ پیر مارے ہیں۔ بلاشبہ حدیث بخاری کی بنا پر مسئلہ یہی صحیح ہے کہ لہو نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ علمائے حجاز کا یہی مسلک ہے۔ اتنی چیز کو فقہائے حنفیہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مطلق لہو ناقص وضو نہیں ہے، ہاں یہ قید وہ ضرور لگاتے ہیں کہ اگر اتنا خون نکلے کہ بہ جائے تو وضو لوٹانا ہوگا۔

صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ قول فقہاء کو تسلیم کرنا واجب ہی ہو۔ کتاب و سنت سمجھ کر مقدم رکھنا بہر حال ضروری ہے۔

ترجمہ غلط کیا ہے

اس مقام پر برق نے بخاری شریف سے جس حدیث کا ترجمہ پیش کیا ہے اس میں غزوہ ذات الرقاع میں حضورؐ کا ایک تیر سے زخمی ہونا بتلایا ہے، حالانکہ زخمی ہونے کا تعلق حضورؐ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ کسی صحابیؓ کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حدیث بخاری کے اصل لفظ یہ ہیں:

عن جابر ان النبي صلى الله عليه وسلم كان في غزوة ذات الرقاع

فریسی رجل بینہم فنزفہ الدم فركع وسجد ومضى فی صلاتہ۔ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ ذات الرقاع میں تھے کہ ایک آدمی تیر سے زخمی ہو گیا اور کافی خون اس کے جسم سے نکل گیا مگر اس حال میں بھی وہ نماز ادا کرتا رہا۔ (بخاری شریف نور محمد والی ص ۲۹)

امید ہے کہ برق صاحب کی اور اسلام کا ایڈیشن نکالتے وقت ازراہ انصاف اپنی اس غلطی کا اعتراف کر کے حق پسندی کا ثبوت دیں گے۔ جن کی امید آپ سے بہت ہی کم ہے۔

### ایک اہم سوال

جماعت کے بعد غسل ضروری ہے یا نہیں؟ پہلے مسئلہ کی حقیقت سمجھ لیجئے پھر برقی ہفتوات پر توجہ دی جائے گی۔ علامہ نووی شارح مسلم شریف فرماتے ہیں

اعلم ان الامة مجتمعة الآن على وجوب الغسل بالجماع وان لم يكن معه انزال و على وجوبه بالانزال وكانت جماعة من الصحابة على انه لا يجب الا بالانزال ثم رجع بعضهم و انعقد الاجماع.

(مسلم شریف محد نووی ص ۱۵۵)

یعنی امت مسلمہ کا اجماع ہے اب اس مسئلہ پر کہ جماع سے غسل واجب ہو جاتا ہے انزال ہو یا نہ ہو۔ پہلے بعض صحابہؓ کا ایسا خیال تھا کہ بغیر انزال کے غسل واجب نہیں۔ بعد میں ان لوگوں نے اس خیال سے رجوع کر لیا اور وجوب غسل پر اجماع ہو گیا۔

یہاں برق صاحب نے عدم وجوب کی جو روایات نقل کی ہیں وہ سب پہلے کی ہیں جو منسوخ ہو چکی ہیں اور خود احادیث میں ذکر آچکا ہے کہ محض جماع موجب غسل ہے۔ پس امت کا متفق علیہ فتویٰ ان ہی روایات پر ہے جن میں محض جماع کو موجب غسل بتلایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں غسل جنابت سے پاکی حاصل کرنے کے حکم میں پہلے تو یہ

الفاظ استعمال کئے گئے ہیں: وان كنتم جنباً فاطهروا۔ یعنی اگر جنبی ہو جاؤ تو پاکی حاصل کرنے کے لئے غسل کرو۔ آگے اس سلسلے میں لفظ او لمنستم النساء استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی اگر عورتوں کا ”لمس“ بھی ہو جائے تو بھی تم کو (غسل) یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کرنا ضروری ہوگا۔ آیت کا سیاق و سباق بتلا رہا ہے کہ پہلے مقام پر جنابت کا لفظ جماع یا انزال کے لئے استعمال کیا گیا ہے اور دوسرے مقام پر ”لمس“ کا لفظ صرف التقاء الختان بالختان کے کنایہ کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ تفسیر جلالین میں ولا جنباً کی تفسیر میں لکھا ہے بسایلاج او انزال یعنی محض دخول یا اس کے ساتھ انزال ہر دو صورتوں کو یہ لفظ شامل ہے اور ”لمس“ کی تفسیر میں ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہاں مطلق جماع مراد ہے۔ (جلالین مصری ص ۷۹)

برق کو سمجھنا تو ناممکن ہے، مگر بھیا! آپ تو سمجھے نا؟ کہ وحی جلی اور وحی خفی میں کتنی مطابقت ہے۔ ہو بہو جو حکم قرآن پاک دے دیا ہے وہی حکم حدیث شریف میں ہے۔ اس کھلی ہوئی حقیقت پر بھی

گر نہ بیند بروز شپہ چشم  
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

کیا غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو جائز ہے؟

حدیث دشنی کی بنا پر عقل و خرد سے بالکل بے گانہ ہو جانا ہم برق کا شیوہ پاتے ہیں، یہ مرض آپ کے رگ و ریشہ میں اس درجہ سرایت کر چکا ہے کہ کوئی بات کتنی بھی عین عقل و خرد کے مطابق ہو مگر برق کو وہ بات الٹی ہی معلوم ہوتی ہے۔

(۱) سیدھی بات ہے کہ عورت اگر صفائی ستھرائی نہیں جانتی، تمیز اور سلیقہ سے نا آشنا ہے تو اس کے غسل سے بچے ہوئے پانی سے وضو وغیرہ نہ کرو، نہیں معلوم اس نے احتیاط کا پہلو کس قدر سامنے رکھا ہوگا؟ اور کس سلیقے اور تمیز کے ساتھ وہ پانی اس نے استعمال کیا

ہوگا؟ اس لئے مناسب نہیں کہ ایسی عورت کا بچا ہوا پانی وضو جیسی اہم چیز کے لئے استعمال کیا جائے۔ اسی کو حدیث ذیل میں بیان کیا گیا ہے:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان يتوضأ الرجل بفضل طهور المرأة۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے سے منع فرمایا۔ ایک روایت میں یہ لفظ بھی آتے ہیں کہ عورت کے غسل کے جھوٹے پانی سے۔

(۲) دوسرا رخ یہ ہے کہ عورت صاف ہے، نقابت پسند ہے، سلیقہ شعار ہے تو اس کے بچے ہوئے پانی کو وضو یا غسل کے لئے استعمال میں لانا جائز ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے غسل وغیرہ سے بچے ہوئے پانی سے غسل فرمایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات کی سلیقہ داری میں کوئی شک، شبہ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ تکذیب حدیث کے لئے برق کی غلط کوشش یہاں بھی ناکام ثابت ہوئی۔  
فالحمد لله والحق يعلم ولا يعلى۔

کیا آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

حدیث کا مضمون صرف اتنا ہے کہ آگ کی پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ہے۔ اس کے بارے میں حضرت امام الشیخ الاجل علامہ محی البیہ فرماتے ہیں: ہذا منسوخ بحديث ابن عباس قال ان رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل كتف شاة ثم صلى ولم يتوضأ متفق عليه (مشکوٰۃ ص ۲۰)

یعنی یہ حدیث ابن عباسؓ کی روایت سے منسوخ ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا بھنا ہوا بازو تناول فرمایا اور وضو نہیں کیا۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں:

وفيه أن الوضوء مما مست النار ليشن بواجب (نووی ص ۱۵۷)

یعنی اس حدیث کی بناء پر آگ سے پکی ہوئی چیزوں کے استعمال سے وضو کا وجوب نہیں رہا، ہاں استحباباً کوئی کرے تو منع بھی نہیں۔ اسی طرح وضو سے لغوی وضو یعنی صرف کلی وغیرہ کر لینا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ (دیکھو کتب شروح حدیث)

### وضو کی ترکیب

تمام امت کا اجماعی مسئلہ ہے کہ وضو کی آخری حد اعضاء کو تین تین دفعہ دھونا ہے اور صرف ایک ایک مرتبہ دھونا، دو دو مرتبہ دھونا بھی جائز ہے مگر تین سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں۔ برق کو جب کوئی اور ”مسئلہ“ نہیں ملا تو ان ہی احادیث کو لے اڑے اور گپ مار دی کہ حدیثوں میں اختلاف ہے کسی میں دو دو دفعہ دھونا آیا ہے کسی میں ایک ایک ہی دفعہ اور کسی میں تین تین دفعہ۔ برق جیسوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ایسے اچھے ہتھیاروں سے آپ ”حدیث“ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے بلکہ اگلے اپنی عقلمندی کا اظہار کر کے اہل نظر کی نگاہوں میں ”بے وزن“ ہوتے ہیں۔ حدیث ایسے ہی ”عقلمندوں“ کو خطاب کرتی ہے۔

و اذا اتتک مذمتی من ناقص

فہی الشہادة لی بانی کامل

### تعداد رکعات

برق کو اقرار ہے کہ ہم ظہر و عصر اور عشاء کی نماز میں چار چار رکعات پڑھتے ہیں (دو اسلام ص ۲۳۵) پھر آپ نے اس اجماعی مسئلہ میں ”شبہات“ پیدا کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے موطا سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ رات اور دن کی نمازیں دو دو رکعت ہیں۔ برق کے خیال خام میں یہ رات دن کی فرض نماز کا ذکر ہو رہا ہے حالانکہ یہاں نفلی نماز مراد ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ رات، دن کی نفلی نمازوں کو دو دو رکعتوں کی شکل میں ادا کرنا بہتر ہے۔ اس لئے تہجد، اشراق، صبحی، تراویح وغیرہ جملہ

نفل نمازیں دو دور رکعتوں کی شکل میں ادا کی جاتی ہیں۔ رہا ظہر و عصر و عشاء کے لئے فرض نماز کا مسئلہ سوان و قنوں میں بحالت ”مقیم“ چار چار فرض رکعتوں پر ساری امت کا اجماع ہے، ایسے اجماعی مسئلہ کے خلاف کسی حدیث میں تحریف کر کے اس کو بطور دلیل پیش کرنا انتہائی مذموم حرکت ہے۔ مگر افسوس کہ ہم برق کی کتاب ”دو اسلام“ میں ایسی مثالیں بکثرت پاتے ہیں جن میں سے ایک تازہ مثال ناظرین کے سامنے رکھی جاتی ہے۔

### صحیح بخاری کی ایک حدیث میں رد و بدل

پہلے برق بنی کی سن لیجئے۔ آپ کا ارشاد یوں چلتا ہے:

بخاری میں مذکور ہے: **عَنْ ابْنِ جَحِيفَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَاتَى بَوْضُوءَ فَتَوَضَّأَ وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ**۔ ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ ایک دن دوپہر کے وقت حضور باہر تشریف لائے پانی منگوا یا وضو کیا اور پھر ظہر و عصر کی دو دور رکعتیں پڑھیں۔ اس حدیث میں قطعاً یہ مذکور نہیں کہ آپ سفر پر تھے اور اس لئے نماز میں تخفیف کر لی تھی۔  
(دو اسلام ص ۲۳۵، ۲۳۶)

یہاں برق نے صراحۃً ”تحریف“ سے کام لیا ہے کیونکہ یہ حدیث سفر سے متعلق ہے اور جہاں سے برق نے اس کو نقل کیا ہے وہاں آگے صاف یہ لفظ موجود ہیں: **وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ** یعنی آپ نے یہ نمازیں ان خال میں ادا کیں کہ آپ کے سامنے برجھی بطور سترہ کے تھی۔ ظاہر ہے کہ ”برجھی کا سترہ“ مسجد سے کسی بھی صورت میں متعلق نہیں ہو سکتا، اسی لئے علامہ قسطلانیؒ فرماتے ہیں: **”قصر اللسفر“** (ارشاد الساری ج ۱ ص ۲۲۰) یعنی آپ نے یہ نماز سفر میں قصر کر کے ادا کی تھیں **”بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ“** کے اوپر آپ فرماتے ہیں: **لَا نَهْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي الصَّحْرَاءِ** آپ اس وقت

بحالت سفر جنگل میں تھے اس لئے برجھی بطور سترہ آپ کے سامنے تھی۔  
 افسوس کہ برق نے حدیث نقل کرتے وقت ”بین یدیدہ عنزة“ کا فقرہ چھوڑ کر  
 یہودیوں کے اس واقعہ کی یاد کو تازہ کر دیا جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر  
 آپؐ پر رحم کو چھپا کر اپنی ”یہودیت“ کا ثبوت دیا تھا۔

## پوری تفصیل

اسی واقعہ کی پوری تفصیل مسلم شریف میں یوں مذکور ہے: عن ابی جحيفة قال  
 اتيت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمكة و هو بالابطح فی قبة له حمرا من  
 ادم قال فخرج بلال بوضوءه فمن نائل و ناضح قال فخرج النبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم علیہ حلة حمراء کانی انظر الی بیاض ساقیه قال فتوضأ  
 و اذن بلال قال فجعلت اتبع فاه ها هنا و ها هنا یقول یمیناً و شمالاً  
 یقول حی علی الصلوة حی علی الفلاح قال ثم رکرت له عنزة فتقدم  
 فصلی الظهر رکعتین یمربین یدیه الحمار و الکلب لا یمنع ثم صلی  
 العصر رکعتین ثم لم یزل یصلی رکعتین حتی رجع الی المدينة. (مسلم  
 شریف مع فتح الملہم ج ۲ ص ۱۰۵) ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 خدمت میں حاضر ہوا، جبکہ آپ مکہ میں مقام ابطح میں ایک چمڑے کے سرخ خیمہ کے اندر  
 مقیم تھے۔ پس بلالؓ آپ کو وضو کرانے کے لئے پانی لیکر حاضر ہوئے اور حضورؐ نے وضو  
 کیا۔ جس کا پانی صحابہؓ نے جھپٹ لیا، جن کو نہ بل سکا انہوں نے اپنے ساتھیوں کی ترائی  
 سے تری حاصل کی۔ پھر آپ سرخ جبہ پہنے ہوئے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور بلالؓ  
 نے اذان کہی۔ جب بلالؓ جی علی الصلوة حی علی الفلاح کے وقت ادھر ادھر منہ پھرتے تھے  
 تو میں بھی ان کی نقل کرتا تھا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور سترہ برجھی گاڑی  
 گئی اور آپؐ نے ظہر کی دو رکعتیں ہی ادا فرماتے رہے۔ یہ ہے پورا واقعہ!





تو اچھا ہے ورنہ فاتحہ ہی کافی ہے“ اس پر امام نوویؒ شارح مسلم لکھتے ہیں:

فيه استحباب السورة بعدها و هذا مجمع عليه في الصبح والجمعة والاوليين من كل الصلوات و هو سنة عند جميع العلماء.

سورہ فاتحہ کے بعد ضم سورہ مستحب ہے اور نماز صبح میں اور نماز جمعہ میں اور ہر نماز کی پہلی دو رکعتوں میں ان کا پڑھنا اجماعی طور پر سب علماء اسلام کے نزدیک مسنون ہے۔

یہ خوب کہا

کہ ہمارے ائمہ فقہ کہتے ہیں کہ صرف فاتحہ سے نماز مکمل نہیں ہوتی۔ افتہ الفقہاء امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو سورہ فاتحہ کو بھی تکمیل نماز کے لئے واجب نہیں مانتے پھر کسی سورت کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آپ کا مذہب یہ ہے کہ نماز میں قرآن کی صرف ایک آیت کا پڑھنا واجب ہے اور بس، چنانچہ امام نوویؒ لکھتے ہیں:

قال ابوحنيفة لا تجب الفاتحة بل الواجب اية من القرآن لقوله صلى الله عليه وسلم اقرأ ما تيسر. (نووی جلد ۱ ص ۱۷۰) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ بھی واجب نہیں ہے بلکہ وجوب تو قرآن سے صرف ایک آیت کا ہے۔ ناظرین بتلائیں کہ اس تفصیل کے بعد برقی ہفتوات کا کتنا وزن باقی رہ جاتا ہے۔ ہاں یہ بحث علیحدہ ہے کہ سورہ فاتحہ کے عدم وجوب کی بابت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک کہاں تک دلائل قویہ سے مطابقت رکھتا ہے جب کہ دوسرے ائمہ اہل سنت یعنی امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام احمد بن حنبلؒ سب نمازی کے لئے بلکہ ہر مقتدی و امام کے لئے بھی سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری جانتے ہیں اور احادیث صحیحہ بھی ان ہی ائمہ کی تائید کرتی ہیں مگر یہاں یہ بحث ہمارے موضوع سے باہر ہے۔

دعائے قنوت کا وقت

برق صاحب فرماتے ہیں کہ ہم دعائے قنوت نماز عشاء میں پڑھتے ہیں۔ (دوا اسلام

(ص ۲۳)

یہاں برق صاحب پر مصیبت یہ آن پڑی ہے کہ حضرت انسؓ مغرب اور فجر میں قنوت پڑھنا بتلا رہے ہیں۔ واقعی برق کی مصیبت میں ہمیں بھی ہمدردی ہے مگر حضرت؟ یہ قنوت نازلہ ہے۔ جہاں سے آپ نے اس اعتراض کو اخذ کیا ہے وہاں ذرا اوپر نظر ڈال لیتے تو پھر آپ اس الجھن میں گرفتار نہ ہوتے۔ بخاری میں اوپر حضرت انسؓ ہی کا بیان موجود ہے: قنبت النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہراً یدعو علی رعل و ذکوان۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۳۶) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہ تک رعل اور ذکوان پر بددعا کے لئے قنوت پڑھتے رہتے، اس کو اصطلاح فقہاء میں ”قنوت نازلہ“ کہا جاتا ہے۔ یہ بخوفتہ کی نمازوں میں بھی پڑھی جاسکتی ہے اور فجر و مغرب میں خصوصیت کے ساتھ بھی۔ الحمد للہ کہ برق کی اس پیدا کی ہوئی نئی الجھن کو بھی پنپنے کا موقع نہیں مل سکا۔

کیا کلمات ثنا و تقدیس ضروری ہے؟

برق صاحب لکھتے ہیں:

مسلم شرف ج ۲ ص ۲۸ پر ہے کہ حضرت عمرؓ کلمات تقدیس سبحانک

اللہم کو بلند آواز سے پڑھتے تھے۔ (دوا سلام ص ۲۳۷)

اس روایت میں اجمال ہے۔ اگر برق صاحب اس کی تفصیل معلوم کرنے کی کوشش کر لیتے تو یہ خلجان ان کو نہ پیش آتا، مگر آپ کو حدیث دشمنی کے بخار نے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔ اس اجمال کی تفصیل دارقطنی جلد ۱ ص ۱۱۳ میں ان لفظوں میں موجود ہے: یسمعون ذلک و یعلمنا (نیز دیکھو تعلیق الصبیح ج ۱ ص ۳۵۶) حضرت عمرؓ کبھی کبھار سکھلانے کے لئے یہ دعا ہمیں سنا بھی دیا کرتے تھے۔ دوسری روایت میں یہ بھی ہے: یسمع ذلک من ینبہہ۔ (حوالہ مذکور) یعنی حضرت عمرؓ اس کو کبھی اتنی آواز سے پڑھتے

۱۔ کلمات..... ہے غالباً برق اردو ہوگی ۱۲۔ راز

کہ آپ کے قریب والاس لیتا۔

شارحین لکھتے ہیں: - جہر بہ عمر احیاناً بمحض من الصحابة ليتعلمه الناس مع ان السنة اخفاء ہ۔ (تعلیق الصبیح ج ۱ ص ۲۵۶)  
حضرت عمرؓ بھی جہر سے اس کو اس لئے ادا فرماتے تاکہ لوگ سیکھ لیں اور حقیقت الامر کہ اس کا اخفاء ہی سنت ہے۔

اسی طرح جس روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کا سورہ فاتحہ سے افتتاح صلوة مذکور ہے وہاں افتتاح بالجہر مراد ہے اور یقیناً یہ حضرات پجری نمازوں میں دعائے افتتاح یا کلمات ثنا تقدیس کے بعد نماز کا افتتاح تعوذ اور بسملہ کے ساتھ سورہ فاتحہ سے کیا کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ حضرات ”سبحانک اللہم“ کو چھوڑ جاتے تھے، مگر افسوس کہ برق نے بے دھڑک یہ بے ثبوت فتویٰ صادر کر دیا ہے۔

حضور اور ان کے صحابہؓ نماز کی ابتدا فاتحہ سے کرتے تھے اور سبحانک اللہم کو چھوڑ جاتے تھے۔ (دو اسلام ص ۲۳۷)

## نماز میں مختلف اعمال کی اجازت

بے شک ہمیں نماز کے رکوع اور سجود اور قیام و قعود میں کسی بھی ایسے عمل کی اجازت نہیں جس سے نماز کے خشوع خضوع پر اثر پڑے۔ بخاری شریف کی جس حدیث کو یہاں برق نے نقل کر کے اس سے مختلف اعمال کی اجازت نکالی ہے یہ سراسر غلط ہے۔ حدیث کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب ممبر رکھا گیا تو آپ نے اس کے اوپر نماز پڑھی اور پیچھے صحابہؓ مقتدی بنے چونکہ ممبر پر سجدہ ناممکن تھا اس لئے سجدہ کے واسطے آپ نیچے اترے اور سجدہ زمین پر کیا۔ پھر آپ ممبر پر تشریف لے گئے اس طرح آپ نے تعلیم کے لئے لوگوں کو نماز پڑھ کر دکھائی۔

علامہ عینی شرح بخاری میں لکھتے ہیں:

ارتفاعه علی المامومین باتباع له والتعليم

ممبر پر آپ کا یہ ارتفاع تعلیم کے لئے تھا۔

اسی طرح سے ایک روایت میں یہ ذکر ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اپنی دختر امامہ بنت زینبؓ کو اٹھائے ہوئے تھے جب آپ سجدہ میں جاتے تو اس کو زمین پر بٹھلا دیتے اور جب اٹھتے تو پھر اٹھا لیتے۔ فقہاء کا مسلک بھی اس بارے میں یہ ہے:

واما حمل الصبی بدون الارضاع فلا یوجب الفساد وفی

العالمگیری لو تردی بر داء او حمل شیئاً خفیفاً یحمل بید واحد او

حمل صبیئاً او ثوباً علی عاتقہ لم یفسد صلاتہ کذا فی فتاویٰ قاضی

خاں۔ خلاصہ یہ کہ بچے کو اگر نماز میں کسی نے کندھے پر اٹھالیا تو یہ عمل موجب فاسد صلوٰۃ

نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ اگر کسی نے نماز میں چادر کو

اوڑھایا کسی ہلکی چیز کو ایک ہاتھ سے اٹھالیا یا کندھے پر کوئی کپڑا ڈال لیا تو ان سب سے

نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (مگر یہ اجازت سخت ضرورت کے وقت ہے)

کیا نمازی کے سامنے سے گزرنا ممنوع ہے؟

بے شک دوران نماز میں نمازی کے سامنے سے گزرنا منع ہے۔ بخاری کی حدیث

اس بارے میں واضح ہے جس کو خود ”برق“ نے بھی نقل کیا ہے۔ بعض روایات ایسی بھی

ہیں جن سے سامنے سے گزرنا منع نہیں معلوم ہوتا۔ اس لئے تطبیق ان روایات میں یہ ہے

کہ نماز کی روح دراصل خشوع خضوع ہے اگر آگے سے گزرنے والی چیز سے نمازی کی

توجہ اللہ کی یاد سے ہٹ کر اس چیز کی طرف متوجہ ہوگی تو نماز میں نقص آئے گا اور اگر

نمازی کو گزرنے والے کا علم بھی نہ ہوا اور وہ بدستور نماز میں مشغول رہا تو نماز میں کوئی

نقص نہیں آئے گا اور چونکہ نماز میں امام کا سترہ مصلیوں کے لئے کافی ہے، اس لئے اگر

صف کے اطراف کے حصص میں سے کوئی آگے سے گزر جائے تو مقتدیوں کی نماز پر کوئی اثر نہیں ہوگا، کیونکہ امام کا سترہ مقتدیوں کا سترہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کے واقعہ ذیل میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں گدھی پر سوار ہو کر منیٰ میں پہنچا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے، میں آپ کے آگے سے نہیں بلکہ صف میں کچھ ادھر ادھر کے نمازیوں کے آگے سے گزرا اور کسی نے اس پر انکار نہیں کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سترہ سب کے لئے کافی تھا۔

موطاء والی روایت میں حضرت سعد بن وقاص کے واقعہ میں بھی کان یمر بین یدی بعض الصفوف کے لفظ آتے ہیں جن کا مفہوم یہی ہے کہ صف کے اطراف میں ادھر ادھر نمازیوں کے آگے دور دور سے گزر جاتے تھے اس بنا پر کہ امام کا سترہ سب مقتدیوں کے لئے کافی تھا۔

### ایک اور جھوٹ

برق نے حدیث ذیل میں لفظ ”غمزنی“ کا ترجمہ اشارۃ ابرو کیا ہے جو بالکل جھوٹ ہے۔

اس روایت میں ”غمزنی“ سے مراد اشارۃ ابرو نہیں ہے بلکہ پاؤں کو چوکا لگا دینا مراد ہے۔ روایت کے الفاظ خود اس پر شاہد ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔

ورجلانی فی قبلتہ فاذا اسجد غمزنی فقبضت رجلی۔

میرے پیر آپ کے قبلہ رخ پھیلے ہوئے ہوتے آپ جب سجدہ میں جاتے تو میرے پیروں کو ہاتھ سے چوکا لگا دیتے اور میں فوراً ان پیروں کو سمیٹ لیتی تھی۔ اصل واقعہ یہ ہے مگر برق کی کج ادائی ملاحظہ ہو جو یوں چلتی ہے:

یہ اندھیرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۃ ابرو کو دیکھ لینا حضرت

عائشہؓ ہی کا کمال ہو سکتا ہے۔ (دو اسلام ص ۲۴۰)

برق کا یہاں اشارہ ابرو کے ساتھ ترجمہ کرنا بالکل غلط ہے۔ غمز کے معنی کسی چیز کو ہاتھ سے دبانا بھی ہے۔ (دیکھو ڈکشنری بیان اللسان ص ۵۵۵) اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔ اسی طرح سے حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث آئی کہ عورت اور گدھے اور کتے کے سامنے آنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے تو اس پر آپؐ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہم عورتوں کو بھی گدھوں اور کتوں کے ساتھ تشبیہ دے دی۔ ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کی صحت سے انکار نہیں کیا تھا بلکہ آپؐ کا مقصد یہ تھا کہ اس حدیث کا حکم علی العموم نہیں ہے بلکہ خاص حالات میں ہے۔ اگر علی العموم یہ حکم ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرے لیٹنے سے آپؐ کی نماز ضرور ٹوٹ جاتی۔ یہ ہے حضرت عائشہؓ کے قول کا مقصد۔ مگر برق اس پڑیوں بیان چلاتے ہیں کہ:

حضرت عائشہؓ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا تھا اور پھر بھی یہ صحیح مسلم کا جزئی ہوئی ہے۔ (دو اسلام ص ۲۴۱)

### رفع یدین

اس عنوان کے ذیل میں آپؐ نے یہ خوب کہا کہ عام مسلمان رکوع سے پہلے یا بعد ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اگر آپؐ یوں کہتے کہ حنفی مسلک پر عمل کرنے والے مسلمان نہیں اٹھاتے تو بات ٹھیک بیٹھتی مگر ”عام مسلمان“ کا لفظ استعمال کرنے کے آپؐ نے خوب اپنی معلومات کا مظاہرہ کیا ہے، آپؐ کبھی خانہ کعبہ کی زیارت سے شرف یاب ہو جائیں تو آپؐ پر واضح ہو کہ ”زیادہ مسلمان“ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد ہاتھ اٹھاتے ہیں اور کیوں نہ ہو جبکہ رفع یدین سوائے مسلک امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل سنت کے بقایا تینوں یعنی شافعی و مالکی و حنبلی مسلک میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت مسنون ہے اور اس کی بنیاد ان ہی احادیث صحیحہ پر ہے جو بخاری شریف اور دیگر

کتب احادیث میں موجود ہیں۔ رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنا اس قدر صحابہ و تابعین سے منقول ہے کہ بہت سے محققین نے اسے تو اتر کا درجہ دیا ہے۔

### اجتماع صلاتین

اس سرخی کے تحت برق کا ارشاد یوں شروع ہوتا ہے کہ ہم بلا وجہ ظہر و عصر اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو جمع نہیں کر سکتے، لیکن موطاء میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے: **صلیٰ لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الظهر والعصر جميعاً والمغرب والعشاء جميعاً من غیر خوف ولا سفر**۔ (موطاء ص ۵۱) نیز مسلم ج ۲ ص ۲۶۵

کہ حضورؐ بغیر کسی خوف یا سفر کے بھی نماز ظہر و عصر اور نماز مغرب و عشاء کو اکٹھا کر لیا کرتے تھے۔ (دو اسلام ص ۲۴۱)

### ترجمہ میں مبالغہ آمیزی

حدیث مذکورہ میں لفظ ”صلیٰ لنا“ کا ترجمہ اتنا ہے کہ آپؐ نے ہم کو نماز پڑھائی۔ مگر برق نے اس کا ترجمہ ماضی استمراری کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے لفظ یہ ہیں کہ ”اکٹھا“ کر لیا کرتے تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا روزانہ دستور ہی اکٹھا کر لینے کا تھا، حالانکہ واقعہ یہ چیز ہرگز نہیں ہے۔

نواب صدیق حسین صاحب مرحوم فرماتے ہیں:-

جمع مذکور مدینہ یکبار بیش نہ بود۔ (بدورالاہلہ ص ۴۶)

یعنی یہ اجتماع صلاتین کا موقعہ مدینہ شریف میں صرف ایک ہی بار پیش آیا ہے جس کی وجہ نسائی شریف جلد دوم ص ۱۴۱ پر بروایت عبدالرحمن بن علقمہ یہ بیان کی گئی ہے کہ قبیلہ ثقیف کا وفد آپؐ کی خدمت اقدس میں دینی اسلامی معلومات حاصل کرنے کے لئے آیا ہوا تھا، ان کی تبلیغ و ارشاد میں آپؐ نے ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع فرمایا اور یہ ”جمع صوری“



تھی۔ یعنی ظہر کا آخری وقت اور عصر کا اولین وقت۔ (ارشاد الناری جلد ۱ ص ۴۰۱)  
 اسی طرح مغرب کا آخری وقت اور عشاء کا اولین وقت تھا کہ آپ نے اس خاص

ضرورت کے تحت اس دن ان نمازوں کو جمع فرمایا۔

ایک اور کھلا ہوا سفید جھوٹ

حیض والی عورت کے لئے نماز معاف ہے اور روزے کی قضا ہے اور استحاضہ والی عورت کو نہ نماز معاف ہے، نہ روزہ، وہ اعتکاف بھی کر سکتی ہے۔ اس کے بارے میں بخاری شریف جلد ۱ ص ۲۳ پر یوں تفصیل ہے: باب اعتکاف المستحاضۃ۔ استحاضہ والی عورت کے اعتکاف کرنے کے بیان میں اس باب کے ذیل میں جو حدیث ہے وہ یہ ہے:

عن عائشة قالت اعتکفت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة من ازواجه مستحاضة فكانت ترى الحمرة والصفرة فربما وضعتا الطست تحتها او هي تضي.

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آپ کی ایک حرم محترم نے اعتکاف کیا، مگر وہ ”مرض استحاضہ“ میں گرفتار تھیں۔ وہ جب نماز پڑھتیں تو ہم ان کے نیچے برتن رکھ دیا کرتے تھے تاکہ خون مسجد میں گرنے نہ پائے۔

اس روایت میں صاف ”مستحاضہ“ کا لفظ موجود ہے، مگر سفید کھلا ہوا برقی جھوٹ ملاحظہ کیجئے کہ اس سے ”حائضہ“ کے لئے نماز کا ثبوت نکال کر ”مکراؤ“ پیدا کرنے کے لئے ٹکڑا کر رکھا ہے۔ نہیں کہا جاسکتا کہ برق صاحب حیض اور استحاضہ کے لئے اسلامی تعلیم سے واقف نہیں۔ حالت حیض میں بیوی سے جماع حرام ہے اور حالت استحاضہ میں حلال، حالت حیض میں نماز معاف ہے اور حالت استحاضہ میں فرض۔ اس حقیقت کے باوجود برق نے ایسا سفید جھوٹ کیوں حوالہ قلم کیا؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ یہ محض اس لئے ہے کہ دیانت، امانت، ذمہ داری سب سے بے نیاز ہو کر

حدیث دشمنی، کاناپاک مظاہرہ کیا جائے، مگر برق کون لینا چاہئے۔

صد اقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے  
 ایک خوشبو آ نہیں سکتی کھن کاغذ کے پھولوں سے

## قرآن پاک پر کھلا ہوا افترا

بے شک صحیح احادیث کی بناء پر نماز کی حالت رکوع اور سجدہ میں قرآن پاک کی تلاوت منع ہے، کیونکہ رکوع اللہ کی تعظیم کے لئے اور سجدہ اس سے دعا مانگنے کے لئے ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی رکوعہ و سجدوہ سبح قدوس رب الملائکۃ والروح۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے۔

سبح قدوس رب الملائکۃ والروح

اب برق کا قرآن مجید پر افترا، جھوٹ، بہتان، کذب ملاحظہ کیجئے۔ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہیں کہ:

حضور رکوع و سجود میں قرآن کی یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ سبح قدوس

رب الملائکۃ والروح۔ (دوا سلام ص ۲۳۲)

## جھوٹ کی حد ہو گئی

اول تو ترجمہ میں جھوٹ بولا کہ خط کشیدہ لفظوں کا اپنی طرف سے اضافہ کیا اور پھر قرآن پر افترا باندھ کر چند دعائیہ الفاظ کو قرآن کی آیت دکھلا کر پیش کیا، حالانکہ آپ سارا قرآن پاک کھول کر دیکھ جائیے۔ یہ سبح قدوس رب الملائکۃ والروح کے الفاظ از اول تا آخر سارے قرآن میں کہیں بھی بطور آیت آپ نہیں پاسکیں گے، مگر برق بڑی جسارت کے ساتھ ان لفظوں کو قرآن کی آیت بتلاتا ہے۔

چیلنج

کیا برق میں ہمت ہے کہ دنیا بھر کے کسی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ قرآن میں یہ آیت

دکھلا سکے؟ سچ ہے۔ کہ جب انسان خدا کی پھٹکار میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر نہ اسے جھوٹ سے حجاب ہوتا ہے نہ بہتان تراشی و اتہام بازی تھے، یہ سب کچھ خدا کی پھٹکار کے اثرات ہیں۔ خود قرآن پاک کھلے لفظوں میں اس کیفیت کا اظہار یوں کرتا ہے:

انما یفتری الکذب الذین لایؤمنون بآیات اللہ

جھوٹ اور افتراء وہ لوگ کیا کرتے ہیں جن کے قلوب اللہ کی آیات پر ایمان سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں۔

ایک اور.....!

ایک تو ہوا ”انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے سے کلام کرنا“ دوسرے ”انسان کا اللہ سے کلام کرنا، دعا کرنا، مناجات کرنا“ پہلی چیز نماز میں مطلقاً حرام ہے اور دوسری چیز سزا سرفشائے نماز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دوران نماز میں شیطان کے سامنے آنے پر تین مرتبہ **أَلْعَنَكَ اللَّهُ** (میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں) کہا تھا جو بالکل **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** کا ترجمہ ہے، مگر اس حدیث بر باقی حاشیہ ملاحظہ ہو جو یوں چلتا ہے:

یعنی حضورؐ کے لئے نماز میں انسانی کلام جائز اور دوسروں کے لئے ناجائز۔

(دو اسلام ص ۲۴۳)

اسی طرح ایک مرتبہ آپؐ نے قنوت نازلہ میں مسلمانوں کی نصرت کے لئے دعا اور کفار عرب خاص کر کفار مضر کے لئے بددعا کی تھی، کیونکہ انہوں نے دھوکہ سے کچھ مسلمانوں کو شہید کر دیا تھا۔ اس واقعہ پر برقی حاشیہ یہ ہے:

یہ انسانی کلام نہیں تو اور کیا ہے (دو اسلام ص ۲۴۴)

معلوم ہو رہا ہے کہ ”حدیث دشمنی“ کی آگ نے برق کے دماغ کو جلا کر خاک کر دیا ہے۔ خطرہ ہے کہ کل جب آپؐ تین قرآن لکھنے بیٹھیں گے تو (۱) **اعوذ باللہ من**

الشيطان الرجيم) میں شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتا ہوں اور  
 اھدنا الصراط المستقیم ○ صراط البذین انعمت علیہم غیر  
 المغضوب علیہم ولا الضالین ○ (ہم کو اے خدا سیدھا راستہ دکھا دے ان لوگوں  
 کا راستہ جن پر انعامات کی بارش ہوئی اور ملعون اور گمراہ لوگوں کے راستے سے بچا)  
 کا نتیجہ یہ نہ پیش کر دیں کہ قرآن کی رو سے نماز میں انسانی کلام جائز ہے اور یہ  
 انسانی کلام نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور تعوذ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھانا

دعا میں آپ اکثر ہاتھ اٹھاتے تھے مگر استسقاء کی دعا میں ہاتھوں کو خصوصیت سے  
 بہت بلند فرماتے تھے۔ شرح بخاری میں ہے:

یتاویل هذا الحديث على انه لم يرفع الرفع البالغ بحيث يرى  
 بياض ابطيه الا في الاستسقاء. یعنی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ استسقاء  
 میں اتنے ”رفع وبلغ“ ہاتھ اٹھاتے تھے کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آتی تھی۔

برق کی اور چوری

یہاں بھی حدیث کو غلط طور پر نقل کرتے ہوئے ان لفظوں کو برق ہضم کر گیا جو  
 اس کے ”غلط مقصد“ پر چوٹ لگانے والے تھے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں:

كان النبي صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه في شيء من دعائه الا في  
 الاستسقاء وانه يرفع حتى يرى بياض ابطيه. (بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۴۰)

خط کشیہ الفاظ میں چونکہ اس رفع کی تصریح تھی جو دیگر مواقع سے اسے ممتاز کرتی  
 تھی، اس لئے برق نے اس جملے ہی کو حذف کر دیا۔

برق صاحب! حدیث میں یہ ”کتر بونت“ اور پھر دعویٰ ”انا ولا غیري“ یاد رکھئے یہ  
 حرکات صرف ”حزب الشيطان“ ہی کو زیب دیے سکتی ہے۔ ہم خدا سے دعا کریں گے کہ

آپ کا نام اس گروہ سے مولا خارج کر دے۔

ایں دعا ازین و از جملہ جہاں آمین باد

مزید برقی ہفتوات پر مختصر تبصرہ ملاحظہ فرمائیے

(۱) بیشک اگر جو تیاں صاف ستھری پاک ہوں تو باتفاق اکثر ائمہ اہل سنت والجماعت ان میں نماز بوقت ضرورت جائز ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی حجتہ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں:  
فالصحيح ان الصلوة متنعلا و خافيا سواء

(۲) کتا بیٹھتا ہے تو اپنے بازو سمیٹ کر بیٹھتا ہے، سجدہ میں اس طرح بازو مکنے منع ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں بازو کشادہ رکھتے تھے۔ حدیث لا ینسط ذراعیہ کالکلب کی تفسیر ہے: لا یتخذہما بساطاً (نووی ص ۱۹۳) یعنی نماز میں بازوؤں کو بستر کی طرح بچھانہ دو بلکہ اٹھا کر رکھو۔ برق کو حدیث دشمنی نے فہم حدیث سے بالکل محروم کر دیا ہے جس کی بنا پر آپ یہاں بھی تضاد پیدا کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہیں۔

(۳) برق پہلی رکعت کے بعد سجدے سے دوسری رکعت کے لئے سیدھا اٹھ جاتا ہے (دو اسلام ص ۲۳۵) حالانکہ یہاں جلسہ استراحت کر کے اٹھنا عام مسلمانوں کا معمول ہے اور حدیث کا بھی یہی حکم ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث (بخاری شریف جلد ۱ ص ۱۰۳) امر قومہ دردو اسلام ص ۲۳۵۔

پس معلوم ہوا کہ برق کا دوسری رکعت کے لئے سجدے سے سیدھا اٹھ جانا خلاف

سنت ہے۔

(۴) ائمہ مساجد کو آپ نے حکم فرمایا کہ نماز میں مقتدیوں کا خیال رکھو۔ ان میں ضرورت مند بھی ہوتے ہیں، بیمار بھی ہوتے ہیں اس لئے نماز ہلکی پڑھایا کرو۔ آپ کا

بیشتر یہی عمل تھا، مگر تنہا پڑھنے والے کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے جس قدر لمبی نماز پڑھے۔ چنانچہ آپ جب تنہا پڑھتے تو آپ بہت طول دیا کرتے تھے۔ آپ کی تنہا نماز پڑھنے کی کیفیت کو حضرت انسؓ اور ابو سعید خدریؓ نے اپنی روایات میں نقل کیا ہے۔ افسوس کہ برق نے بغیر سوچے سمجھے لکھ مارا کہ کہنے ان احادیث کی روشنی میں آپ نماز لمبی پڑھیں گے یا چھوٹی۔ (دوا سلام ص ۲۳۷)

(۵) بخاری کی حدیث ابر دو ا بالصلوۃ۔ یعنی نماز کو ٹھنڈے وقت پڑھا کرو۔ اس کا تعلق موسم گرما میں ظہر سے ہے نہ کہ عصر سے جیسا کہ برق نے لکھا ہے: عصر کی نماز کا وقت ایک مثل سے شروع ہو کر غروب شمس تک رہتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ایک ہی مثل پر نماز عصر ادا فرمایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ ایک مثل پر نماز عصر ادا کی جائے گی تو اتنا وقت ضرور باقی رہے گا کہ آدمی غروب شمس سے پہلے پہلے ۳، ۴ میل کا سفر طے کر لے۔ اسی کو حضرت انسؓ نے یوں بیان کیا ہے کہ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوتے اور جانے والا اطراف مدینہ میں چار میل کا سفر غروب شمس سے پہلے طے کر لیتا تھا۔ (بخاری جلد ۱ ص ۷۸) یہاں برق نے حضرت انسؓ کی روایت کا غلط ترجمہ پیش کر کے اپنی ”ہمہ دانی“ کا ثبوت دیا ہے۔ کیا برق بتا سکتا ہے کہ یہ ترجمہ کون سے لفظوں کا ہے کہ اگر ہم نماز پڑھ کر عوالی مدینہ سے بھی پھر آتے تو سورج کافی اونچا ہوتا۔ (دوا سلام ص ۲۳۷)

روایات میں ان مسلمانوں کا ذکر ہے جو اطراف مدینہ سے خدمت نبوی میں حاضر ہوا کرتے اور عصر کے بعد واپس ہو جایا کرتے تھے۔ افسوس کہ برق کی ”دو طرفہ سفر میں ۱۱ میل بنانے کی کوشش بالکل رایگاں گئی۔ اور برقی گپ ملاحظہ ہو:

حضور نماز عصر غروب آفتاب سے ساڑھے پانچ گھنٹے پہلے پڑھا کرتے تھے..... گویا سرما میں نماز عصر دن کے پونے بارہ بجے پڑھی جاتی تھی اور گرمیوں میں دو بجے بعد از دوپہر۔ (دوا سلام ص ۲۸۸)

قربان جاؤں ”برق“ کے ”برقی ذہن“ پر کس قدر تیزی کے ساتھ ناپ تول کر حساب پیش فرمادیا۔ برق جیسوں کے ہوتے ہوئے کوئی غیر مسلم مسلمانوں کو ”علم الحساب“ سے نابلد بتلائے تو یہ اس کی سخت بھول ہوگی۔

## برقی نماز

شکر ہے کہ برق صاحب ابھی قرآن کے ان نادان دوستوں میں شامل نہیں ہوئے ہیں جو ”ایک رکعتی“ ”دو رکعتی“ ”تین رکعتی“ ”چار رکعتی“ فرقوں میں تقسیم ہو کر قرآن مقدس کو ”مسحکہ خیز“ بنانے کی ناپاک جدوجہد میں ناکام ہو کر ”خسران مبین“ میں گرفتار ہو چکے ہیں۔ ہاں یہ امر علیحدہ ہے کہ آپ سرے سے ”رکعات“ کے جھنجھٹ ہی کو ختم کر کے نماز کو صرف پروپاگنڈہ کی حد تک رکھنا چاہتے ہیں، مگر یہ ذرا دیر طلب چیز ہے اس لئے حالت موجودہ میں بھی آپ کی برقی نماز کافی دلچسپ ہے ملاحظہ کیجئے ارشاد ہوتا ہے:

”ہماری موجودہ نماز کی تصویر آپ کے سامنے ہے پہلے ثا (استعاذہ اور بسملہ ندارد) پھر سورہ فاتحہ پر چند آیات پھر رکوع و سجود اور ان کی سب دعائیں غائب، بلکہ رکوع و سجود بھی غائب بلکہ آپ چند آیات کے بعد فوراً التحیات میں تشریف لیجاتے ہیں۔ سچ ہے کون اس قدر جھنجھٹ میں وقت ضائع کرے۔ جلد التحیات میں پہنچو اور اس سے چھٹکارا پاؤ پھر التحیات میں درود دعا اور سلام۔ (دوا سلام ص ۲۳۸)

لیجئے برقی نماز جس میں از اول تا آخر برقی دوڑ دھوپ بالکل نمایاں ہے اب برق کو مندرجہ ذیل دعائیں ”آفت“ کیوں نہ نظر آئیں؟ اور بھلا برقی طبیعتوں کو کیسے گوارا ہو کہ نماز میں دعاؤں کے لئے اتنی کدو کاوش کی جائے۔

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں یہ دعا پڑھتے تھے: سبحانک اللہم ربنا و بحمدک اللہم اغفر لی۔ (مگر برق کے لئے یہ ناقابل برداشت ہے)

(۲) آپ نماز میں التحیات درود کے بعد ان لفظوں میں دعا پڑھا کرتے تھے:

اللهم انی اعوذ بک من عذاب القبر الخ

(۳) سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آپ نے بعد از درود یہ دعا بھی تعلیم فرمائی

تھی: اللهم انی ظلمت نفسی ظلما کثیرا الخ

(۴) آپ بعض دفعہ رکوع کے بعد ربنا لک الحمد مل السموات والخ

بھی پڑھا کرتے تھے۔

(۵) التحیات آپ نے یوں بھی تعلیم فرمائی تھی:

التحیات المبارکات الصلوۃ الطیبات لله

(۶) درود شریف آپ نے یوں بھی تعلیم فرمایا تھا:

اللهم صل علی محمد و علیٰ ازواجه و ذریتہ کما بارکت علیٰ آل

ابراہیم و بارک علیٰ محمد و ازواجه و ذریتہ کما بارکت علیٰ آل

ابراہیم۔

(۷) التحیات اور درود کے ماثورہ و مقررہ الفاظ کے بعد آپ نے ”دعا“ کے

بارے میں امت کو متعید بھی نہیں فرمایا بلکہ اجازت دی کہ اور بھی جو دعا مانگنا چاہو مانگ لیا کرو، کیونکہ نماز کا اول و آخر مقصد حمد و ثناء الہی پھر دعا ہے اور بس۔

بتلائیے! برقی نماز کیلئے اتنی دعاؤں کا جھمیلہ کیسے قابل برداشت ہو سکتا ہے؟

ناظرین! یہ ہیں آج کے ہمدردان اسلام جو گلا پھاڑ پھاڑ کر اور پھیپھڑوں تک کا

زور لگا لگا کر چیخ چیخ کر چلا چلا کر دنیا کو اپنی اسلام دوستی ”قرآن شناسی“ ملت کی

ہمدردی“ کا یقین دلانا چاہتے ہیں۔

کئے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر

اگر تم خشمگین ہوتے! خدا معلوم کیا کرتے؟



## گیارہواں باب

### بہترین عمل

مزعومہ ملازم سے جملے بھنے ”برق“ نے اس سرخی کے تحت اپنے ایک مزعومہ نظریہ کو سامنے رکھ کر خوب جی بھر کر ملا کو کوسا ہے! بھلا کون مسلمان ہے جسے ”فی سبیل اللہ“ جد و جہد کرنے کی اہمیت و اولویت سے انکار ہو؟ مگر برق کو مسلمانوں کے اعمال نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اسلامی فرائض پسند نہیں اس لئے وہ ان سب کا قلع قمع کرنے کے لئے ایک ایسا نعرہ ایجاد کرنا چاہتا ہے کہ جس سے اس کی آواز پر ترویر سے اسلامی فرائض کی دعوت دینے والے مرعوب ہو جائیں اور مفت میں وہ نہ صرف ”اسلام“ کا ٹھیکدار بلکہ جنت کا مالک بن جائے۔

اس سرخی کے تحت ”برق“ نے اپنے مندرجہ ذیل نظریات پر قرآن پاک کی آیات و احادیث نبویؐ کا نقاد دکھلاتے ہوئے فرائض اسلامی نماز، روزہ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پیر مارے ہیں۔

(۱) اللہ کے نزدیک جہاد بلند ترین عمل اور بہترین اجر کا مستحق ہے۔

(دو اسلام ص ۲۵۶)

(۲) جہاد کے علاوہ فضائل اعمال کی احادیث سب ملا کی بناوٹ ہیں۔

(حوالہ مذکور)

(۳) حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ جہاد کرو یا نہ کرو جنت تمہاری ہے۔

(دو اسلام ص ۲۵۸)

(۴) ذکر اللہ کا نظریہ خطرات جنگ سے بچنے کے لئے ملا کی تعمیر کردہ پناہ گاہ ہے۔  
(۲۵۹) اپنے نظریات کو ثابت کرنے کے لئے ”برق“ نے کئی ایک آیات قرآنی نقل کی ہیں مثلاً: الذین امنوا و ہاجروا و جاهدوا فی سبیل اللہ باموالہم و انفسہم اعظم درجۃ عند اللہ و اولائک ہم الفائزون ○

آیت شریفہ میں ایمان اور ہجرت کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کا درجہ رکھا گیا ہے۔  
برق کو چاہئے کہ اس آیت کو بھی ”ملا کی تعمیر کردہ پناہ گاہ“ قرار دے کر قرآن سے نکالنے کی کوشش شروع کر دے۔ ان اللہ یحب الذی یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرموص ○ اپنی راہ میں جم کر لڑنے والوں کو بے شک اللہ دوست رکھتا ہے۔  
والذین جاهدوا فینا لنہدینہم سبلنا . جو لوگ ہماری تلاش کے لئے۔  
”مجاہدہ“ کرتے ہیں ہم ان پر اپنی ”یا جنت“ کی راہیں کھول دیتے ہیں۔

والذین امنوا و ہاجروا و جاهدوا فی سبیل . الایۃ سچے مومن، مسلمان وہ ہیں جو ایمان لاتے، ہجرت کرتے اور فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہیں۔

ان آیات کی بنا پر جہاد فی سبیل اللہ بہترین عمل قرار پاتا ہے۔ چنانچہ اس کی فضیلت اور اولویت کے بارے میں ان آیات ہی کی تفسیر بہت سی احادیث بھی مروی ہیں جو کتب احادیث میں اپنے اپنے محل و مقام پر روشن و ظاہر ہیں۔ برق کا یہ کہنا کہ ان احادیث کو ملانے چھپا رکھا ہے سراسر جھوٹ، کذب، افتراء ہے۔ ممکن ہے جنت منتر کرنے والے جھوٹے ملا لوگوں سے ہی برق کا پالا پڑا ہو جن کو سامنے رکھ کر برق نے اس دروغ گوئی کا ارتکاب کیا۔ ورنہ سچے مومنین، قاضین، واعظین دینی رہنما کبھی بھی ایسا اقدام نہیں کر سکتے کہ وہ احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپائیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ برق اپنی زبان درازی سے ملا کو مرعوب کر کے جہاد جیسے مشکل ترین عمل کا سہارا لیکر نماز، روزہ، ذکر اللہ سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے۔ برق کو معلوم ہونا چاہئے کہ نماز، روزہ ذکر اللہ بھی جہاد ہی کے شروعات ہیں۔ اگر آزاد طبع الحاد پرور لوگوں کا نفس جہاد کی اولین

منازل کو طے کرنا اپنے لئے ایک پہاڑ تصور کرتا ہے تو ناممکن ہے کہ وہ نفس کشی کے آخری مرحلہ ”جہاد فی سبیل اللہ“ پر کچھ کر کے دکھلا سکے برق۔ جیسوں کی یہ ساری گئیں، ہاتھی کے دانت صرف دکھلانے کے لئے ہیں۔

فضیلت جہاد پر آیات قرآنی کی روشنی میں مندرجہ ذیل احادیث نبویؐ موجود ہیں جو برق کے خیال باطل کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے کافی دانی ہیں، جن کو خود برق بھی تسلیم کرتا ہے۔ مثلاً:

(۱) عن ابی سعید الخدری قال قیل یا رسول اللہ ای الناس افضل فقال مومن یجاہد فی سبیل اللہ بنفسہ و مالہ۔ (بخاری شریف کتاب الجہاد جلد ۲ ص ۹۰) حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کون آدمی بہترین ہے؟ فرمایا وہ مومن جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرے۔

(۲) لغدوقہ فی سبیل اللہ اور وحة بخیر من الدنیا و ما فیہا۔ (بخاری شریف کتاب الجہاد) اللہ کی راہ میں ایک صبح یا شام صرف کر دینا دنیا کے بہترین کاموں میں سے ہے۔

(۳) والذی نفسی بیدہ لودوت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیا ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل۔ (بخاری شریف مناقب الجہاد) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ کی قسم میری دلی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں اور میں پھر شہید ہو جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر شہید ہو جاؤں۔

(۴) اعلموا ان الجنة تحت ظلال السیوف۔ لوگو! خوب سمجھ لو جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔ (وہ تلواریں جو عدل و انصاف کی حمایت میں ظلم و طغیان و بد امنی کو دور کرنے کے لئے ہاتھ میں لی جائیں)

۱۔ برق نے یہاں بخاری کے حوالہ سے لفظ ”لغوة“ نقل کیا ہے جو غلط ہے۔ ۱۲۔ آرا

(۵) الخیل معقود فی نواصیہا الخیر الی یوم القیامۃ . (بخاری شریف جلد ۲ ص ۹۶) گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک برکت رہے گی۔

من احتبس فرساً فی سبیل اللہ ایماناً باللہ و تصدیقاً بوعده فان شعبہ و ریه و روثہ و بولہ فی میزانہ یوم القیامۃ . (بخاری ج ۲ ص ۹۶) جو شخص فی سبیل اللہ محض اللہ کے لئے گھوڑا پالے گا۔ قیامت کے دن اس گھوڑے کی غذا، پانی لید اور پیشاب تک اس کے نیک اعمال کے ہمراہ تو لے جائیں گے۔

(۷) رباط یوم فی سبیل اللہ خیر من الدنیا و ما علیہا . اللہ کے راستے میں سرحدوں پر ایک دن پہرہ دینا دنیا کا بہترین عمل ہے۔

(۸) ارموا بنی اسماعیل فان اباکم کان رامیاً . (بخاری کتاب الجہاد ج ۲ ص ۱۰۱) اسماعیل کے بیٹو! تیرا اندازی میں کمال پیدا کرو اس لئے کہ تیرا اندازی تمہارا آبائی پیشہ ہے۔

یہ جملہ احادیث آیات قرآنی متعلقہ جہاد کی تفسیر ہیں اور ان سب کی حقانیت و صداقت برق کو بھی تسلیم ہے مگر باوجود اس ”تسلیم“ کے پھر بڑی ڈھٹائی کے ساتھ برق غلط پر غلط جھوٹا ناپاک اتہام بہتان لگاتے ہیں کہ:

حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ جہاد کرو یا نہ کرو جنت تمہاری ہے۔ (دوا سلام ص ۲۵۸) جھوٹ اور اتہام کی بے شمار مثالیں دنیا میں آپ کو ملیں گی، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہاں ”برق“ کذب و اتہام میں سب جھوٹوں، کذابوں، اتہام بازوں پر سبقت لے گئے ہیں۔ ”برق“ کے جھوٹ کی مزید قلعی کھولنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیث ملاحظہ فرمائیے:

(۹) حضرت معاؤؓ نے پوچھا یا رسول اللہ مجھے وہ عمل بتلائیے جن سے جنت کا حقدار بن جاؤں اور دوزخ سے نجات پا جاؤں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ خالص اللہ کی عبادت کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کر، نماز پڑھ، زکوٰۃ ادا کر، رمضان کے روزے رکھ، بیت اللہ کا حج کر پھر ذرا تفصیلات کے بعد فرمایا:

الا ادلك براس الامر و عموده و ذروة سنامه؟ قلت بلى يا رسول الله قال راس الامر الاسلام و عموده الصلوة و ذروة سنامه الجهاد . (احمد و ترمذی وابن ماجہ) کیا میں تجھ کو دین کا سر، اس کا ستون اور اس کا کوہان نہ بتاؤں؟ یاد رکھو! دین کا سر اسلام ہے۔ اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی ”جہاد“ ہے۔ (یعنی دنیا سے ظلم و بد امنی کو مٹانے کے لئے جدوجہد کرنا)

احادیث سابقہ اور اس حدیث کے ہوتے ہوئے پھر ”برق“ کا حدیث پر یہ الزام دھرنا کہ ”جہاد کرو یا نہ کرو جنت تمہاری ہے۔ حدیث سے اس کی دلی دشمنی اور قلبی بغض کی دلیل ہے اور حقیقت ہے کہ

”گل است سوری و در چشم دشمنان خارا است“

آیات جہاد کے بعد خود قرآن پاک میں آپ کو بے شمار آیات ایسی ملیں گی جن میں دیگر اعمال حسنہ کا ذکر ہے اور ان کے کرنے پر مختلف بشارات دی گئی ہیں۔ بطور نمونہ چند آیات ذکر کی جاتی ہیں۔ جو برق کی بے محل ہفوات کی قلمی کھولنے کے لئے کافی ہیں۔

(۱) الم ذالک الکتاب لا ریب فیہ ہدی للمتقین ہ الذین یؤمنون بالغیب و یقیمون الصلوة و مما رزقنہم ینفقون ہ و الذین یؤمنون بما انزل الیک و ما انزل من قبلک و بما الاخرة ہم یوقنون ہ اولئک علی ہدی من ربہم و اولئک ہم المفلحون ؕ ترجمہ:- یہ کتاب قرآن مجید بے شک اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے جو ”متقین“ کی راہ نما ہے، متقین وہ ہیں جو بغیر دیکھے غیب کی تمام الہامی خبروں پر یقین لائے ہیں اور نماز کی اقامت کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ قرآن پاک پر اور جملہ پہلی الہامی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت پر بھی ان کا کامل یقین ہے، یہی لوگ اللہ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور فلاح و کامیابی انہیں کو ملنے والی ہے۔

برق! دیکھا آپ نے ملا کی پناہ گاہ کو؟ کیا یہ بھی ملا کی تعمیر کردہ ہے؟ کہہ دیجئے کہ

جہاد کر دیا نہ کرو بس نماز، روزہ کرو اور فلاح پا جاؤ۔ آئندہ سے ایسا ”قرآن“ بھی ہم کو نہیں چاہئے جو صرف ملا کو ہی سہارا دیتا ہے۔ اچھا اب دوسری آیت شریفہ ملاحظہ کیجئے جس میں سچے مولانا بلکہ جملہ مومنین کو یقیناً جنت کا وارث بنا دیا گیا ہے:

(۲) وسارعوا الى مغفرة من ربكم وجنة عرضها السموات والارض  
اعدت للمتقين ○ الذين ينفقون في السراء والضراء والكاظمين الغيظ  
والعافين عن الناس، والله يحب المحسنين ○ اپنے رب کی مغفرت اور جنت  
حاصل کرنے کے لئے دوڑو جو صرف ”متقین“ کے لئے تیار کی گئی ہے جو خوش اور ناخوشی  
میں کبھی ہاتھ خرچ سے نہیں روکتے اور غصہ کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے ان کی غلطیوں پر  
درگزر کر دیتے ہیں، خدا ایسے نیک سلوک کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

برق صاحب! دیکھا آپ نے یہاں قرآن پاک غصہ پی جانے والوں، خرچ  
کرنے والوں، لوگوں سے درگزر کرنے والوں کو مغفرت الہی اور جنت کا حقدار بنا رہا  
ہے، کہہ دیجئے کہ یہ بھی ملا کی تعمیر کردہ پناہ گاہ ہے جو اس نے بقول آپ کے گندے  
ناپاک قول کے ”اپنی جان بچانے کے لئے تعمیر کرتی ہے“۔  
اچھا اب آگے چلئے:

(۳) قد افلح المؤمنون ○ الذين هم في صلاتهم خاشعون ○  
والذين هم عن اللغو معرضون ○ والذين هم للزكاة فاعلون ○ .....  
اولئك هم الوارثون ○ الذين يرثون الفردوس هم فيها خالدون ○  
ترجمہ :- ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز خشوع خضوع کے ساتھ ادا کرتے  
ہیں، ”لغویات“ سے منہ پھیر لیتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، زنا سے بچتے ہیں امانت داری  
اور وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں، نمازوں پر محافظت کرتے ہیں، جنت کے حقدار  
صرف یہی لوگ ہیں جن کو آخرت میں یقیناً جنت الفردوس ملے گی۔

برق صاحب! دیکھا آپ نے ”ملا کی پناہ گاہ“ کتنی مستحکم ہے۔ آپ کا فرض ہے

کہ آئندہ ”دو اسلام کے جدید ایڈیشن میں اس قسم کی جملہ قرآنی آیات کو بھی ملا کی تعمیر کردہ پناہ گاہیں قرار دے کر قرآن پاک سے خارج کرنے کا ”مشغلہ“ شروع کر دیں۔ اور ملاحظہ فرمائیے:

(۴) انما المؤمنون الذين اذا ذكر الله وجلت قلوبهم واذا تليت عليهم آياته زادتهم ايمانا وعلیٰ ربهم يتوكلون ۝ الذين يقيمون الصلوة و مما رزقهم ينفقون ۝ اولئك هم المؤمنون حقا لهم درجات عند ربهم و مغفرة و رزق كريم ۝ ترجمہ: مومن صرف وہی لوگ ہیں جن کے اللہ کی یاد کے وقت دل دہل جائیں اور آیات قرآنیہ کو سن کر ان کے ایمان بڑھ جائیں اور وہ اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھیں، ایسے ہی لوگ نماز قائم کرتے اور ہمارے دیئے میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں یہی پختہ مومن ہیں جن کے لئے اللہ کے ہاں درجات اور مغفرت اور بہترین رزق تیار کیا گیا ہے۔

برق صاحب! دیکھا آپ نے قرآن پاک کی یہ آیات کیا کہہ رہی ہیں؟ کیا آپ کے بے لگام قلم میں یہ طاقت ہے کہ ان آیات کی بھی وہ ”صفائی“ کرتا چلا جائے؟ کہہ دیجئے کہ چونکہ ان آیات کے ذریعہ سے اللہ پاک نمازیوں، روزہ داروں وغیرہ کو جنت میں بھیجنے کی خبر دے رہا ہے، اس لئے یہ بھی ملا کی تعمیر کردہ پناہ گاہیں ہیں اور قرآن سے قابل اخراج ہیں۔ اور ملاحظہ کیجئے:

(۵) ان الذين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة ان لا تخافوا ولا تحزنوا و ابشروا بالجنة التي كنتم توعدون ۝ ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ رب ہمارا اللہ ہے پھر اس پر قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہیں کہ نہ خوف کرو، نہ غم کھاؤ اور اس جنت کی بشارت سن کر خوش ہو جاؤ جس کے لئے تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

برق صاحب! اگر آپ کے اندر آپ کا پیدا کردہ خیال باطل پختگی کے ساتھ جڑ پکڑ گیا ہے تو کہہ دیجئے کہ سب سے زیادہ اللہ کو اپنا رب ایک بھکاری بتلایا کرتا ہے جو ایک ایک سانس میں دس دس مرتبہ رب رب پکار جاتا ہے، تو گویا اس آیت کی رو سے اب اس پرفرشتوں کا نزول لازم ہو گیا اور وہ جنت کا ٹھیکیدار بن چکا ہے، اس لئے اس قسم کی جملہ آیات سب ملا لوگوں نے بنانا کر قرآن میں گھسیڑ دی ہیں۔ آپ کے خیال باطل میں مزید جرأت ہے اور ہو سکتی ہے تو کہہ دیجئے کہ دیکھا آپ نے ملائے خطرات جنگ سے بچنے کے لئے کیسی کیسی پناہ گاہیں تعمیر کر رکھی ہیں اور اگر ان قرآنی پناہ گاہوں کو گرانے کے لئے برق جیسے اسلام سوز لوگ ”میدان جہالت“ میں آجائیں تو ملا شور مچا دیتا ہے کہ دیکھو اب برق قرآن پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگ گیا ہے۔

یہ ہے برق جیسے اسلام سوز برق پرست لوگوں کا اسلام۔ حقیقت ہے کہ آج اسلام ایسے ہی لوگوں کے بارے میں مظلومانہ حالت میں کہہ رہا ہے۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم

کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

یہ صرف چند آیات ہیں جو نقل کی گئی ہیں ورنہ تمام کلام مجید اس قسم کے بیانات سے پر ہے اور درحقیقت ان ہی آیات کی شرح ہیں وہ احادیث جن میں فضائل اعمال پر مختلف بشارات وارد ہوئی ہیں اور جن کو نقل کر کے ”برق“ نے گویا قرآن سے ان کا ”تصادم“ ثابت کرنے کی ناپاک سعی کی ہے۔ ہم برق جیسے اسلام سوز برق پرستوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ اگر فضائل اعمال کی احادیث صحیحہ واردہ سے ان آیات جہاد کا تصادم ثابت ہوتا ہے تو یقیناً قرآن پاک کی ان آیات سے جو ابھی فضائل اعمال کے بارے میں نقل کی گئی ہیں یقیناً آیات جہاد سے تصادم ثابت ہوتا ہے، مگر ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے، یہ صرف برق جیسوں کی منہ زوری ہے جو خواہ مخواہ احادیث صحیحہ کے خلاف اپنے خبث باطنی کی بنا پر زہرا لگنے ہی کو آج خدمت اسلام سمجھے بیٹھے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ



ان کی یہ ناپاک حرکتیں جس طرح آج احادیث رسول پر حملہ آور ہو کر ان کو قلع قمع کرنے کی ناپاک سعی میں مصروف ہیں۔ کل بالکل ان ہی ہتھیاروں سے کوئی ”نیا اسلام سوز برق“ قرآن مقدس پر بھی ہاتھ صاف کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے۔

رہا آج کل کی نئی نئی ایجادات کا مسئلہ اور نئے نئے آلات حرب کی اہمیت سو کوئی سمجھدار بلا کبھی ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ آج کی دنیا میں ظلم کو مٹانے کے لئے طیاروں، ٹینکوں اور توپوں کا استعمال اسلام کے خلاف ہو سکتا ہے۔ یقیناً آج کی دنیا میں ان مفید ایجادات کی ضرورت ہے اور مذہب اسلام ہرگز مفید ایجادات کے خلاف نہیں ہے۔ ملت کے استحکام کے لئے آج جملہ اسباب دنیاوی کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی زمانہ سرور کائنات میں تھی، پھر اس حقیقت کے ہوتے ہوئے برق کی منہ زوری ملاحظہ ہو۔

ملا کہتا ہے کہ مرنے مارنے میں کیا رکھا ہے۔ صبح و شام ست نام چپا کرو  
 حلوئے اندے کھاؤ اور مرنے کے بعد سیدھے جنت میں پہنچ جاؤ۔

(دوا اسلام ص ۲۶۲، ۲۶۳)

برق نے اپنی منہ زوری کے سلسلے میں آخر دلی درد ظاہر کر دیا کہ صبح و شام ان جیسے بابو لوگوں کو ”اللہ کی یاد“ کے لئے مساجد اللہ کی حاضری کا حکم ناقابل برداشت ہے۔ ان کو سینما چاہئے، کلب چاہئے، ڈنر چاہئیں، ان کو ٹینس کے کھیل چاہئیں اور پھر کیوں نہ ان ہی کاموں کو ”نماز“ کا بدل قرار دیدیا جاوے کہ ان سے جسم میں طاقت، چستی اور پھرتی پیدا ہوتی ہے اور جہاد کے لئے ان ہی چیزوں کی ضرورت ہے۔ یہ مقاصد جب نماز کے علاوہ ٹینس کھیلنے سے، سینما جانے سے، کلب کی تفریح سے حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر دوڑ دوڑ کر مساجد میں من من کرنے کے لئے گھبنے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لگے مساجد کے تاریک گوشوں میں گھس کر من من کرنے اور درویشانہ ورد پڑھنے۔ (دوا اسلام ص ۲۷۰) یہ ہے برقی مذہب آپ مساجد کو ”تاریک گوشوں“ سے تعبیر کرتے ہیں اور نماز کو من من کرنے سے۔ کیا یہی وہ اسلام ہے جس کو آپ حقیقی اسلام قرار دیتے ہیں؟

ہاں حلوے انڈے کی آپ نے خوب کہی، حلوے انڈے کھانے والوں اور تیجہ، فاتحہ، نیاز، چہلم، شیرینی میلاد پر جنت تقسیم کرنے والے ملاؤں پر ہم بھی لعنت بھیجتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ایسے ملا لوگوں ہی کی حرکات باطلہ سے آج اسلام سوز حضرات کی پیداوار ہوئی ہے۔ خدا ان ملاؤں کو سمجھ دے کہ وہ اب بھی آنکھیں کھولیں اور اس حلوے، انڈے کی دنیا سے نکل کر حقیقت اسلام کے وسیع میدان میں گامزن ہوں۔ آمین۔

برق صاحب سنئے: ۷

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر  
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

## بارھواں باب

### اللہ کی عادت

اس سرخی کے تحت ”برق“ نے اللہ کی عادت پر روشنی ڈالی ہے اور بتلایا ہے کہ سہ عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی، بے شک ٹھیک ہے، پھر مسلمانوں کی بے عملی کا رونا رویا ہے۔ بیشک ٹھیک ہے اس تمام ”چنین و چنان“ کی تان پھر ”حدیث دشمنی“ پر آ کر ٹوٹی ہے۔ یہ ہے برق کا درد اسلام۔ اس کے ناپاک خیال میں مسلمانوں کی جملہ بد عملیوں اور بے عملیوں کی ذمہ داری حدیث پر آ کر غایدہ ہوتی ہے اور پھر ان ملاؤں پر جو قسم قسم کی احادیث سنا سنا کر ان بابولوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ نماز کی حدیث، روزہ کی حدیث، زکوٰۃ کی حدیث، حج کی حدیث، بے حیائیوں، بد کاریوں سے بچنے کی حدیث، جھوٹ، کذب، بہتان، الزام تراشی سے بچنے کی حدیث۔ الغرض ہر طرف حدیث ہی حدیث، یہ چیزیں بھلا ان بابولوگوں کے نازک دماغ کیسے بڑا داشت کر سکتے ہیں؟ اور کب تک ملاؤں کی اس ”حدیث بازی“ کو جاری رکھا جاسکتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ ”ان بابولوگوں“ کو دنیائے اسلام کی یہ لاکھوں مساجد بھی کھٹکتی ہیں اور کیوں نہ کھٹکیں مساجد کا وجود ہوگا تو لامحالہ ملا پانچوں وقت حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہہ کر ان ”بابولوگوں“ کو بھی نماز کی دعوت دیتا ہی رہے گا۔ پھر لاکھوں مساجد کا وجود بھی کیوں نہ ملا کے وجود کے ساتھ ہی ختم کر دیا جائے۔ ”برق“ کی منہ زوری ملاحظہ ہو: ”عادت اللہ“ بیان کرتے کرتے اپنی عادت کذب و الزام بازی کو یوں نمبر وار ظاہر کر کے اپنی حدیث دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر ملاحظہ و شام مسلمانوں کو مندرجہ ذیل اسباق دے رہا ہے:

(۱) کہ صرف تم اللہ کے محبوب ہو، یہ امت بخشی بخشائی ہے اور اللہ تمہیں کبھی عذاب نہیں کرے گا۔ (دو اسلام ص ۲۶۶)۔

یہ برق کی سراسر منہ زوری ہے ”ہر ملا“ ہر گز ایسا درس نہیں دے رہا ہے بفضل تعالیٰ ایسے ملا بھی بکثرت مسلمانوں میں آپ کو ملیں گے جو ”لیس بامانیکم ولا امانی اہل الکتاب من یعمل سوءاً یجزیہ“ کے تحت مسلمانوں کو عمل کے لئے برا بیچتے کرتے رہتے ہیں اور بتلاتے رہتے ہیں کہ محض آرزوؤں سے کچھ نہ بنے گا عمل کی ضرورت ہے (۲) الدنیا خیفۃ و طیلبہا کلاب۔ یہ دنیا مردار ہے جس کے طالب کتے ہیں۔ ”حدیث رسول اپنی جگہ پر بالکل حق ہے کہ اس میں دنیا کا انجام اور اس کے پرستاروں کی پوزیشن ظاہر کی گئی ہے۔ کریوڑ ہا دنیا پرست پیدا ہوئے اور آخر ان کو گل سڑ کر مرداروں کی طرح ملک عدم میں روپوش ہونا پڑا اور ہر دنیا کے پجاری کا یہی حشر ہونے والا ہے۔ صحیح مسلمان وہ ہے جو ”وابتغوا من فضل اللہ“ کے ماتحت نیک کرداری کے ساتھ ترقیات دنیاوی جائز طریق سے حاصل کر کے ان کو اللہ کا فضل تصور کرے اور بہر حال اپنی ”لو“ اللہ سے لگائے، جس کے فضل کی ہر وقت ضرورت ہے۔ مسلمان کا ہاں صحیح مسلمان کا نظریہ یہ ہے۔

درویش صفت باش وکلاہ تتری دار

اور یقیناً جو شخص بھی صرف دنیا ہی کو اپنا آغاز و انجام تصور کرے اور جس کا نعرہ یہ ہو۔

بابز بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

ایسا طالب دنیا کا یقیناً کتا ہے۔ اب برق جیسوں کو اختیار ہے کہ وہ جوئی پوزیشن

میں رہنا چاہیں بصد شوق رہیں۔

(۳) المومن لا ینجنس۔ مومن جسم پر کتنی ہی غلاظت مل لے وہ ناپاک نہیں

ہوتا ”غلاظت مل لینے کا ترجمہ“ یقیناً غلاظت پسندوں کی حرکت ہے۔ مومن تو غلاظت

ملتا نہیں بلکہ پنجوقتہ ہر نماز کے وقت اپنی پاکیزگی، صفائی سحرائی کا پورا پورا جائزہ لیتا ہے۔

حدیث ”ان المؤمن لا ینجس“ میں بتلایا گیا ہے کہ جس طرح آیت شریفہ ”انما المشرکون نجس“ کے تحت مشرک روحانی طور پر نجس ہے، خواہ وہ دن بھر غسل کرے، ہر وقت نئے نئے جوڑے تبدیل کرے۔ اسی طرح مومن اس کے مقابلہ میں روحانی طور پر ”نجس“ نہیں رہے۔ بتلایے کیا بات تھی کہ جس کو تنگڑ بنا دیا۔

(۴) صرف کلمہ پڑھنے سے جنت مل جاتی ہے بالکل غلط اور جھوٹ ہے، ہاں کلمہ جنت کی کنجی ضرور ہے، مگر ہر کنجی کے لئے دندانوں کا ہونا بھی ضروری ہے بغیر دندانے والی کنجی سے قفل نہیں کھل سکے گا۔ کلمہ جنت کی کنجی ہے اور جملہ نیک اعمال اور عمدہ کردار بہترین اطوار اس کے دندانے ہیں ”محض کلمہ پڑھنے ہی سے جنت ملنے کا عقیدہ“ جاہل غلط اور کم سمجھ ملاؤں کا ممکن ہے عقیدہ ہو مگر حقیقت پسند بلا کبھی ہرگز ایسی ”گپ“ اپنے منہ سے نہیں نکالے گا۔ مگر افسوس ”برق کی بد قسمتی کو جتنے ملا اسنے ملے اسی غلط ذہنیت والے ملے یہ ”برق“ کی قسمت ہے۔ اگر وہ سچے ملاؤں کی صحبت پالیتا تو کبھی ہرگز اس بد قسمتی کا شکار نہ ہوتا، مگر جس کی قسمت اجواب وید نے اس کو بندگان خاص کی کفش برداری کا شرف کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ برق صاحب !

گر نشینی بساعتے بابا اولیا ☆ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا  
(۵) فقہ وحدیث کے بغیر تمام باقی علوم ناپاک ہیں۔ سائنس گناہ اور کائنات میں غور کرنا کفر ہے، یہ بھی سراسر ”برق“ کی منہ زوری ہے۔ کوئی بھی سمجھدار ملا اپنے منہ سے یہ نہیں کہہ سکتا جو ”برق“ کہہ رہا ہے۔ کائنات میں غور و فکر تو ملا کا بہترین مشغلہ ہے۔ جس کا لغزہ ہے۔

وفی کل شیء لہ آیۃ۔۔۔ تذل علیہ اللہ واحد۔۔۔

دنیا کا سب سے بڑا عمل رات کے وقت دو قفل ہیں۔ دو کعبتیں فی جوف اللیل خیر من الدنیا و ما فیہا۔ رات کے وقت دو قفل دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں۔ برق جیسوں کی نازک ترین برقی طبیعتیں جو فرائض تک کے لئے تیار نہیں وہ بھلا نوافل کے

لئے اور پھر وہ بھی رات کے وقت جبکہ ”بابو لوگوں“ کو بارہ ایک بجے تک سینما ہی میں وقت لازماً گزارنا پڑتا ہے ”کیسے تیار ہو سکتی ہے۔ اس لئے کیوں نہ ایسی حدیثوں کو مذاق اور چٹکیوں میں اڑا دیا جائے کہ نہ بانس رہے اور نہ بانسری بجے۔

بابو صاحب! رات کو جاگنا اور اپنے نفس پر کنٹرول کرنے اور روحانی و اخلاقی معراج حاصل کرنے کے لئے خداوند قدوس سے لو لگانا یہ ساری کائنات سے بڑی دولت ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اپنے اخلاقی کردار اور روحانی اطوار سے دنیائے ظلمات میں انوار ہدایت کی ضیا پاشیاں کی ہیں۔ بھلا نفس کے پجاری، خواہشات کے بندے، بابو لوگوں کو اس سے کیا واسطہ۔

### حقیقت شناس نئی! دلبر اخطا اینیاست

(۷) ہر ننھو خیرا خواہ وہ چنگیز ہو یا ہٹلر اگر ہم پر حکومت کر رہا ہے تو وہ ہمارا اولی الامر ہے۔ یاد کیجئے ان فتاویٰ کو جو ہمارے علماء انگریز کے زمانے میں جاری کیا کرتے تھے۔ برق صاحب سے ہم ”حقیقت فہمی“ کا مطالبہ کریں ہماری بھول ہے۔ حدیث دشمنی نے آپ کو اس قدر اندھا، بہرا بنا دیا ہے کہ حقیقت و اصلیت سے آپ کو اب دور کا بھی واسطہ نہیں۔ اگر ہر ملا اسی نظریہ کا ہوتا تو آج انگریز اس طرح آپ کو آزادی کا تمغہ دیکر نہ چلا جاتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ انگریزوں کو سب سے بڑا خطرہ صرف ملاؤں سے تھا۔ جبکہ بہت سے ”بابو“ ان کی جوتیاں سیدھی کرنا، بلکہ ان کے ”گوز“ سونگھنا اپنے لئے سرمایہ کو نین سمجھا کرتے تھے۔ اس وقت ملا ہی تھا جس نے نعرہ لگایا کہ انگریز صرف ہمارا دین کا دشمن نہیں بلکہ ہمارے وطن کا، ہماری قوم کا، ہماری نسل کا، ہماری گذران کا بدترین دشمن ہے ”علمائے ہند کی شاندار ماضی“ پڑھئے اور ذرا تنہائی میں آپ اپنی گندی گھناؤنی ذہنیت پر نظر ثانی کیجئے۔ جن ملاؤں نے آپ کے مزعومہ فتاویٰ جاری کئے وہ ملا آپ ہی جیسے بابو لوگوں کے پیدا کردہ تھے۔

(۸) خرقة دنیا کا بہترین لباس ہے، یہ بھی ایک ”برقی گپ“ ہے۔ کوئی صحیح حدیث

اس مضمون کی نہیں ہے۔

(۹) فلاں دعا ایک لاکھ حج اور ایک لاکھ شہیدوں کا ثواب دلاتی ہے اور جنت میں

ایک لاکھ محل مفت میں بنوا دیتی ہے۔

یہ بھی برقی گپ ہے نہ اس مضمون کی کوئی حدیث ہے، نہ کوئی ملا ایسی دعا بتلاتا ہے اور جو ملا ایسی ہفوات کرتا ہو وہ جھوٹا ہے۔

(۱۰) مرشد پکڑے بغیر نجات ناممکن ہے، ہر ملا کا یہ کہنا بھی ”برقی گپ“ ہے۔

ایسے بھی لاکھوں ملا آج بفضلہ تعالیٰ موجود ہیں جو جاہل مسلمانوں کی اس ”مرشد بازی“ کو نہ صرف حقارت سے دیکھتے ہیں بلکہ اس جال سے عوام کو نکالنے کے لئے ہر ممکن تدبیر سے کوشاں رہتے ہیں۔

(۱۱) اللہ نے تمام اختیارات فلاں مردے کے حوالے کر دیے ہیں اس سے مرادیں مانگا کریں ”ہر ملا یہ کہتا ہے“ برق کا کذب صریح ملاحظہ ہو۔ اگر برق کو صرف قبر پرست شکم پرور ملاؤں ہی سے واسطہ پڑا ہے تو ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ سہ

بیادور مجلس رنداں بنہ بنی عالم دیگر

بہشت دیگر و دوزخ دگر و آدم دیگر

ان غلط بیانیوں پر ”برق“ کا اصرار ملاحظہ کیجئے لکھتا ہے:

”ملا تیرہ سو برس سے ان عقائد کی تبلیغ کر رہا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اوہام و

اباطیل ملت کے رگ وریشہ میں سرایت کر گئے“ (دو اسلام ص ۲۶۸)

ذرا غور کیجئے برق کے حریف ملا کی عمر آج سے تیرہ سو سال قبل ہی سے شروع ہو جاتی ہے، جس میں صحابہؓ و تابعین و تبع تابعین و محدثین و جملہ علمائے اسلام و بزرگان عظام سب ہی داخل ہو جاتے ہیں۔ برق کے خیال باطل میں تیرہ سو سال سے یہ سارے ملا ان گیارہ باتوں کی ضرورت تبلیغ کرتے چلے آ رہے ہیں جن پر اور تبصرہ کیا گیا ہے۔

برق کو ملا سے از حد نفرت ہے اور اس کے لوازمات سے بھی، جن میں سے ایک

”دعا“ بھی ہے (دو اسلام ص ۲۶۸) لکھتا ہے:

ہر فرد دعا گو اور دعا خواں بن کر دنیائے عمل سے کوسوں دور جا پڑا۔ (دو اسلام صفحہ ۲۶۸)

اگر مسلمانوں نے حقیقت سے منہ موڑ لیا اور وہ محض پرستار ان رسوم بن گئے تو آخر اس میں ”دعا“ کا کیا دخل ہے؟ دعاؤں کا مفہوم یہ ہرگز نہ تھا اور نہ ہے کہ مسلمان عمل سے بیگانہ ہو جائے، بلکہ دعائیں عمل کے براہِ نیچہ کرنے والی روحانی طاقتیں ہیں۔ کیا برق جانتا نہیں کہ مجاہدین اسلام میدانوں میں گامزن ہوتے وقت پہلے دعاؤں کے ہتھیاروں سے کام لیتے تھے اور بعد میں مادی وسائل پر ہاتھ ڈالتے تھے؟ اور کیا برق پر یہ مخفی ہے کہ مجاہدین اسلام کی صرف دعائیں دشمنان اسلام کے دل اور گردنوں کو ہلا دیتی تھیں۔ یہ سارے حقائق ہیں مگر مسلمان اب چونکہ رسوم کا پرستار بن گیا، اس لئے اصل مقصد سے ہٹ گیا، مگر بتلایا جائے کہ اس میں دعا کا کیا تصور ہے، مگر برق چاہتا ہے کہ مسلمان میں سے اگر حقیقت غائب ہو گئی ہے تو کوئی ظاہری رسم بھی ہرگز باقی نہیں رہنی چاہئے ورنہ ممکن ہے کہ اگر ظاہری ڈھانچہ کچھ بھی باقی رہ گیا تو شاید کسی دن یہ ”سویا ہوا شیر“ اپنی دعاؤں کے اصلی مفہوم کو سمجھ جائے اور میدانِ عمل میں آ کر الحاد پر ور و کفر دوست و نفاق شعار و بد باطن طاقتور کو ملیا میٹ کر دے۔ یہ خطرہ فی الواقع اپنی جگہ پر اہم ہے اور اسی بناء پر برق اس خطرے کو بھانپتا اور مسلمان کو نماز سے روزہ سے، ذکر اللہ سے، حج سے، زکوٰۃ سے، دعا سے، صدقہ سے، ایثار سے، خدا دوستی سے۔ الغرض ہر نیکی سے قطعاً بیگانہ بنا دینا چاہتا ہے، مگر شاید برق کو معلوم نہیں ہے۔

نو خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن ☆ پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جایگا  
حقیقت شناس ملا کو کب انکار ہے کہ قرآن کی رو سے کائنات کو مخر کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے؟ زمین کا سینہ چیر کر اس سے قوت و ہیبت کے خزائن نکالنا قرآنی تعلیم نہیں ہے؟ عناصر کی سرکش قوتوں نے اپنی خدمت کا کام لینا مسلمان کی دلی منشاء نہیں ہے؟



ہواؤں پر حکمرانی کرنا سمندروں کی مہیب موجوں کی سینہ زوریاں توڑنا، آفتاب و مہتاب کی شعاعوں کو گرفتار کرنا، علم کے پر لگا کر فضاؤں میں پرواز کرنا آج کی دنیا میں مسلمان کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے؟ ہنہ اور ذیشک ہے۔ حقیقت شناس ملا، بابولوگوں سے بھی زیادہ اس امر کے لئے کوشاں ہے کہ مسلمان ترقی کے میدان میں جملہ ہم عصر اقوام سے بڑھ جائے۔ ہاں ملا کا یہ تصور ضرور ہے جو بابولوگوں کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے کہ وہ پہلے مسلمان کو مسلمان بنانا چاہتا ہے بعد میں پھر اور سب کچھ املا چاہتا ہے کہ مسلمان مسلمان بن کر فضاؤں میں اڑے اور اپنی تکبیر الے نعروں سے فضائل مخلوق کو بھی لرزہ بر اندام کر دے۔ ملا چاہتا ہے کہ مسلمان سمندروں کے سینے چیرے اور سمندروں کی چھاتی پر نعرہ تکبیر سے سمندری مخلوق کو بھی ”شامبا“ کر دے۔ لیکن برق جیسے بابولوگوں کو اسلام کی یہ قیود پسند نہیں، برق مساجد کے لئے، نماز کے لئے دعاؤں کے لئے تیار نہیں۔ چنانچہ لکھتا ہے:

لیکن ہم مساجد کے تاریک گوشوں میں گھس کر بگے من من کرنے اور درویشانہ

ورد پڑھنے۔ (دو اسلام ص ۲۷۰)

اور اس قدر ہزلیات کے بعد پھر برق کی تان ”حدیث دشمنی“ پر آ کر ٹوٹی ہے اور نہایت بھونڈے غلط طریقے پر احادیث کا مذاق اڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ مسلمانوں کی یہ سب گری ہوئی حالت محض ”حدیثی اسلام“ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ حدیثوں کو نقل کرتا ہے اور غلط سمجھتا ہے اور ان کی تحریف کرتا ہے اور پھر اپنے لفظوں میں احادیث منقولہ کا نتیجہ نکال کر بھونڈے لفظوں میں پیش کرتا ہے۔ اس طور پر کہ بلاشبہ شیطان بھی سر پیٹ کر رہ جائے اور اگر آج ابو جہل و ابولہب بھی دنیا میں آجائیں تو ہنسی کے مارنے ان کی باچھیں کھین جائیں اور برق جیسے فرزند ان اسلام کو دیکھ کر وہ بھی سر پیٹ کر رہ جائیں کہ افسوس اسلام کو مٹانے کی یہ تدابیر ان کے ہاتھ نہ آسکی۔ ورنہ آج وہ کیوں دنیا میں ملعون مظرود کہہ کر پکارے جاتے ان تدابیر سے کام

لیتے مقصد بھی حاصل ہو جاتا اور مسلمان کے مسلمان بھی بنے رہتے۔ ہاں تو برق کا نتیجہ ملاحظہ کیجئے۔

خلاصہ یہ کہ کلمہ پڑھتا جائے اور زنا اور سرقہ کے مزے بھی لوٹا جائے، سیدھا جنت میں جا بیچے گا۔ (دوا سلام ص ۲۷۵)

برق یہ نتیجہ پیش کر رہا ہے ان احادیث کا جن میں اسلام کے اصل الاصول کلمہ طیبہ کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصولی رہ نمائی ہمارے سامنے رکھی ہے۔ مثلاً:

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ آپ نے فرمایا: ما من عبد قال لا اله الا الله ثم مات على ذلك الا دخل الجنة جس شخص نے لا اله الا الله کہا اور اسی عقیدے پر اس کی موت ہوئی تو وہ جنت میں داخل ہوگا، میں نے پوچھا اگر چہ وہ زانی و چور ہو فرمایا ہاں جنت میں جائے گا۔ میں نے تین مرتبہ یہی سوال دہرایا آپ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ جنت میں جائے گا، خواہ ابوذرؓ کی ناک خاک آلود کیوں نہ ہو۔ (مسلم ج ۱ ص ۲۵۸)

ظاہر ہے کہ حدیث ہذا میں ایک اصولی چیز بیان کی گئی ہے جو بصورت لا اله الا الله خدائی حکومت کی وفاداری کا حلف ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حلف لینے والے خدائی حکومت کے شہری قرار پا گئے۔ اب ان کے دیگر اخلاقی جرائم بیشک جرائم ہیں۔ مگر ان جرائم سے ان کے حقوق شہریت ضبط نہیں ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ان کے اثبات پر وہ وقت مقررہ تک جیل خانہ کی ہوا کھائے گا۔ لیکن بہر حال وہ شہری رہے گا اب کوئی ”برق“ جیسا عقل و دماغ کا پتلا اس کا یہ نتیجہ نکالے کہ اس سے جرائم کے لئے آزادی ملتی ہے تو اس کو اپنے دماغ کا آپریشن کرنا چاہئے۔ اس قسم کی تشریحات قرآن پاک میں بہت سے مقامات پر موجود ہیں۔ مثلاً:

يا عبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ان الله

يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعاً اِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ اے میرے وہ بند و جنہوں نے اپنے نفسوں پر "اسراف" کیا۔ یعنی جو جرائم کے مرتکب ہو چکے ہو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو بے شک اللہ تمہارے سب گناہوں کو معاف کر دے گا۔ یقیناً وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ برق صاحب! کہہ دیجئے کہ قرآن پاک کی اس قسم کی جملہ آیات بھی وضعی ہیں۔ اور یہ سب ہم کو نکما، بے کار، نا اہل بنانے کے لئے جعل سازوں نے تراشی ہیں۔ ہاں اور آیت ملاحظہ کیجئے۔

واقم الصلوة طرفنى النهار وزلفاً من الليل ان الحسنات يذهبن السيئات۔ دن کے دونوں حصوں میں یعنی صبح و شام نماز قائم کرو اور کچھ حصہ رات گئے بھی، بے شک اس قسم کی نیکیاں تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اب بتلایئے؟ اگر ان آیات کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گنہگار مومنین کو جنت کی بشارت سنا دی تو اس میں آپ کو جلن کیوں ہے؟ اگر یہ حدیث وضعی ہیں تو ان آیات کو بھی وضعی ماننا پڑے گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نہ احادیث وضعی ہیں نہ آیات، سب اپنے محل پر اپنے مقام پر ٹھیک درست ہیں مگر دیکھنے کو بصیرت چاہئے محض "انچ پی" کی ڈگری اس کو چہ کے لئے کافی نہیں ہے، انچ پی کی ڈگری پا کر آپ اگر قرآنی آیات و نبوی احادیث کا بھی آپریشن شروع کر دیں تو یقیناً آپ کا سخت ترین غلط اقدام ہو گا۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

”برق“ کو خود اقرار ہے کہ حدیث میں لکھا ہوا ہے:

(۱) لا يدخل الجنة قتات۔ چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔

(مسلم ج ۱ ص ۲۶۲)

(۲) تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن نہ گفتگو کرے گا، نہ انہیں دیکھے گا اور نہ گناہ معاف کرے گا۔ بلکہ انہیں سخت عذاب دے گا۔ اول غرور سے دامن گھسیٹ کر چلنے والے۔ دوم احسان کر کے جتلانے والے، سوم جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنے والے

(مسلم ج ۱ ص ۲۶۴)

(۳) جو شخص کسی مسلمان کا حق کھاتا ہے، اس پر جنت حرام کر دی جائے گی، ایک شخص نے پوچھا خواہ وہ حق بہت تھوڑا ہو۔ فرمایا خواہ جال کے درخت کی ایک ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔ (مسلم جلد ۱ ص ۲۸۲)

(۴) لا یزنی الزانی حین یزنی وهو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وهو مؤمن۔ زانی زنا کے وقت اور چور چوری کے وقت مومن نہیں رہتا۔ ان جملہ احادیث کی موجودگی میں یہ کہنا کہ احادیث ہم کو بتلاتی ہیں کہ

”کلمہ پڑھتا جائے اور زنا اور سرقہ کے مزے بھی لوٹا جائے سیدھا جنت میں جائیچے گا“ (دو اسلام ص ۲۷۵)

فہم صحیح احادیث پر ایک سخت ترین ظلم ہے۔ جو کسی اہل علم و اہل دماغ کو زیب نہیں دے سکتا۔ مگر برق ہے کہ

”دھن رے دھنئے اپنی دھن“

کے تحت منہ زوری سے قلم چلائے جاتا ہے اور دل و دماغ کی کیفیت ہے کہ انجام کار سے قطعاً غافل ہے۔ ہم پھر پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتے ہیں کہ برق کے خانہ ساز اسلام کو نہ قرآن سے تعلق ہے نہ حدیث سے، قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ظالمو! مجھے کیوں کان کٹا بنانا چاہتے ہو؟ کیوں اسلام کو مسخ کرنے کا ناپاک قدم اٹھاتے ہو؟ اے دلچسپ انسانو! زبانوں سے قرآن قرآن پکارتے ہو؟ اور میرا نام لیکر خلقت کو گمراہ کرتے ہو؟ میری تعلیم سے بیگانہ بناتے ہو؟ میری تفسیر جو صحیح حدیثوں میں وارد ہے۔ اور جس کو خود اللہ نے ”الحکمۃ“ سے تعبیر کر کے تمہارے حوالہ کیا ہے۔ اس کو تنج و بن سے اکھاڑنا چاہتے ہو؟ قرآن پاک یہ بار بار پوری طاقت کے ساتھ کہہ رہا ہے۔ مگر آج برق جیسے قرآن کریم کے نادان دوستوں نے قرآن پاک کی اس صدائے حق کو نہ سننے کا عہد کر لیا ہے اور یہ قسم کھالی ہے کہ وہ قرآن کو اس کی تفسیر ”الحکمۃ“ سے ہٹا کر لولا، لنگڑا



## تیرھواں باب

### لفظ ”مغفرت“ کی تحقیق

برق صاحب نے مغفرت کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے مغفرت کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔ لغوی اعتبار سے ”غفر“ کا مطلب ڈھانکنا، چھپانا ہے۔ مگر برقی تحقیق یہ ہے کہ ”آپ“ کے خیال میں کوئی گناہ معاف نہیں کیا جاسکتا، البتہ وہ چھپ سکتا ہے۔ کتاب اللہ کی متعدد آیات کی روشنی میں جب لفظ ”مغفرت“ کا فاعل یا مضاف الیہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ نے فلاں بندے کا فلاں گناہ بخش دیا۔ یعنی اپنے ”عفو“ کے دامن میں ڈھانپ لیا۔

اب ”برق“ سے مغفرت کی مثال سنئے:

ایک نوجوان کسی عادت بد میں مبتلا ہو کر صحت کا جنازہ نکال دیتا ہے پھر دفعۃً سنبھل جاتا ہے، اصول صحت پر عمل کرنے لگ جاتا ہے، اس نے گویا تلافی مافات کر لی اور اس کے پچھلے گناہ چھپ گئے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ پچھلا گناہ معاف ہو گیا ہے اس نے ایک گناہ کیا اور اس کی باقاعدہ سزا بھگتی۔ (خلاصہ دو اسلام ص ۲۷۹)

مقصد ”برق“ کا یہ ہے کہ اللہ میاں کی بخشش وغیرہ کوئی چیز نہیں ہے مغفرت کا مفہوم صرف تلافی مافات کا نام ہے۔

قرآن پاک کی چند آیات درج ذیل ہیں۔ ذرا ان کا مقابلہ ”برق“ کے نظریہ مغفرت سے کیجئے اور دیکھئے کہ آیات کا مفہوم کیا ہے اور برق کیا برق پاشی کر رہے ہیں؟

حضرت نوح علیہ السلام کے لفظوں میں ہے:   
 فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ۝   
 اپنے رب سے مغفرت طلب کرو، بے شک وہ بخشنے والا ہے۔   
 ایک آیت میں ہے:

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ الْآيَةُ ۚ إِنَّ رَبَّكُم كَانَ مُجِيبًا ۚ   
 کے لئے جلدی کرو۔   
 دوسری جگہ ہے:

لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذَّنُوبَ جَمِيعًا ۚ اللَّهُ كَرِيمٌ   
 ناامید مت ہو، بیشک وہ سب گناہوں کو اپنے دامن مغفرت میں ڈھانپ لے گا۔

اس قسم کے بہت سے بیانات قرآن اقدس میں موجود ہیں مگر نہ معلوم کیوں برق کو   
 اللہ کی مغفرت پسند نہیں آپ کے خیال میں بغیر نیرادنیئے مغفرت ہونی ہی نہیں چاہئے۔

مغفرت کے وسیع مفہوم کے پیش نظر بہت سے اعمال صالحہ پر شارع علیہ السلام   
 نے مغفرت کی بشارت دی ہے۔ مقصد شارع علیہ السلام کا نیک عملوں کے لئے رغبت   
 دلانا نیک شعائر بنانا اور پھر رحمت الہی کا حقدار بنانا ہے۔

برق کے خیال باطل میں مغفرت کی بشارت دینے والی جملہ احادیث ملا کی من   
 گھڑت ہیں جو کم سوا دملانے وضع کر لی ہیں جو نہ مغفرت کے معانی سے آگاہ تھے اور نہ   
 تلافی مافات کے فطری تخیل سے آشنا تھے۔

برق بخاری شریف سے مندرجہ ذیل حدیث نقل کرتے ہیں:   
 حضرت عثمانؓ نے چند آدمیوں کو وضو کرنے کا طریقہ بتلا کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ   
 علیہ وسلم اسی طرح وضو کیا کرتے تھے، جو شخص اس طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ   
 لے اس کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

بھلا وضو اور نماز کی مصیبت میں پڑ کر گناہ معاف کرانا برق جیسے بابو لوگوں کی

نازک طبیعتوں کے لئے کوئی برداشت کی چیز ہے، اس لئے سرے سے اس حدیث ہی کو کم سواد ملا کی من گھڑت بتلادیا اور ساتھ ہی حاشیہ سازی کردی کہ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی باپ کو قتل کرنے کے بعد وضو کر کے دو رکعت پڑھ لے گناہ معاف۔

(دوا اسلام ص ۲۸۲)

برق کی منہ زوری دیکھئے جانتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی رو سے قتل نفس چونکہ حقوق العباد سے ہے اور پھر خاص کر باپ کا قتل جو بغیر شرعی حد کے کسی طرح سے بھی معاف نہیں ہو سکتا تو پھر اس بے جوڑ بات کو اس حدیث کی مذکور ”معافی“ سے کیا تعلق؟ حدیث اپنے محل پر بالکل ٹھیک ہے۔ بندہ جب وضو کرنے بیٹھتا ہے اگر فی الواقع وہ صداقت اور خلوص کے ساتھ یہ عمل بجالا رہا ہے تو وضو شروع کرتے ہی اس پر کامل یقین اور اس کی رحمت و مغفرت کی طلب کے تخیلات اس کے دماغ میں موجزن ہونے شروع ہو جائیں گے اور یہی جذبہ وہ پاکیزہ جذبہ ہے جو گناہوں کی بھڑکتی ہوئی آگ کو ٹھنڈا کرنے اور بندے کو گناہوں سے روک کر نیک شکار و تقویٰ داذ بنانے کے لئے ”خاک اکیر“ کا حکم رکھتا ہے اور یہی مفہوم ہے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا۔ مگر برق کی منہ زوری بات کو کہاں سے کہاں پہنچا رہی ہے۔ اس حدیث پر مزید ”برق پاشی“ یوں کی جاتی ہے:

کوئی طالب علم سال بھر کام نہ کرے اور آخر میں دو رکعت نماز پڑھ لے، سستی کا گناہ معاف اور وہ پاس یا کوئی شخص درخت سے کود کر ٹانگیں تروالے اور فوراً دو رکعت نفل پڑھے تو گناہ معاف اور ٹانگیں واپس۔

(دوا اسلام ص ۲۸۲)

برق کی منہ زوری بلکہ بے لگامی ملاحظہ ہو گویا اس حدیث کا مقصد یہ ہے جو برق نے اپنے بے لگام قلم سے ادا کیا ہے۔

برق ڈاکٹر ہے بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ ڈاکٹر نے مریضوں کو اپنی مجرب



ترین دوائیں دیتے وقت کہا کہ بھائی اس دوا کے استعمال سے تم بالکل تندرست ہو جاؤ گے، تمہاری ساری بیماری کا فورہ ہو جائے گی۔ اب تم ریاض کہتا ہے ڈاکٹر صاحب! کیا اس دوا کے کھالینے سے میرا بیٹا بھی امتحان میں پاس ہو جائے گا؟ یا میری فوت شدہ اماں بھی زندہ ہو کر قبر سے واپس آ جائیں گی؟ یا میرے باپ کا بڑھاپا بھی کیا دور ہو جائے گا؟

اس غریب کے ان سوالات کا جو بھی جواب ڈاکٹر صاحب دیں گے یقیناً وہی جواب ان جملہ ”ہفوات“ کا ہوگا۔ جو برق نے اس حدیث پاک پر وارد کی ہیں۔ برق کی ہفوات بالکل اس فقرے کی نقل ہیں:

”جاٹ رہے جاٹ تیرے سر پر کھاٹ“۔  
 ”لفظی وزن صحیح ہو یا نہ ہو بہر حال سر پر بوجھ تو ہوگا“، بالکل اسی طرح اعتراضات

صحیح ہوں یا غلط اٹھ ہوں یا سیدھے بہر حال حدیث کی توہین اور تحکیم کا منشاء تو پورا ہو ہی جائے گا۔ نعوذ باللہ من ذلک

”برق“ نے تخیل مشق بنانے کے لئے یہاں ایک اور حدیث منتخب کی ہے۔ جب نماز میں امام ولا الضالین کہے اور مقتدی آمین کہیں اور ان کی آمین کا

وقت فرشتوں کی آمین کے وقت سے مل جائے۔ یعنی سب ہموا ہو جائیں تو ان کے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ) (دو

اسلام ص ۲۸۲)

برق کی برقی نگاہ میں یہ فرشتوں کی آواز سے ہموا ہونا اور نماز میں ولا الضالین کے بعد آمین کہنا یہ محض فسانے ہیں کم سواد ملا کے دیکھ کر بے ہوشی سے

”فرض ہر کس بقدر ہمت اوست“

برق سورۃ فاتحہ کے معنوی مطالب اور روحانی مدارج پر واقف ہوتا اور پھر امام و مقتدیوں کا اس کو والہانہ پڑھنا اور رب اے نیاز کی بارگاہ نیاز میں مخلصانہ دعائیں کرنا،

اگر ان عملوں کی اہمیت آپ کے دماغ میں ہوتی تو کبھی اس حدیث شریف کو یوں ”تخیل

مشق“ نہ بناتے۔

برق کو اپنی برقی ذہنیت کی بناء پر مسلم و بخاری کی ان سیکڑوں احادیث سے نہ صرف اختلاف ہے بلکہ وہ ان سب کو جھوٹ دروغ جانتا ہے۔ جن میں مثلاً کہتے کو پانی پلانے، راستے سے کانٹے ہٹانے اور کسی دعا کے پڑھنے، ورد کرنے پر مغفرت کے ملنے وغیرہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ ”برق“ کہتا ہے کہ ایسے عملوں پر مغفرت کامل جانا تو انین فطرت اور تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ”برق“ کے برقی خیال میں ”احسان الی الخلق“ ”توجه الی اللہ“ جیسے عملوں کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ بارہا ایسے اتفاقات ہوتے رہتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک ٹوٹے ہوئے پل کی طرف دوڑ کر آتی ہوئی ریل کی سوار یوں کو اپنی جان کی قربانی پیش کر کے کسی نہ کسی تدبیر سے بچا لیا۔ اس نے کسی کپڑے کا اشارہ کر دیا یا وہ خود لائن پر ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور ریل حادثہ سے بچ گئی۔ اس خدمت کے صلہ میں اسے اگر عمر بھر کی پنشن محکمہ ریلوے دیدے، اس کے نام کو بہادروں کی فہرست میں شائع کر دے تو ضرور ”برق“ کہے گا کہ صاحب اتنے معمولی سے کام پر یہ عمر بھر پنشن دیدینا میرے خیال میں تو تو انین فطرت اور تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہے۔ پس ”احسان الی الخلق“ کے ذیل ایک معمولی سا عمل بھی عند اللہ بڑا اہم ہے، کیونکہ اس عمل میں الخلق عیال اللہ کے تحت مخلوقات الہی کے ساتھ جذبہ ہمدردی کی اسپرٹ پائی جا رہی ہے۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر ☆ خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر  
مگر برق صاحب فرماتے ہیں کہ یہ خدائی مہربانی تجربہ، مشاہدہ، تو انین فطرت کے خلاف ہے اور یہ قطعاً ناممکن ہے کہ راستے کے کانٹے ہٹا دینے سے خدائی مہربانی مل جائے۔ برق کی برق پاشی ملاحظہ کیجئے کس ڈھٹائی کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے:

قرآن چلاتا پھڑے کہ ہم ہر عمل کی جزا دیا کرتے ہیں اور ہم اپنی عادت قطعاً بدلنے کے لئے تیار نہیں، لیکن ملا دنیا سے یہی کہے گا کہ صرف حدیث سچی

ہے۔ (دوا اسلام ص ۲۸۳)

برق یہ نہیں سوچتا کہ جن احادیث کو وہ ملا کی ”گھڑت“ بتا رہا ہے ان میں بھی تو عمل ہی کی جزا کا ذکر ہے اور وہ خود کہہ رہا ہے کہ قرآن کی رو سے ہر عمل کی جزا ملتی ہے۔ پھر اگر کانٹے کے ہٹانے اور کتے کے پانی پلانے میں خدا نے اسے اپنی ”جزائے جزیل“ سے نواز دیا تو خدا کا یہ عمل خلاف تجربہ و خلاف مشاہدہ و خلاف قرآن کیسے ہو گیا؟

”برق کی مزید برق پاشی ملاحظہ ہو۔ مسلم شریف کی ایک اور حدیث کو ”تحتہ مشق بناتے ہیں۔ برق ہی کے لفظوں میں ملاحظہ کیجئے۔ جب کوئی شخص وضو میں منہ دھوتا ہے تو اس کی آنکھوں کے سب گناہ (بیگناہ عورت کو دیکھنا وغیرہ) معاف ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ دھونے سے ہاتھوں کے اوز پاؤں دھونے سے پاؤں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔“

(مسلم جلد اول ص ۴۰۹)

اب برق کا ریمارک ملاحظہ کیجئے کس ”سنجیدگی“ کے ساتھ تہمید ہوتا ہے۔ میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جب وضو سے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں تو حضور اور حضور کے خلفاء نے مسلمانوں میں زنا، سرقت، اور شراب نوشی کی حدود کیوں جاری کی تھیں؟ جب وضو کے بعد کوئی گناہ رہتا ہی نہیں تو پھر سزا دینے کا کیا مطلب؟ کیا وہ سزا دے کر اس حدیث کے جھوٹا ہونے کا اعلان کیا کرتے تھے؟ یا یہ بتایا کرتے تھے کہ ہم کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور۔

(دوا اسلام ص ۲۸۲)

برق سے تو یہ امید عبث ہے کہ آپ سوچیں مگر ہم انصاف پسند ناظرین کے سامنے قرآن پاک کی آیت وضو کو رکھتے ہیں اور اپیل کرتے ہیں کہ توجہ سے آیت وضو کو ملاحظہ فرمایا جائے۔ قرآن پاک کیا کہتا ہے؟

یا ایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوہکم و  
ایدیکم الی المرافق وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین وان  
کنتم جنبا فاطہروا وان کنتم مرضی او علی سفر او جاء احد منکم من  
الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً فامسحوا  
بوجوہکم وایدیکم منه ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید  
لیطہرکم ولیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ○ (مائدہ)

آیت ہذا میں قرآن پاک وضو اور تیمم کا تفصیلی طریقہ پیش کرتا ہے اور آخر میں  
وضو کی غرض ”تطہیر“ اور ”اتمام نعمت“ بتلاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آیت ہذا میں ”  
طہارت محض“ مراد نہیں ہے بلکہ ”تطہیر“ کا لفظ بتلاتا ہے کہ ظاہری و باطنی ہر قسم کی پاکی  
مراد ہے اور اتمام نعمت یہی چیز بن سکتی ہے جس کے ذکر کے بعد قرآن مومنوں کو اس  
”تطہیر اور اتمام نعمت“ پر شکر الہی بجالانے کی ترغیب دلاتا ہے۔ بالکل اسی آیت کی تفسیر و  
ہ حدیث ہے جس کو برق نے ابھی ابھی ”تحتہ مشق“ بنایا ہے۔ برق کو چاہئے کہ اب  
آیت ہذا پر اپنا تبصرہ پیش کرے اور اعلان کرے کہ:

میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ وضو اور تیمم سے ”تطہیر“ حاصل ہو جائے یا وضو یا  
تیمم کو اتمام نعمت سے تعبیر کیا جائے؟ جب وضو یا تیمم سے ”تطہیر“ ہو جاتی ہے  
تو قرآن نے زانی کی سزا رجم اور چور کی سزا قطع ید اور مرتد کی سزا قتل کیوں  
تجویز کی ہے؟ کیوں نہ زانیوں اور چوروں سے کہہ دیا کہ وضو کرو یا تیمم تم  
پاک ہو جاؤ گے؟ یا پھر قرآن زانی اور چور کے لئے یہ سزائیں مقرر کر کے وضو  
کی آیت تطہیر کی خود تکذیب کرتا ہے اور قرآن اعلان کرتا ہے کہ وہ کہتا کچھ  
ہے اور کرتا ہے کچھ اور۔

ہاں برق صاحب آپ کی ”برقی رو“ کا تقاضا تو یہی ہونا چاہئے کہ آپ ”حدیث“  
سے تو بیگانہ ہو ہی گئے مگر اس آیت تطہیر سے بھی صاف لفظوں میں بیگانہ ہو جائیں اور ذرو

اسلام کے جدید ایڈیشن میں اعلان کر دیں کہ:

سبحان اللہ ہر قسم کی پاکی حاصل کرنے کا قرآن نے کتنا عجیب علاج بتایا ہے کہ قتل کرلو، زنا کرلو، خوب عیش اڑالو اور پھر جھٹ جا کر وضو، تیمم کرلو پاک ہو جاو گے۔

اور ہاں کھل کر کہہ دیجئے؟

کس قدر مضحکہ خیز ہیں قرآنی بیانات جن کے کوئی زبانی ہونے پر مسلمان قلم اور پیچھے پڑوں کا سارا زور صرف کر رہا ہے۔

برق صاحب تواب اس درجہ پر ہیں ”ختم اللہ علی قلوبہم وعلیٰ سمعہم وعلیٰ ابصارہم غشاوة“ اس لئے ان سے تو کسی بھلائی کی امید غائب ہے۔ مگر ناظرین باتیں یقیناً جان لیں گے کہ احادیث نبوی اور قرآنی آیات ایک ہی حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں اور مسلمان کو وضو سے نماز سے توجہ الی اللہ کی طرف دعویت دے رہی ہیں اور حقیقت ہے کہ اگر صحیح معنوں میں توجہ الی اللہ کے بعد ”قرب الہی“ محاصل ہو گیا تو پھر ہاتھوں سے گناہ ہوں گے نہ منہ سے، نہ پیروں سے۔ یہی خلاصہ ہے احادیث متعلقہ اور آیت ”تطہروا“ کا۔

برق صاحب سمجھ لیجئے ایسے لچر تضاد آپ قرآن اور حدیث میں پیش کر کے اسلام اور قرآن کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے رہے۔

گر تو قرآن بریں غلط خوانی

بریں رونق بنا مسلمان

ایک بار اس طرح اس کے بارے میں پوچھا کہ:

ایک بار اس طرح اس کے بارے میں پوچھا کہ:

ایک بار اس طرح اس کے بارے میں پوچھا کہ:

## چودھواں باب

### ”شفاعت“

الحاد پروردگار اس ازم کے جامیوں نے ایک یہ ہزل آمیز نظریہ ایجاد کیا ہے کہ:  
(۱) قرآن حکیم کے طول و عرض میں کہیں بھی مذکور نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محشر میں شفاعت کریں گے۔

(۲) احادیث متعلقہ شفاعت سب جھوٹی ہیں۔

(۳) شفاعت کا عقیدہ مسلمانوں کو عمل سے بیگانہ بناتا ہے۔

(الف) امت مسلمہ میں مسئلہ شفاعت بھی ان مسائل میں سے ہے جن پر اکثر فرق اسلام متفق ہیں۔ جن کا ثبوت قرآن و حدیث میں بصریح ملتا ہے۔ قرآن پاک کی متعدد آیات میں ہے کہ شفاعت بحکم خدا ہوگی۔ ہم اس امر کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں کئی آیات میں شفاعت کی نفی بھی کی گئی ہے اور یہ ”مطلق شفاعت بغیر اذن خدا“ کی نفی ہے۔ جس کو شفاعت و جاہت“ کہنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ خدائے پاک کسی نبی، ولی، رسول، فرشتے کے درجہ عالی سے مرعوب ہو کر ضرور بالضرور اس کی شفاعت کو تسلیم کرے۔ سو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک میں بلا شک و شبہ ایسی شفاعت کی نفی ہے۔

برق نے عدم شفاعت پر جو آیات نقل کی ہیں ان میں اسی شفاعت کی نفی ہے،

مثلاً:

(۱) واتقوا یوماً لا تجزی نفس عن نفس شیئاً ولا یقبل منها شفاعۃ ولا یؤخذ منها عدل ولا ہم ینصرون ○ یعنی اس دن سے ڈرو جس دن کوئی نفس

کسی نفس کو بچانہ سکے گا اور نہ کسی کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی، نہ کسی سے جزانہ ہی قبول کر لیا جائے گا، نہ مجرمین کو اور مدد ہی مل سکے گی۔

آیت کریمہ کا مضمون صاف ہے، اس میں ”مطلق شفاعت بغیر اذن خدا“ کی نفی کی گئی ہے اور یہ اپنی جگہ پر درست ہے۔ دوسری آیت جو برق لئے نقل کی گئی ہے:

(۲) مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ. قیامت کے دن ظالموں کے لئے کوئی حمایتی یا شفیع نہ ہوگا۔ یہ آیت بھی اپنے مفہوم میں صاف ہے کہ ”ظالمین“ اس قابل ہی نہ ہوں گے کہ کوئی ان کی سفارش کے لئے کھڑا ہو۔

برق یہاں اپنے زعم باطل کی بنا پر کہ اس کے ہزل آمیز نظریہ کی بظاہر اس حدیث سے تائید ہوتی ہے۔ حدیث کو تسلیم کرتا اور عین قرآن کے مطابق قرار دیتا ہے، حالانکہ جس طرح قرآن پاک کی مذکورہ آیتیں ”مطلق شفاعت بغیر اذن خدا“ کی نفی کرتی ہیں۔ اسی طرح اس حدیث میں بھی ”مطلق شفاعت بغیر اذن خدا“ کی نفی ہے۔ حدیث یہ ہے:

یا فاطمة بنت محمد، یا اصفیة بنت عبد المطلب، یا بنتی عبد المطلب لا املك لكم من الله شيئا تسألوني من مالي ما شئتم۔

(مسلم شریف ج ۱ ص ۲۷۴)

حدیث کا مفہوم صاف ہے کہ اسے بیٹی فاطمہؓ، اے اصفیہؓ، اے عبد المطلب کی اولاد اللہ کے ہاں میں مختار مطلق نہیں ہوں کہ جو چاہوں سوار کروں۔ یاد رکھو وہاں صرف تمہارے عمل ہی تمہارے کام آ سکیں گے۔

بے شک صحیح ہے اور حقیقت ہے جس کو اس حدیث پاک میں پیارے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا ہے۔

اب وہ آیات ملاحظہ کیجئے جن سے ”شفاعت باذن خدا“ کا ثبوت ملتا ہے۔ (۱) سورہ آیتہ الکرسی میں ہے:

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ۔ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے اذن بغیر

سفارش کر سکے۔ ”الَا بِإِذْنِهِ“ کا استثناء صاف دلالت کر رہا ہے کہ اذن الہی سے شفاعت ہوگی۔

(۲) دوسری آیت اس مضمون کو اور بھی زیادہ واضح کرتی ہے:

يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشِّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا

(پ ۱۶ ع ۱۵)

اس آیت کا ترجمہ سننے سے پہلے ترکیب پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ لا تَنْفَعُ فعل ہے الشِّفَاعَةُ اس کا فاعل ہے الاحرف استثناء ہے مِنْ مُشْتَقِّ مَفْعُول بہ ہے حسب قاعدہ۔ اب آپ نفی اور الا کو ہٹا کر تقدیر کلام کو سمجھئے۔ جو یوں ہوگا: یَوْمَئِذٍ تَنْفَعُ الشِّفَاعَةُ لِمَنْ أَذِنَ لَهُ۔

پس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اسکو شفاعت نفع دے گی۔ جس کے لئے خدا اجازت دے گا اور جس کا قول اس نے پسند کیا ہوگا۔ یعنی وہ اہل توحید ہوگا۔ اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ شفاعت کا وقوع ہوگا اور وہ موحدین کو نافع ہوگی۔

خاص شفاعت محمدی کا ذکر اس آیت شریفہ میں ہے:

عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا ۝ وہ وقت آ رہا ہے کہ تیرا رب

تجھے مقام محمود نصیب فرمائے گا۔ مقام محمود کیا ہے؟ مفسرین بالاتفاق لکھتے ہیں: وہو

مقام الشفاعۃ فی فضل القضاء، قیامت کے دن مقدمات متعلقہ طے کرنے کے

لئے باری تعالیٰ کے دربار عالی میں جا کر شفاعت کرنا۔ یہی وہ مقام شفاعت کبریٰ ہے

جس کو باری تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے مختص فرمایا ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں نہ

حضرت آدمؑ کی پہنچ ہوگی، نہ ابراہیمؑ کی، نہ موسیٰؑ و عیسیٰؑ کی اور فی الحقیقت اس کی شرح وہ

حدیث ہے جو مسلم شریف جلد اول ص ۳۷۲ میں حدیث شفاعت کے نام سے حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے، جس کو ”حضرت برق“ نے نقل کر کے اس کا

مذاق اڑایا ہے۔ بہر حال قرآن پاک سے شفاعت باذن خدا ثابت ہے اور احادیث



شفاعت سب اس قرآنی شفاعت کی تفسیر ہیں۔ یہ شفاعت ان کے حق میں ہوگی جو اس کا اہل نیک عملوں سے اپنے آپ کو دنیا میں بنالیں گے۔ اگر برق اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں پاتے اور اس لئے وہ سرے سے اس کا انکار ہی کرتے تو یہ آپ کی قسمت ہے۔ یہ قسمت کیا ہر ایک کو قسم ازل نے۔  
جو شخص کہ جہل چیز کے قابل نظر آیا

(ب) احادیث شفاعت اس شفاعت باذن خدا کی شرح ہیں جس کا ذکر قرآن پاک کی آیات بالا میں صراحتاً موجود ہے۔

مگر نہ بیند بروز شیرہ چشم  
چشمہ آفتاب را چہ گناہ  
(ج) شفاعت کو صحیح طور پر سمجھنے کے بعد جو عقیدہ اس کے بارے میں رکھنا ضروری ہے وہ عمل سے بیگانہ نہیں بلکہ عمل کے لئے براہیختہ کرنے والا عقیدہ ہے، اس عقیدہ کی بنا پر ایک سچا مومن اپنے آپ کو عمل و عقیدہ کے اعتبار سے ایسا بنانے کی پوری پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ کے دربار میں شفاعت کا قدر بن سکے۔ رہا ایسے لوگوں کا خیال جو عمل سے بے گانہ ہو کر صرف اور محض شفاعت کے سہارے جنت لینا چاہتے ہیں جن کو یہ زعم ہے کہ ان کا مسلمان ہونا یا کسی پیر مشائخ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو جانا ہی کافی ہے، ایسے غلط خیال رکھنے والے لوگوں کو ہرگز ہرگز شفاعت کا کوئی حصہ نصیب نہ ہوگا۔ یہ ہے قرآنی عقیدہ، احادیث کا فیصلہ، اسلام کا نظریہ۔

اب الحاد پروردگار اس ازم کے حامیوں کو اختیار ہے کہ وہ غلط خیالات سے ہٹ کر قرآن پاک کے تحت اپنے آپ کو شفاعت باذن خدا کا حقدار بنانے کی کوشش کریں یا پھر ان ہی لوگوں میں اپنا نام درج کرالیں جن کے لئے قرآن پاک اعلان کرتا ہے۔

ما للظالمین من حمیم ولا شفیع الا یہ

۱۔ بروز قیامت ظالموں کے لئے نہ کوئی دوست کام آوے گا نہ سفارش۔

## پندرھواں باب

### قرآن سے متضادم احادیث

قبل اس کے کہ ہم ”برق“ کے بیان پر تبصرہ کریں، کھلے لفظوں میں ان جیسے اسلام کے نادان دوستوں کو بتلانا چاہتے ہیں کہ قرآن پاک اور صحیح مرفوع متصل السند متواتر احادیث میں ہرگز ہرگز تضادم نہیں ہے، بلکہ صحیح مرفوع متصل السند متواتر احادیث جس قدر بھی ہیں وہ سب قرآن پاک ہی کی تفسیر ہیں اور کوئی بھی ”حدیث دشمن“ انسان کتنا ہی سر پیر مارے، کتنا ہی پھیپھڑوں تک کا زور لگالے، کس قدر بھی منہ زوری کر لے، کتنا ہی قلم کو بے لگام بنادے ہرگز ہرگز معقولی طور پر کسی صحیح مرفوع متصل السند متواتر حدیث اور قرآنی آیت میں ”تضادم“ پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اب برق صاحب کا ”تضادم“ ملاحظہ کیجئے لکھتے ہیں:

بخاری و مسلم میں ایسی احادیث کی کمی نہیں جو قرآن سے متضادم ہوتی ہیں۔ مثلاً: قرآن میں مذکور ہے: اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ اَمَّا شَاكِرًا وَاَمَّا كَفُورًا ۝ ہم نے انسان کو صحیح راہ دکھادی ہے اب اس کا دل چاہے تو سیدھا راستہ اختیار کرے یا الٹا۔ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفِرْ جس کا دل چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر رہے۔ الی آخرہ (دو اسلام ص ۲۹۰)

اس قسم کی آیات میں حدیث سے ٹکراؤ پیدا کرنے کے لئے مندرجہ ذیل حدیث کو پیش کرتے ہیں:

امرت ان اقاتل الناس حتی يشهدوا ان لا اله الا الله و ان محمدا رسول الله و يقيموا الصلوة و يؤتوا الزكوة فاذا فعلوا ذلك عصموا مني

أَمْوَالَهُمْ وَدِمَاءَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابِهِمْ عَلَى اللَّهِ

(بخاری جلد اول ص ۸)

مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے اس وقت تک جنگ کروں جب تک کہ وہ خدا کو ایک مان کر میری رسالت کا اقرار نہ کریں اور صلوٰۃ و زکوٰۃ کے پابند نہ ہو جائیں، اگر وہ ان باتوں کو مان لیں تو پھر میں ان کی جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔ ہاں جان اور مال میں اللہ کے حقوق (زکوٰۃ و جہاد) کسی طرح ساقط نہیں ہوں گے۔

(دو اسلام ص ۲۹۲)

آیات مذکورہ اور حدیث مذکورہ کیا ہے؟ اس کو بھی برق ہی کے لفظوں میں سن لیجئے:

چونکہ یہ حدیث لوگوں کو بہ جبر مسلمان بنانے کے لئے جہاد کا حکم دیتی ہے اور قرآن کی تعلیم سے متصادم ہوتی ہے اس لئے اس کی صحت مشتبہ ہے۔

(دو اسلام صفحہ ۲۹۴)

ہم کہتے ہیں کہ برق کا یہ پیدا کردہ تضاد خود برق کی نگاہ میں مشتبہ ہے اس لئے کہ حدیثی مضمون پر قرآن پاک کی کئی آیات بھی ہیں۔ مثلاً:

(۱) وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلَّهُ لِلَّهِ. (قرآن مجید)

تم لوگوں سے اس وقت تک لڑو جب تک بدامنی ختم نہ ہو جائے اور ہمارا قانون قلمرو میں نافذ نہ ہو جائے۔

(۲) إِلَّا تَقَاتِلْهُمْ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ. (قرآن) تم ان مشرکین سے کیوں

جنگ نہیں کرتے جنہوں نے سارے معاہدہ توڑ ڈالے ہیں؟

(۳) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (قرآن)

اے نبی کافروں اور منافقوں سے ”جہاد کرو“ اور اس بارے میں سختی سے کام لو۔

برق کے خیال ناقص کے مطابق یقیناً ہر دو قسم کی آیات میں بھی ٹکراؤ ہے، اس لئے

برق سے خطرہ ہے کہ کہیں آئندہ قدم ان کا قرآن سے متصادم قرآن کی طرف نہ بڑھ جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ آیات سے آیات کا تصادم ہے، نہ آیات سے اس حدیث کا ٹکراؤ ہے۔ قرآن کا اصول حکم یہ ہے:

(۱) لا اکراہ فی الدین۔ دین کے قبول کرنے کے بارے میں کسی حال میں بھی ”اکراہ“ جائز نہیں ہے۔ اس حکم کی مزید تشریح ان آیات میں ہے جو برق نے پہلے نقل کی ہیں۔

(۲) قانون الہی کو امن کی خاطر ملک میں جاری کرنے کے لئے موقعہ و محل کے لحاظ سے جدوجہد کرتے رہنا اور جو لوگ خدائی قوانین کو مٹانے کے درپے ہوں ان کی جس حیثیت میں ممکن ہو مدافعت کرتے رہنا، یہ ان آیات کا منشاء ہے جن میں اس بارے میں جدوجہد کا حکم دیا گیا ہے اور یہی منشاء ہے اس حدیث صحیح کا جس کو کہ ابھی برق نے اپنے خیال باطل کی بنا پر تعلیم قرآن سے ٹکراؤ کے لئے منتخب کیا ہے۔ قرآن پاک نے ”قتل و قاتل“ کی اجازت ”بشرائط“ صرف مظلومین کو دی ہے۔ اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا۔ (قرآن)

حدیث بھی قرآنی منشاء ہی کو اجاگر کرتی ہے اور اس حدیث کی شرح یہ احادیث ہیں جو خود برق نے نقل کی ہیں۔ مثلاً: (برق کے لفظوں میں)

(۱) حضور علیہ السلام نے معاذ بن جبلؓ کو اہل بحرین سے جزیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۳۱)

معلوم ہوا کہ اس حدیث کا مفہوم وہ نہیں ہے جو ”برق“ نے اپنے خود ساختہ لفظوں میں پیش کیا ہے۔

(۲) حضور علیہ السلام نے جنگ خیبر میں حضرت علیؓ سے فرمایا تھا: ثم ادعہم الی الاسلام لئن یرہدی اللہ بک رجلاً خیر لک من حمر النعم۔ اور پھر تم انہیں

اسلام کی طرف دعوت دو اور یاد رکھو کہ ایک انسان کا ہدایت پا جانا تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

(۳) موطاء میں مذکور ہے: ایک ایرانی نے حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کی اور پھر کہنے لگا میں بیعت توڑتا ہوں، تین مرتبہ یہی التجاد ہرائی، لیکن آپؐ نے کوئی جواب نہ دیا اس کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا: مدینہ ایک بھٹی کی طرح ہے جہاں خالص دھات باقی رہ جاتی ہے اور کشفیت نکل جاتی ہے۔ (موطاء ص ۳۵۹)

ان احادیث کی روشنی میں بخاری شریف کی مشار الیہ حدیث کا مطالعہ کیجئے تو آپؐ پر واضح ہوگا کہ وہاں ”اقبائل النابین الخ“ سے مراد دعوت اسلام ہے اور الفاظ فاذا فعلوا ذلک عصموا منی الخ میں اسلام کا ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے جس کی بنا پر ہر مسلمان کے مال و جان کی اسلامی اسٹیٹ ذمہ داری لیتی ہے برق صاحب محض منہ زوی سے کسی حدیث کو ”ضعی“ ثابت کیا جائے؟ یہ حرکت ممکن ہے آپؐ کے نفس امارہ کو خوش کرے، مگر اہل نظر آپؐ سے ان الفاظ میں خطاب کریں گے۔

حقیقت شناس نہ دلبر اخطا اینجا است۔

ہاں یہ آپؐ نے خوب کہا کہ حدیث ”من بدل دینہ فاقتلہ“ (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۳) کہ جو شخص اسلام چھوڑ جائے اسے مار ڈالو۔“ بھی وضعی ہے۔

مرتد کے بارے میں ذرا قرآنی ہدایات پر نظر ڈالنے کے لئے ہم ناظرین باتمکین سے اپیل کرتے ہیں۔ قرآن پاک اعلان کرتا ہے:

(۱) من یرتد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فالانک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحب النار ھم فیھا یدخلون۔ (قرآن مجید)

(۲) ان الذین کفروا بعد ایمانھم ثم ازدادوا کفرا لن تقبل توبتھم واولئک ھم الضالون۔

ہر دو آیات کا مفہوم ایک ہے کہ مرتد ہو جانے کے بعد اس کے پہلے جملہ نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں، ان کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی۔ اگر وہ مسلسل کفر ہی کی طرف بڑھ رہے ہوں تو پھر نتیجہ یہ کہ وہ سخت ترین گمراہی میں جا پڑتے ہیں جس کا نتیجہ انجام دخول فی النار ہے۔

ایک مرتد ہونے والا انسان نہ صرف کافر بنتا ہے بلکہ کھلی ہوئی بغاوت کر کے وہ خدا اور اس کے رسول سے جنگ کرنے کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہے۔ اللہ و رسول سے کھلی ہوئی جنگ کرنے والوں کے لئے قرآنی قانون یہ ہے۔

انما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله و يسعون في الارض فساداً ان يقتلوا او يصلبوا او تقطع ايديهم وارجلهم من خلاف او ينفوا من الارض ذلك لهم خزي في الدنيا ولهم في الآخرة عذاب عظيم (سورہ مائدہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، (قیام امن) کے لئے ایسے فسادیوں کی سزا یہ ہے کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا سولی پر لٹکا دیا جائے یا ان کے ہاتھ و پیر مختلف صورت میں کاٹ دیئے جائیں یا ان کو جلا وطن کر دیا جائے۔ یہ تو صرف دنیاوی سزا ہے آخرت کا بڑا بھاری عذاب اس کے علاوہ ہے۔

ان آیات پر غور کرنے کے بعد حدیث صحیح ”من بدل دینہ الخ“ کا مطالعہ کیجئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آیات قرآنی اور حدیث نبوی میں ایک ہی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اگر برق اپنے باطل مزمومہ کی بنا پر اس حدیث کو وضعی قرار دیتے ہیں تو مرتد کے بارے میں ان قرآنی تصریحات پر بھی آپ کو ہاتھ صاف کرنا پڑے گا اور قوی خطرہ ہے کہ ان آیات کے مطالعہ کے بعد آپ ”قرآن سے متصادم قرآن“ کا گیت نہ گانا شروع کر دیں۔ سچ ہے:

يَضِلُّ بِهِ كَثِيرٌ أَوْ يَهْدَى بِهِ كَثِيرٌ أَوْ مَا يَضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ (قرآن)  
بلا شک مذہب اسلام خدا کی مذہب اور سچا مذہب ہے۔ جو شخص اس مذہب حقہ کو دل

و جان سے قبول کر لیتا ہے اسکے سامنے اسلام کی بیشمار خوبیاں اس کی جامعیت اور ہمہ گیری ہوتی ہے، اس لئے مرتد ہونے کا اس کو خیال تک بھی نہیں ہو سکتا، لیکن کوئی بد بخت اگر مرتد ہو جائے تو نہ صرف اس نے اسلام کی توہین و تکذیب کی بلکہ دوسروں کو بھی اس سچے مذہب کے قبول کرنے سے روکا اور یہ اس کی اسلام کے ساتھ کھلی ہوئی بغاوت ہے اور بنی نوع انسان کے اوپر ظلم کہ نیکی، بھلائی، اخوت، محبت، مساوات توحید سے اس نے دوسرے ہم جنسوں کو بھی محروم رکھنے کی کوشش کی۔ چونکہ مرتد کی یہ حرکت شیعہ ترقی اسلام کیلئے روکاؤ و سخت مضرت رساں تھی اسی لئے اس کی سزا بھی انتہائی سنگین رکھی گئی۔ منافقین نے بھی کھلم کھلا اپنے کفر کا اعلان اسی لئے نہیں کیا کہ ان کو اسلام کے اس قانون کا خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرتد ہونے کے جرم میں قتل کر دیئے جائیں۔

پس ”سزائے مرتد“ قرآنی قانون ہے جس کا انکار قرآن کریم کا انکار ہے۔ اسٹیٹ کے غداروں اور باغیوں کے لئے ایسا ہی قانون اقوام عالم کا ہے۔

—

—

—

## سوکھواں باب

### غلامی اور اسلام

کسی چیز کی عداوت انسان کو اس قدر اندھا، بہرہ بنا دیتی ہے کہ اس چیز کے پھر جملہ محاسن بھی اس کو عیوب نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ شیخ سعدیؒ نے ان ہی معنوں میں کہا ہے:

گل آس سعدیؒ و در چشم دشمنان خار است  
یہی حال ہمارے برق کی برق پاشی ذہنیت کا ہے ”حدیث دشمنی“ نے آپ کی عقل اور دماغ کو اس قدر ماؤف کر دیا ہے کہ ”حدیث“ کا کوئی خواہ کتنا بھی عمدہ پہلو ہو ”برق“ کو ایک نظر نہیں بھاتا۔

اس سرخی کے ذیل ”برق“ نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن از سر تا پا غلامی کے ”خلاف“ اور حدیث مسلمانوں کو غلام بنانے کا فرض انجام دیتی ہے اس لئے ”احادیث“ کا ذخیرہ زر خرید علماء کا خود تراشیدہ ہے۔ آپ اپنے ناپاک مقصد کو ثابت کرنے کے لئے بخاری شریف جلد ۲ ص ۵۶ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں: للعبد الصالح المملوک اجران والذی نفسی بیدہ لو لا الجہاد فی سبیل اللہ والحج وبرامی لا جبت ان اموت و انا مملوک۔ ایک نیک غلام دو گئے اجر کا مستحق ہے، اللہ کی قسم اگر جہاد و حج مانع نہ ہوتے تو میں موت تک غلام رہنا پسند کرتا۔

(دو اسلام ص ۲۹۹)

برق نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی خلط بحث سے کام لیا ہے۔ اسلام بے شک غلامی کا حامی نہیں ہے مگر سوچتا ہے کہ وہ کونسی غلامی ہے؟ اصطلاح میں اس کو ”سیاسی



غلامی، کہنا زیادہ مناسب ہے۔ جس کو آپ ”شخصی مطلق العنان حکومت“ نے تعبیر کر سکتے ہیں۔ حقیقت ہے کہ صحیح جمہوریت اور آزادی ضمیر کا اولین درس اسلام کا اور قرآن کا پیش کردہ ہے۔ یہاں یہ بحث ہمارے لئے موضوع سے خارج ہے۔ غلامی کی دوسری قسم وہ غلامی ہے جو اسلام کے اصلاحی پروگرام شروع ہوتے وقت تمام دنیا میں رائج تھی کہ زبردست زیر دستوں کو پکڑ کر جانوروں کی طرح اپنی ملک بنالیا کرتے تھے اور جانوروں ہی کی طرح ان کی خرید و فروخت کا سلسلہ جاری رہا کرتا تھا۔ قرآن نے، بانی اسلام نے اس غلامی کا بھی حجاب کیا اور بہت سی ممکنہ تدابیر سے اس کو زیادہ سے زیادہ کم کرنے کی کوشش کی۔ قرآن پاک میں اس قسم کی غلامی کا ذکر ملتا ہے۔ غور کیجئے۔

وَالْأَنْكَحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالضَّالَّاتِ مِنَ غِلَاظِكُمْ وَأَمَاءَكُمْ۔

ترجمہ یہ ہے کہ اے مسلمانوں! اپنی رائے بیوہ عورتوں کا نکاح قاتی کر دیا کرو اور اپنے صالح غلاموں کا اور لونڈیوں کا بھی۔  
قرآن مقدس کی اس آیت شریفہ کی روشنی میں مسلمانوں میں ”غلاموں اور لونڈیوں“ کا وجود صاف ظاہر ہے۔

صالح لونڈی اور غلام کون ہیں؟ اس کا جواب اس حدیث میں ملاحظہ کیجئے: الْعَبْدُ إِذَا نَصَحَ سَيِّدَهُ وَاحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ كَانَ لَهُ أَجْرُهُ مِثْلَ مِثْقَلِ غَلَامٍ۔ غلام جب اپنے خاوند کا بھی مخلص پرستار ہو اور اپنے آقا کی بھی ہر وقت وفاداری کرتا ہو اس کو خدا دو گنا اجر دے گا۔

اسی صالح غلام کی تعریف میں یہ حدیث ہے جسکو ”برق“ مجلسا زوں کی تراشیدہ حدیث قرار دے رہے ہیں:

لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ الْمَمْلُوكِ أَجْرَانِ: صَاحِبِ غَلَامٍ كَسَلَهُ دُوكُنَا ثَوَابَ هُوَ جَبَّ وَهُوَ وفاداری سے اپنے آقا کے ساتھ برتاؤ رکھے۔ چونکہ اس حدیث میں ایک بڑی بشارت تھی وفادار غلاموں کے لئے اس لئے اس بشارت کو بکسر والہائے حالت میں راوی

حدیث (حضرت ابو ہریرہؓ) کی زبان سے یہ نکتہ:  
 وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ . اللہ کی قسم اگر جہاد و حج و مان کی خدمت جیسے اہم امور  
 میرے سامنے نہ ہوتے تو اس بشارت کا مصداق بننے کے لئے میں ”صالح مملوک“ بننا  
 پسند کرتا۔

اس حدیث کی شرح میں علامہ یعنی شارح بخاری لکھتے ہیں:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ قَالَ ابْنُ بَطَالٍ هُوَ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ  
 وَكَذَلِكَ قَالَ الدَّوْدِيُّ وَغَيْرُهُ أَنَّهُ مَدْرَجٌ فِي الْحَدِيثِ وَقَدْ  
 صَرَحَ بِالْإِدْرَاجِ الْإِسْمَاعِيلِيُّ مِنْ طَرِيقٍ آخَرَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ  
 الْمُبَارَكِ بِلَفْظِ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ هُوَ مِنْ قَوْلِ أَبِي هُرَيْرَةَ  
 أَيْضاً بِذَلِكَ. (حاشیہ بخاری کراچی جلد ۱ ص ۳۴۶)

یعنی وَالَّذِي بِيَدِهِ سے آگے تمام جملہ حضرت ابو ہریرہؓ کا بے قول رسول سے  
 اسے تعلق نہیں ہے۔ اس قسم کی علمی تحقیقات سے ”برق“ کو کیا کام؟ آپ کی ”برقی افتاد“  
 تو آپ کا دماغ ادھر ہی لے جا رہی ہے کہ حدیث یہ کہہ رہی ہے کہ بہترین زندگی  
 دوسروں کی غلامی ہے۔ یعنی ان کے سچکھے کھینچنا، لکڑی کا ٹٹا، بوجھ اٹھانا، پانی بھرنا، مل  
 جوتنا، زمین کھودنا، پہاڑ کا ٹٹا، روٹی پکانا، بوٹ صاف کرنا اور رات بھر بنگلوں پر پہرہ  
 دینا۔ لعنت ایسی زندگی پر اور پھٹکار اس جملہ سازی پر۔ (دوا سلام ص ۲۹۹)  
 برق کی برقی طبیعت کے پیش نظر یہ بعید نہیں ہے کہ وہ آئندہ ترقی کی دھن میں  
 یہاں تک کہنے کے لئے تیار ہو جائے کہ نعوذ باللہ۔

پھٹکار ایسی قرآنی تعلیم پر جس میں صالح لونڈی اور غلاموں کا تخیل پایا جائے۔  
 لعنت ایسی ”صالح“ زندگی پر جو لونڈی یا غلام بننے کی حالت میں گزاری جائے۔  
 یہ تو ہوا برقیات کا آپریشن اس کے بعد حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے، قرآن نے،  
 حدیث نے اس غلامی کی رسم کو بھی جڑ سے مٹانے کی بے حد کوشش کی ہے۔ بیشمار ایسی

احادیث موجود ہیں جن میں غلاموں کو آزاد کرنا ایک بہترین نیک عمل قرار دیا گیا ہے۔ چند احادیث ملاحظہ ہوں:

الْعَبْدُ اخُوَانُكُمْ.. (بخاری شریف جلد اول ص ۴۳۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں کہ غلام تمہارے بھائی ہیں اور ظاہر ہے کہ بھائی کو زیادہ دیر تک غلامی کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں باریک اشارہ ہے کہ رشتہ اخوت کی بنا پر کسی نہ کسی دن غلاموں کو تمہیں غلامی سے آزاد کر کے ”اخوت“ کی صحیح سطح پر لانا ہی پڑے گا۔

مَنْ كَانَ اخُوَةً تَحْتَ نِدَهِ فَلْيَطْعَمَهُ يَمًا يَأْكُلُ وَلْيَلْبَسَهُ مِمَّا يَلْبَسُ. الخ

(بخاری شریف ص ۳۴۶) جس کا کوئی بھائی اتفاقاً غلام بن کر اس کے ہاتھ آ گیا ہو اس کو چاہئے کہ غلامی کا برتاؤ ہرگز اس سے نہ کرے بلکہ اپنا بھائی جانتے ہوئے جو خود کھاتا ہے اسے بھی کھائے، جو خود پہنتا ہے اسے بھی پہنائے۔

مالکان غلام کو اس طرح آپ نے رغبت دلا کر ان کو غلاموں کے آزاد کرنے پر اخلاقاً مجبور کر دیا۔ دوسری طرف غلاموں کو ایسی عمدہ سطح پر لانے کی کوشش فرمائی کہ ان کے اعلیٰ اخلاقی کردار کو دیکھ کر ان کے مالک مجبور ہو جائیں اور جان جائیں کہ ایسے بلند ترین اخلاق والے انسان کو ”غلامی“ میں رکھنا میرے لئے باعث ننگ ہے۔ اسی اعتماد اور حسن تدبیر کی ایک کڑی یہ حدیث ہے:

للعبد الصالح المملوك اجزان..

جس کو ”برق“ جعلی اور تڑا شیدہ حدیث قرار دے رہے ہیں اور جس پر اپنی ہفوات

باطلہ کی ایک ریت کی دیوار قائم کر رہے ہیں۔

”برق“ کو مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے ”کچھ عقیدت“ ہے اس لئے ہم مرحوم شبلی کی

کتاب ”الفاروق“ سے اس بارے میں کچھ تفصیلات اپنے ناظرین کے سامنے رکھیں

گے۔ شکر ہے کہ برق کو الفاروق سے بھی عقیدت نہ ہے، بہر حال اس غلامی کے بارے

میں مولانا شبلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق بیان کرتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے اگرچہ غلامی کو معدوم نہیں کیا اور شاید اگر کرنا بھی چاہتے تو نہیں کر سکتے تھے لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انہوں نے مختلف طریقوں سے اس کے رواج کو کم کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا، یعنی یہ قاعدہ قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی۔ مورخین اور محدثین نے حضرت عمرؓ کے اولیات میں یہ بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جس کو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کر دوں گا، جب وہ ذرہ معینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ قاعدہ خود قرآن مجید میں موجود ہے: فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا۔ (مختصر الفاروق ص ۱۳۸، ۱۴۰)

یہ عبارت نہایت تشریح کے ساتھ بتا رہی ہے کہ غلامی حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی تھی، آپ نے اس کے مٹانے کی کوشش تو کی مگر پورے طور پر اسے ختم نہیں کر سکتے اور یہ کہ قرآن پاک ہے غلامی کا اثبات ملتا ہے اگرچہ قرآن پاک نے غلاموں کی آزادی کے واسطے مناسب اور ضروری ہدایات دی ہیں اور بہت زیادہ غلامی کو ختم کرنے پر توجہ دلائی ہے۔

برق صاحب؟ کہہ دیجئے کی شبلی کا یہ بیان بھی کسی جلسہ زملہ کی روایت پر مبنی ہے اور قرآن کی آیت مشارالیه بھی کسی زر خرید ملانے قرآن میں بڑھادی ہے؟ بھلا غلامی سے اسلام کو کیا تعلق؟ لعنت ہے ایسی تعلیم پر جس میں غلامی کا وجود پایا جائے؟

نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

اَللّٰہی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے

دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

## شترھواں باب

### ”تقدیر“

قرآنی تشریحات کی روشنی میں ہر ایک چیز کا اندازہ علم الہی کے اندر مقدر ہے یعنی معین ہے۔ قرآن پاک بتلاتا ہے کہ دنیا میں جو بھی عالم وجود کا لباس پہنتا ہے وہ ازل ہی سے علم الہی میں مقدر اور معلوم تھا۔ مندرجہ ذیل آیات پر غور کیجئے:

(۱) الَّذِي لَهُ مَلِكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمَلِكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدْ رَاهُ بِتَقْدِيرٍ ۚ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ  
کہ زمین و آسمان جس کے قبضہ میں ہیں، جس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور نہ اس کا کوئی شریک حکومت ہے، اس نے ہر چیز کو پیدا کیا اور ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر دیا۔  
(۲) اَنَا كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝ ہم نے ہر ایک چیز کو اپنے ”قدر“ کے مطابق

پیدا کیا ہے۔

(۳) وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ۝ ہر چیز کا اللہ کے ہاں ایک مقررہ اندازہ ہے۔  
(۴) وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ اللہ پاک اپنے امر حکم کے لحاظ سے ہمہ وقت غالب ہے، لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔  
(۵) وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُونًا ۝ اللہ کا حکم تھا ازل ہی میں اندازے کے ساتھ مقرر کیا ہوا۔

(۶) وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ نِیْلِیٰ كِبْرًا ۝ پہلے ہی اللہ کے علم کے اندر مقرر ہو چکی تھی۔

(۷) وَلَوْ شِئْنَا لَا تَيْنَاكُلُ نَفْسٌ هَذَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ

جہنم من الجنة والناس اجمعین ○ ہم چاہتے تو سب کو ہدایت یافتہ کر دیتے مگر ہمارے ہاں یہ بات مقرر ہو چکی ہے کہ ہم کو دوزخ انسانوں سے اور جنوں سے بھرنی ہے۔

مقصود ان آیات شریفہ کا یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ علم الہی میں مقدر ہے اس قسم کی بہت سی قرآنی تشریحات کی بنا پر ”تقدیر“ پر ایمان لانا اہل اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں ہے کہ انبیاء کاہل، کاجور، غافل، بدکردار، بدعقیدہ بن جائے۔ اللہ نے اپنی مقررہ تقدیر کے اندر یہ بھی فیصلہ کیا ہوا ہے:

فاما من اعطى واتقى ○ وصدق بالحسنى ○ فسنيسره لليسرى ○ جو دنیا میں راہ خدا میں خرچ کرے اور تقویٰ اختیار کرے اور نیک باتوں کی تصدیق کرے ہم اس کے لئے ہر قسم کی نیکیاں آسان کر دیتے ہیں اور بروں کے لئے اس کے برعکس۔  
ليسن للانسان الا ما سعى ○ وان سعيه سوف يرى ○ انسان کو صرف اپنی کوششوں کا پھل ملتا ہے اور اس کی محنت کبھی رائیگاں نہیں جاتی مگر کوشش کی توفیق تقدیر الہی کے ماتحت ہے۔

وما توفيقى الا بالله عليه توكلت واليه انيب ○

ہر کام کی توفیق مشیت الہی کے ماتحت ہی ملتی ہے۔

گر بود کز حکیم روشن رائے ☆ بر نیاید درست تدبیرے

گاہ باشد کہ کود کے نادان ☆ بغلط ہر ہدف زند تیرے

تقدیر کا یہی قرآنی تصور حدیث نے پیش کیا ہے مگر ”برق صاحب“ کی برقی

طبیعت بھلا حدیث کو یہاں بھی کیسے بخش سکتی تھی جھٹ دھر گھسیٹا۔

حدیثی تخیل ملاحظہ ہو۔ حضور فرماتے ہیں کہ نطفہ رحم میں پہنچ کر چالیس دن

کے بعد منجمد سا خون بنتا ہے، پھر وہ لو تھڑے کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اس کے

بعد اللہ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے کہ جاؤ اور اس کو بھڑکنے کے اعمال زندگی، رزق، موت اور سعادت اور شقاوت کا فیصلہ ابھی لکھ لو اور اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۱۳۸) (دوا اسلام ص ۳۰۳)

اس حدیث پر نقل کے بعد برق کی ”برق پاشی“ ملاحظہ ہو۔

اس حدیث تراش نے یہ نہ بتایا کہ جب ایک شخص اپنے اعمال رزق اور سعادت و شقاوت کا فیصلہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی ہو جاتا ہے تو پھر اللہ انسانی ہدایت کے لئے اتنے پیغمبر کیوں بھیجے؟ بے شمار اقوام کو غرق کیوں کیا؟ اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم کیوں دیا؟ عجیب مذاق ہے کہی کو ہدایت دے کر جنت میں بھیجنا اور کسی کو گمراہ کر کے جہنم کے حوالے کرنا بے انصافی کی انتہا ہے۔ یہ سب الجھنیں اس لئے پیدا ہوئیں کہ ہم نے قرآنی تقدیر کو چھوڑ کر حدیثی تقدیر کا تخیل اپنا لیا۔ (مخص و دوا اسلام ص ۳۰۲، ۳۰۳)

حدیث مشار الیہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت سے بخاری و مسلم ہر دو محدثین نے روایت کی ہے یعنی متفق علیہ ہے مگر برق بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اسے تراشیدہ قرار دیتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو حدیث تراش کا لقب دیتا ہے۔ استغفر اللہ لعوذ باللہ۔

اچھا برق صاحب؟ ”حدیث تراش“ پر تو آپ اپنی برق پاشی کر چکے اب قرآن پاک کی اس آیت کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟

وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هَدَاهَا وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ (سورہ الم تنزیل سجدہ)

ہم چاہتے تو ہر نفس کو ہدایت دیدیتے مگر ہم نے لوگوں سے ضرور دوزخ کو پر کرنے کا فیصلہ پہلے ہی کر لیا تھا۔

برق صاحب تو اپنی برق پاشیوں کی وجہ سے شاید غور نہ کر پائیں مگر ناظرین سے ہم اپیل کرتے ہیں کہ حدیث مشار الیہ اور آیت اہل میں کیا ایک ہی حقیقت نہیں ہے؟

جس کا ہر ذوجگہ انکشاف کیا گیا ہے؟

”برق صاحب“ ہاں تو فرمادیتے کہ قرآنی خدا بھی عجیب مذاق کرتا ہے کہ خود ہی جنت میں داخل کرتا ہے اور خود ہی دوزخ میں اور پھر نماز روزہ کے لئے برائیوں سے بچنے کے لئے بھی انسان کو دعوت دیتا ہے اور پھر بے شمار نبی رسولوں کو بھی بھیجتا ہے کیا عجیب مذاق ہے؟ ہاں برق صاحب۔

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

(اگر تجھ کو قضائے الہی ناپسند ہے تو اگر طاقت ہے تو اسے بدل ڈال)۔

سچ فرمایا اللہ پاک نے حدیث قدسی میں:

من لم یرض بقضائی فلیطلب رباً سوائی

جو میری قضا پر راضی نہ ہو اس کو چاہئے کہ میرے سوا اور رب تلاش کر لے۔

آخر میں آپ نے یہ خوب ہانکی ہے کہ دنیائے اسلام کی جملہ رسوائیوں کی وجہ حدیث کا ”تقدیری تصور“ ہے۔ قرآن اور حدیث انسان کو بار بار تقدیر الہی، مشیت الہی کے عقیدہ کے ساتھ ساتھ عمل کے لئے، حرکت کے لئے دعوت دے رہے ہیں۔ بے شمار احادیث اس قسم کی موجود ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل ہوگی بیشک بلند اعمال کا صلہ بلند ہے اور پست اعمال کا صلہ پست ہے۔ خدا کی عین مرضی ہے کہ بندہ بلند اعمال سے بلند مقام حاصل کر لے اور اس سے تقدیر مانگے۔ یمحو اللہ ما شاء و یثبت و عندہ ام الكتاب ○ (قرآن مقدس)

اللہ جس تقدیر کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہے ثابت رکھتا ہے، تمام قسموں کا نوشتہ اس ہی کے پاس ہے۔ سچ ہے۔

مالک اپنے ملک کا مختار ہے

برق جیسے ہزاروں ”پی، ایچ ڈی“ کو شاں ہوں گے کہ نہ صرف ان کا ہر لڑکا بلکہ ہر لڑکی تک پی، ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کر لے اور پھر اس مقصد کے لئے ایسے ”پی،



ایچ، ڈی“ کتنے ہاتھ پیر مارتے ہوں گے، کتنا پیسہ پانی کی طرح خرچ کرتے ہوں گے، کس قدر کالج اور یونیورسٹیوں کی خاک چھانتے ہوں گے۔ باوجود اس قدر تنگ و دو کے ان کو کس قدر ملال ہوتا ہوگا کہ ان کا لخت جگر، ان کی نور نظر، پی، ایچ، ڈی تو کجا ایک معمولی تعلیم یافتہ انسان کے درجہ پر بھی پہنچ رہے ہیں اور اس کی جملہ کوششیں رائیگاں جا رہی ہیں، کیا اس قسم کی صد ہا مثالیں موجود نہیں ہیں؟

”برق صاحب؟“

این سعادت بزور بازو نیست

تانه بخشد خدائے بخشندہ

یعنی محض ”زور بازو“ کام نہیں دے سکتا جب تک کہ تائید الہی شامل حال نہ ہو۔  
”ہاں تو ڈاکٹر صاحب“

یہ سب کچھ محض تقدیر الہی کے ماتحت آپ بھی خود ملاحظہ فرما رہے ہیں۔  
قانون قدرت یہ ہے۔

بدنہ بولے زیر گردوں گر کوئی میری ہے

ہے یہ گنبد کی صدا، جیسی کہے ویسی ہے

## اٹھارواں باب

### متضاد احادیث

اس باب کے بغور مطالعہ کے بعد ہماری حیرت کی کوئی حد نہ رہی، جب ہم نے برق کی حدیث نہی کا اندازہ لگایا، ہم اس باب کے مطالعہ کے بعد اس چیز کو سمجھنے سے قاصر رہے کہ ایک علم و فضل کا مدعی انسان عقل و خرد سے کیا اس قدر بیگانہ ہو سکتا ہے؟

برق نے اس باب کے تحت اپنے ناقص خیال میں متضاد احادیث پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث ”پیارے اماں“ کے عنوان پر ”آپ نے“ ”اماں“ کے بارے میں نقل کی ہے اور شکر ہے کہ اس حدیث کو آپ نے صحیح تسلیم کیا ہے جسے ہم بھی برق ہی کے لفظوں میں نقل کرتے ہیں اور ساتھ ہی آپ کی ایک صریح غلط بیانی پر نشان دہی بھی کرتے ہیں تاکہ منکرین حدیث کی ”تحریفات“ کی ایک اور مثال ہمارے ناظرین کے سامنے آجائے۔

ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ چند عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کا تمام تر وقت مردوں کی تہذیب و اصلاح میں گزر جاتا ہے اور ہم سب ارشادات سے محروم رہتی ہیں، (برق صاحب ہوتے تو پھپھڑوں کا پورا زور لگا کر پکارا اٹھتے کہ قرآن تمہارے پاس موجود ہے پھر اس کے ہوتے ارشادات رسولؐ کی طالب کیوں ہوتی ہو؟) اس لئے ایک دن نکال کر ہمیں بھی مستفید ہونے کا موقع عطا فرمائیے۔ حضورؐ نے یہ التجا منظور فرمائی اور عورتوں کے ایک مجمع کو خطاب کیا، دورانِ تقریر میں فرمایا کہ جو ماں تین بچے جنے گی اللہ اس کو نارِ جہنم سے بچالے گا، ایک عورت کہنے لگی اور دو بچوں والی، فرمایا دو والی بھی جنت میں جائے گی۔ (بخاری جلد ۱ ص ۲۰)

ترجمہ غلط کیا ہے

برق صاحب نے اس حدیث کو پیاری ماں کی فضیلت میں پیش کیا ہے۔ بلاشبک یہ حدیث معانی مطالب کے لحاظ سے بہت سی حکمتوں پر مشتمل ہے جن کی تفصیل موجب تطویل ہے۔ مگر افسوس کہ برق نے

”تین بچے جنے گی“

کا ترجمہ کر کے نہ صرف اپنی حدیث نبوی و عربی قابلیت کا بھانڈا پھوڑا ہے بلکہ حدیث کو بھی معنوی لحاظ سے مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ محض تین بچے جنے پر اگر جنت ملتی ہے تو پھر ”برق“ صاحب دنیا کی بہت کم عورتیں غیر جنتی رہ جاتی ہیں اور پھر نہ بہترین عمل کی ضرورت ہے نہ اسلام قبول کرنے کی صرف تین بچے جنے اور جنت کی مالک ہوئی۔

بے شمار خواتین ہیں جن کو خدا نے تین سے آگے چار چار بلکہ دس دس تک اولاد دی ہوئی ہے۔ ان کو خوش ہو جانا چاہئے کہ برق صاحب ان کو بالضرور جنت دلا کر رہیں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

صحیح ترجمہ

بخاری شریف کو سامنے رکھ کر ہم برق کے غلط ترجمے کے اصل عربی الفاظ نقل کرتے ہیں جو یہ ہیں۔ ما من کن امرأة تقدم ثلاثة من ولدها الا كان لها حجابا من النار فقالت امرأة واثنين فقالوا اثنين۔ ان کا صحیح ترجمہ یہ ہے:

”کہ اے خواتین تم میں سے جس عورت نے تین بچے اپنے آگے بھیج دیئے (یعنی اس کی زندگی میں اس کے تین بچے عالم آخرت کو مدھار گئے اور پھر اس نیک عورت نے صبر شکر سے کام لیا) تو وہ بچے اس عورت کو دوزخ سے بچانے کے لئے ”حجاب“ بن جائیں گے۔ ایک عورت بولی حضور اگر کسی کے دو ہی بچے فوت ہوتے ہوں؟ فرمایا اس کے لئے بھی یہی بشارت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی خطاب مسلم شریف میں

ان لفظوں میں موجود ہے: لا یموت لاحد اکن ثلاثة من الولد فتحتسبه الا دخلت الجنة فقالت امرأة منهم او اثنان یا رسول الله قال او اثنان . (مشکوٰۃ شریف جلد ۱ ص ۱۵۰) اے انصار کی غورتو! تم میں سے اگر کسی کے تین بچے گزر گئے اور اس نے صبر کیا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگی۔ ایک عورت بولی اگر کسی کے دو ہی بچے فوت ہوئے ہوں؟ آپ نے فرمایا: اس کے لئے بھی یہی بشارت ہے۔ حدیث متفق علیہ میں یہی بشارت باپ کے لئے بھی موجود ہے۔ جس کے لفظ یہ ہیں: لا یموت لمسلم ثلاثة من الولد فیلج النار۔ جس مسلمان کے تین بچے مرجائیں (اور وہ صبر و شکر کرے) اس کا دوزخ میں داخلہ ناممکن ہے۔ اس تفصیل سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ ترجمہ کرتے ہوئے ”برق“ نے کس طرح حدیث کو مسخ کر کے غلط ترجمہ ان لفظوں میں پیش کیا ہے:

جو ماں تین بچے جنے گی اللہ اسے نارِ جہنم سے بچا لے گا۔  
برق کا یہ ”مذاق“ تو ان احادیث کے ساتھ ہے جن کی صداقت آپ کو تسلیم ہے۔ پھر بھلا جن صحیح ترین احادیث کو آپ ”زطلیات“ کا درجہ دیتے ہوں ان کی حقیقت کو رد و بدل کرنے میں ”آپ“ کی برق پاشیوں کا اندازہ انصاف پسند ناظرین خود فرما سکتے ہیں۔

### یہ تو ایک

ضمنی بات تھی جو درمیان میں بطور جملہ معترضہ وارد ہوئی۔ اب برق صاحب کی آگے ’برق پاشیاں‘ ملاحظہ ہوں۔ حدیث بالا کی تائید آپ ان لفظوں میں فرماتے ہیں: مگر تائید کی ساری دیوار غلط ترجمہ پر مبنی ہے جو اس بات کی غمازی کر رہی ہے کہ یہ غلط ترجمہ محض عجلت قلمی کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ آپ کے غور و خوض و حدیث فہمی کا ”ماحصل“ ہے۔ بہر حال ارشاد ہوتا ہے:

بالکل درست فرمایا تھا حضورؐ نے سارا قرآن شاہد ہے کہ انسانی خدمت بہت



العشیر و یکفرون الاحسان لو احسنت الی احدا هن الدهر ثم

رات منک شیئا قالت ما رایت منک خیراً قط۔  
 آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے آج کے دن دوزخ کو دیکھا جس کا  
 منظر بے حد اندھناک تھا۔ میں نے زیادہ تر اس کے رہنے والوں میں عورتوں کو دیکھا،  
 لوگ بولے حضور! کیا کیوں ہے؟ فرمایا کہ عورتوں کے ”کفر“ کی وجہ سے۔ لوگ بولے!  
 کیا کفر اللہ کے ساتھ؟ فرمایا نہیں بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ خاوند کے لئے ”کفر ان نعمت“  
 یا احسان فراموشی کرتی ہیں، اگر تم ان کے ساتھ عمر بھر احسان، سلوک، بھلائی کرتے رہو،  
 اور پھر کسی دن ذرا بھی ان کی طبیعت کے خلاف کچھ ہو جائے تو عمر بھر کے احسان پر پانی  
 پھیرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہیں اور کہہ اٹھتی ہیں کہ میں نے تم سے کبھی بھی کوئی بھلائی  
 نہیں دیکھی۔ حدیث شریف کا حکیمانہ خطاب روز روشن کی طرح بتلا رہا ہے کہ برق نے  
 جن دو حدیثوں کے ساتھ تصادم ثابت کرنے کے لئے اس حدیث کو نقل کیا ہے وہ بھی  
 اپنے محل پر ٹھیک ہیں اور یہ حدیث بھی اپنے محل پر ٹھیک ہے۔ بے شک عورتیں ہر عزت و  
 احترام کی حقدار ہیں۔ عورت بیوی کی حیثیت میں ہو یا ماں کی حیثیت میں یا بہن بیٹی کی  
 حیثیت میں، بہر حال عورت مردوں کے ہر ممکن رحم، کرم، احسان، سلوک، احترام،  
 عظمت کے مستحق ہے۔

یہ ہے تصویر کا ایک رخ

دوسرا رخ عورتوں کی تادیب ہے ان کو امور خانہ داری و حسن معاشرت کی تلقین  
 ہے۔ عورت کو کسی مرد کے ساتھ ”جیون ساتھی“ کی حیثیت میں عمر گزارنی ہے اور ظاہر  
 ہے کہ مطابق فرمان باری تعالیٰ:

الرجال قوامون علی النساء۔ (مرد عورتوں پر حاکم ہیں)

آیت قرآنی کے تحت مرد کو عورت پر فوقیت حاصل ہے۔ اب نبھاؤ کی صرف یہی ایک  
 صورت ہے کہ عورت و فادارانہ زندگی گزارے، مرد کے احسان و سلوک کا اعتراف کرے،

مرد کے لئے ”راحت“ یعنی ہر ممکن کوشش کرنے، مگر مشاہدہ ہے کہ بیشتر مستورات مردوں کے ہر ممکن سلوک کے باوجود بھی ”اخیان فراموشی“ سے مرد کی خانگی زندگی کو دوزخ بنائے رکھتی ہیں۔ حدیث ہذا کا مقصد ایسی ہی عورتوں کی تادیب و اصلاح ہے۔

۱۔ ہمارے انصاف پسند ناظرین بتلائیں کہ ہر دو قسم کی احادیث میں خواہ مخواہ تصادم پیدا کرنے کی ناپاک سعی کرنا اپنی حدیث دشمنی و ذہنیت کا مظاہرہ کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟

آگے مزید ”گل افشانی“ ملاحظہ ہو: برق صاحب سے غالباً کسی ”خناس“ نے پوچھا ہوگا کہ حضرت آخریہ حدیث کیوں تراشی گئی؟ جواباً برق اپنی ”برقی“ بازی یوں جھاڑتے ہیں:

اصل بات یہ ہے کہ حدیث تراشوں کی اکثریت ملاؤں پر مشتمل تھی سنت،

تنبہ کار، نا اہل، نہ کھانے کو روٹی، نہ پینے کو کپڑا ان کے ازدواجی تعلقات اکثر ناخوشگوار ہوا کرتے تھے، گھر میں سداؤں کا فساد رہتا تھا، اس لئے ملائے تنگ

آ کر اس طرح کی احادیث تراشا شروع کر دیں۔ (اسلام ص ۳۰۸)

ناظرین بغور ملاحظہ فرمائیں کہ زعنوف کا شیطان فرعونیت کا اہلیں حضرت کے ”دماغ“ کو کہاں سے کہاں لیجا رہا ہے اور حدیث تراشی کی وجہ بیان کرنے کے لئے آپ ”ملا“ کی تذلیل و توہین کرتے ہوئے کسی ناپاک ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

تعلیم قرآنی ”والذین ہم عن اللغو معوضون“ ایمان والے وہ ہیں جو لغویات پر توجہ نہیں دیا کرتے کے ماتحت ہم ان برقی ہزلیات کو قابل جواب نہیں جانتے اس لئے کہ ایک بڑے بہت فلسفی کی یہ نصیحت ہمارے سامنے ہے۔

دشنام اگر تہذیب جیسے ☆ چارہ اجنبود۔ بجز تشنیدن نہ آب

گر پائے کے گئے گزیدہ ☆ باسگ پیو ان معوض گزیدن

یعنی کوئی خسیس دشنام بازی پڑا تو آئے تو شریف انسان کو صبر ہی کرتا پڑتا ہے، اس لئے کہ کتے کو بدلتے میں کاٹنا نہیں جاسکتا۔

عورت اور مرد کی ازدواجی زندگی کا اہم مقصد قدرت کے تخلیق انزانون کو وجود میں

لانا ہے، اگر ازدواجی زندگی اسی ”ماحول“ میں گھوم رہی ہے تو میاں بیوی کے تعلقات خوشگوار رہتے ہیں اور اگر اس میں کچھ فرق آ رہا ہے تو رفتہ رفتہ یہ فرق ازدواجی تعلقات کے انتہائی بگاڑ تک پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک نے مرد کے سامنے جو انتہائی سزا ایک ”نافرمان“ عورت کے لئے رکھی ہے اس پر ذرا غور کیجئے۔ قرآن پاک کا بیان یہ ہے:

وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهنِ فَعُظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ . (سورہ نساء) جو عورتیں اپنی نافرمانیوں سے باز نہ آئیں اور ہر وقت تم کو ان کی ”نافرمانی بد خوئی“ کا ہی خطرہ رہے ان کو پہلے نصیحت کرو سمجھاؤ اور پھر بھی اگر وہ باز نہ آئیں تو ان کے لئے سزا یہ ہے کہ بستروں میں ان کو علیحدہ تنہا چھوڑ دو۔

عورت کے لئے مرد کی طرف سے یہ آخری سزا اپنے جو عورت کے لئے ناقابل برداشت ہو سکتی ہے۔ پھر اگر خدا نخواستہ کسی عورت کی نافرمانی کا یہ عالم ہو کہ وہ خود یہ سزا ”خاوند“ کے لئے تجویز کرنے اور اس کی اطاعت پر کسی بھی صورت میں تیار نہ ہو تو وہ عورت نہ صرف خاوند کو تکلیف دے رہی ہے بلکہ قدرت کے مقصد تخلیق سے کھلے بندوں بغاوت کر رہی ہے جو قدرت کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے اور قدرت ایسی عورت کو سزا دیتی ہے سخت ترین سزا۔ اسی مضمون کو حدیث ذیل میں یوں تعبیر کیا گیا ہے:

اِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَةً اِلَى فِرَاشِهِ فَابْتَغَتْ اَنْ تَجْعَلَ لِعَيْنِهَا الْمَلَائِكَةَ حَتَّى تَصْبَحَ . (بخاری جلد دوم ص ۷۸۲)

جس عورت کی نافرمانی بد خوئی کا یہ عالم ہو کہ وہ بغیر کسی عذر شرعی کے کھلے بندوں اپنے خاوند کے بستر پر آنے سے انکار کر دے وہ یقیناً فرشتوں تک کی لعنت کی مستحق ہے۔ (کہ اس نے نہ صرف اپنے ”جیون ساتھی“ کے ساتھ غدا رزی کی، بلکہ قدرت کی طرف سے جو مقصد حیات اس کو دیا گیا تھا اس کو بھی اس نے فراموش کر کے رکھ دیا)

کس قدر حکیمانہ وعظ ہے جو اس حدیث کے ذریعہ حکیم الکائنات، فخر موجودات جناب سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا ہے۔ صدق فداہ ابی وامی۔ مگر



ازلی قسمت“ کے ماتحت یہ حکیمانہ وعظ ہمارے برق کو پسند نہیں۔ برق ڈاکٹر ہے مگر عورت کا یہ جرم اس کے نزدیک اتنا اہم نہیں کہ اس کے لئے اتنی بڑی سزا تجویز کی جائے۔

ملا کو کونسا آسان ہے مگر آئے دال کا بھابھا جب معلوم ہو کہ ایسے ناقابل برداشت ”خانگی کوائف“ سے ہمارے منکرین حدیث صاحبان کو مسلسل دو چار ہونا پڑے تب معلوم ہو کہ اس حدیث کے ذریعہ حکیم الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت اور فلسفہ کی عقدہ کشائی فرمائی ہے۔ ہاں وہ محترمات“ ضرور مجبور تصور کی جائیں گی جن کے میاں مثلاً کوئی ڈاکٹر ہوں جو چیر پھاڑ کرتے کرتے انتہائی سنگدل بن گئے ہوں یا اخلاق بد کا تقصن ان کے رگ وریشہ میں پیوست ہو گیا ہو یا فرعون کی رعوبت نے اس کی انسانیت ہی کو ختم کر دیا ہو یا اس کے کپڑوں سے استعمال ”کلورافارم“ کا تقصن دماغ کو چکرا دینے والا موجود ہو یا کوئی ایسا بوجھ اپنی پریکٹس کی بنا پر مہینوں بھی وضو اور مسواک کے لئے وقت نہ ملتا ہو۔ الغرض کسی معقول اور شرعی عذر کی بنا پر جو عورت خواہ وہ ملائے گھر میں ہو یا کسی ڈاکٹر و باپو کے گھر میں۔ اظہار معذرت کر دے تو وہ یقیناً اس حدیث کے تحت نہیں آسکے گی۔

ہاں ”برق صاحب“ ذرا یہ بھی تو فرما دیجئے کہ کیا کہنا اس قرآنی تعلیم کا جس میں

عورت کے لئے انتہائی سزا یہ تجویز کی گئی کہ ان کے پاس ہونا ترک کر دوں گے۔

کہندے تھے کہ یہ قرآنی آیت بھی کسی ”ایسے ہی کوتاہ نظر“ ملا کا اضافہ ہے جس کو

رات دن عورت کے پاس ہونے ہی کا فکر تھا اور اس کے دماغ میں عورت کے لئے سزا

تجویز ہوئی تو یہی کہ اس کے پاس ہونا ترک کر دوں گے۔

”برق صاحب! سنئے۔“

جس گھر پہلے ہو رہی ہیں ترقی ”برق پاشیاں“

یہ سوچ لے وہ گھر کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو۔

یہ سوچ لے وہ گھر کہیں تیرا ہی گھر نہ ہو۔

## درخت کاٹنا

اس سرخي کے ماتحت برق نے پہلے حدیث ذیل کو نقل کیا ہے:

جب حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے عہد خلافت میں یزید بن سفیان کو ایک فوج کا سالار بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو ساتھ ہی مندرجہ ذیل ہدایات بھی دیں:

”کسی عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، کوئی پھل والا درخت نہ کاٹنا، کوئی عمارت نہ گرنانا، کسی اونٹ یا بکری کو ذبح نہ کرنا، ہاں کھانے کے لئے ضرورت پڑنے تو اجازت ہے اور کسی درخت کو ہرگز نہ جلانا۔“

(موطاء امام مالک ص ۹۸) (دوا اسلام ص ۳۱۰، ۳۱۱)

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

لیکن بخاری میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے بنی نضیر کے کچھ درخت جلادینے تھے۔

اور کچھ کاٹ کر رکھ دیئے تھے۔ (بخاری جلد ۲ ص ۳۱)

آگے نتیجہ یوں پیش کیا جاتا ہے:

ہم یہ کیسے تسلیم کر لیں کہ جو رسول کائنات کے لئے رحمت بن کر آیا تھا، جو

بڑے بڑے دشمنوں کے گناہ بن کہے بخش دیتا تھا وہ بنی نضیر کے مقابلہ میں

اس قدر سنگدل ہو گیا تھا کہ ان کے درختوں کو کاٹا اور جلاتا پھرتا تھا..... اس

لئے یہ حدیث قابل اعتماد نہیں۔ (دوا اسلام ص ۳۱۱)

برق کی غلط فہمی ہم رفع کر سکیں یہ ناممکن ہے۔ مگر اپنے ناظرین باتمکین کو اصل

حقیقت سے واقف کرانے کے لئے بنی نضیر کا ہم پورا واقعہ متعلقہ نقل کئے دیتے ہیں۔

کتب تفاسیر و سیر کا بیان ہے:

ذلک ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما نزل بنى قريظة و

بنی النضیر و تحصنوا بحصونہم امر بقطع نخیلہم و اجراقہا  
فجزع اعداء اللہ عند ذلک الخ (بیضاوی، بغوی وغیرہ)

یعنی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی روزِ روز کی مفسدانہ باغیانہ سرگرمیوں کے ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا تو یہ قبائل اپنے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے اور کسی تدبیر سے بھی مقابلہ کے لئے باہر نہ نکلے بلکہ قلعہ کی بلندی سے تیر اور پتھر برساتتے رہے اور محاصرین کو قریب نہ آنے دیا اس لئے مسلمانوں نے ان میں گھبراہٹ پیدا کرنے کے لئے (پرانی اور ناکارہ) کھجوریں کاٹا اور جلانا اور آگے بڑھنا شروع کیا اس طرح پر وہ ”پیشگوئی“ پوری ہوئی جو ”استثنا ۲۰/۲۰ میں درج تھی“ مگر ان درختوں کو جو تیری دانست میں کھانے کے واسطے کام کے نہ ہوں خراب کر اور کاٹ ڈال اور اس شہر کے مقابل جو تجھ سے لڑتا ہے برج بنا جب تک وہ تیرے قابو میں آوے۔

یہ ناکارہ درخت جنگی چال اور وقتی مصلحت کی بناء پر اللہ کے حکم سے کاٹے گئے۔ خود قرآن میں یہ ذکر تفصیل کے ساتھ ان لفظوں میں موجود ہے: ما قطعتم من لينة او ترکتموها قائمة علی اصولها فباذن اللہ الایۃ (سورہ حشر) جو بھی کھجوریں تم نے کاٹی ہیں یا جن کو تم نے ان کے حال پر چھوڑ دیا ہے یہ کاٹا اور چھوڑنا سب کچھ ہمارے ہی حکم کے تحت ہوا ہے اور اس مقصد کے تحت کہ ”حد سے گزرنے والوں“ کو زیادہ سے زیادہ ذلیل و رسوا کیا جائے۔

اس آیت کی روشنی میں بخاری شریف کی اس حدیث کو ملاحظہ کیجئے جس کو برق نے تحتہ مشق بنایا ہے، مگر تعجب ہے کہ برق کو ”حدیث دشمنی“ کی بیماری نے اتنا خراب کر ڈالا ہے کہ حدیث پر حملہ کرتے کرتے وہ قرآن پاک پر بھی ہاتھ صاف کر رہا ہے! ہاں تو برق صاحب؟ فرمادیجئے کہ ہم قرآن کے اس بیان کو کیسے صحیح تسلیم کر لیں کہ جو رسول قرآنی بول اچال میں ”رحمة للعالمین“ کے نام سے موسوم کیا گیا تھا وہ بنو نضیر کی کھجوروں کو بھی کاٹ سکتا تھا اور پھر اپنے اس فعل کو وہ ”باذن اللہ“ سے تعبیر کر لیا تھا۔ لہذا

قرآن کا یہ بیان بھی کسی ”بلا“ کا اضافہ ہے، پس یہ آیت بھی قابل اعتما نہیں۔ افسوس  
صد افسوس برق صاحب اسے

نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری ”افتنہ بازی“ کو  
بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم سے ”رقیہ کر“ پہلے

آگ سے عذاب دینا

الہی سرخی کے تحت ”برق“ نے بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۱۳ کے حوالے سے ایک  
حدیث نقل کی ہے جس میں آگ کے ساتھ کسی کو عذاب دینے سے منع کیا گیا ہے۔ شکر  
ہے کہ اس حدیث کو آپ صحیح تسلیم فرماتے ہیں اس کے مقابلہ میں آپ نے اس واقعہ کو  
لا کر رکھا ہے جو بخاری شریف جلد ۲ ص ۱۱۳ میں مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے  
چند غداروں کو جو دھوکہ سے مسلمان بن کر اور بیمار ہو کر سرکاری اونٹنیوں کا دودھ پانی کر  
تندرست ہونے کے بعد چرواہوں کو قتل کر کے اونٹنیوں کو لٹکر بھاگ گئے تھے۔  
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تعاقب کرایا اور گرفتاری کے بعد ان کے بھی ہاتھ  
پیر کائے گئے۔ لوہے کی گرم سلاخیں ان کی آنکھوں میں ڈالی گئیں اور ان کو گرم ریت پر  
پھینک دیا گیا جہاں وہ ٹپ ٹپ کر مر گئے۔

برق اس حدیث کو وضعی قرار دیتے ہیں، حالانکہ حدیث عقلاً و نقلاً بالکل صحیح ہے۔  
اصل واقعہ یہ ہے کہ جس کو ہم ڈاکٹر عبدالکیم ایم، بی کی، دی پر افٹ اینڈ اسلام (اردو  
ایڈیشن) سے نقل کرتے ہیں۔

آٹھ لٹیرے بد ووں کی شرارت

چند لٹیرے بد ومرض طحال میں مبتلا ہو گئے تھے، ان کی تلیاں اس قدر بڑھ گئی تھیں  
کہ لوٹ مار کے ناقابل ہو گئے تھے وہ مدینہ میں آئے اور اظہار اسلام کیا، نبی صلی اللہ  
علیہ وسلم نے ان کو یہ مشورہ دیا کہ باہر چراگاہ میں جہاں ہماری اونٹیاں رہتی ہیں وہاں

جنا کر رہیں اور اونٹنیوں کا دودھ پیا کریں، جب ان کی تلیاں اچھی ہو گئیں اور طاقت بحال ہو گئی تو ساتھ ہی غارت گری کا جذبہ بھی زندہ ہو گیا انہوں نے چرواہے کے ہاتھوں اور پٹاؤں کو کاٹ دیا۔ اس کی آنکھوں زبان اور ہونٹوں میں سولیس (یعنی کانٹے) چبھو دیں اور نہایت وحشیانہ طریق پر ان کو مار کر تمام اونٹ لے کر فرار ہو گئے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ناشکری اور سخت بدذاتی کی اطلاع ملی تو آپ نے بیس سوار ان کے پیچھے دوڑائے جو ان کو گرفتار کر کے، مشکیں باندھ کر معہ اونٹوں کے مدینہ کو لے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے ہاتھوں اور پٹاؤں کو مخالف سمتوں سے قطع کر دیا اور ان کی آنکھوں کو سرج گرم لوہے کی سلاخوں سے داغ دلوا دیا، بعد میں اس قسم کی تیز ہر موقوف کی گئی۔ (النبی والا سلام ص ۴۰۹، ۴۱۰)

قرآن مجید میں ”قصاص“ کی تفصیلات میں صاف موجود ہے: **إِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالنَّافِ وَالْأَذْنَ بِالْأَذْنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ** (سورہ مائدہ) جان کے بدلے جان نارو، آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دو، ناک کے بدلے ناک کاٹ دو اور کان کے بدلے کان کاٹ دو، اور دانت کے بدلے دانت توڑ دو۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

**وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (سورہ بقرہ) اور اے عقل والو! اس ”قصاص“ ہی میں بنی نوع انسان کی زندگی کا راز پوشیدہ ہے۔ الغرض وہ بطور ”قصاص“ لے، ایک وقتی تیزیر تھی جو ان لٹیروں کو دی گئی جس سے مقصود آئندہ کے لئے ایسے دوسرے مفسدہ پردازوں کو مرعوب کرنا تھا تاکہ امن و امان قائم رہے اور ایسے لٹیروں کا ظلم پھر سر نہ اٹھاسکیں۔ اور قرآن مجید کے ”قانون قصاص“ کی تعمیل بھی ہو جائے۔ یہ ہے حقیقت اس پر برق کا یہ لکھنا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا مغلوب الغضب قسم کے انسان تھے جو جذبات کی رو میں بہ جاتے تھے“ (دوا سلام ص ۳۱۳) نہ صرف قرآنی ”قانون قصاص“ کے خلاف اعلان بغاوت ہے بلکہ حدیث دشمنی کا ایک نہایت ہی ”گھناؤنا“ مظاہرہ بھی ہے۔ یہ خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد

### کیا گھوڑا منحوس ہے؟

احادیث میں بعض جگہ اجمال ہے بعض جگہ تفصیل کسی مجمل حدیث کو لیکر اس پر اعتراض ٹھوک دینا ان ہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو لا تقربوا الصلوٰۃ کے تحت نماز کے قریب بھی نہ جائیں اور انتم سکاربی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔

بے شک بخاری شریف میں حدیث ہے: ”انما الشوم فی ثلاثة فی الفرس والمرأة والدار“ مگر اس کے بالکل متصل ہی اس مجمل حدیث کی شرح یوں موجود ہے: قَالَ اِنْ كَانَ فِي شَيْءٍ فَعَلِي الْمَرْأَةِ وَالْفَرَسِ وَالْمَسْكَنِ. یعنی اگر نحوست کا کوئی جود ہوتا تو وہ عورت یا گھریا گھوڑے میں پائی جاتی، مگر نہ نحوست کا کوئی وجود ہے اور نہ وہ کسی چیز میں پائی جاتی ہے۔ حدیث بالا کی شرح حضرت عائشہؓ کے لفظوں میں یوں ہے: قَالَتْ اِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ اِنَّ الطَّيْرَةَ فِي الدَّابَّةِ وَالْمَرْأَةَ وَالْدارَ ثُمَّ قَرَأَتْ مَا أَصَابَ مِنْ مَصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا. انتہی کلام الخطابی یعنی آپ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمایا کرتے تھے کہ جاہلیت والوں کا یہ قول ہے: نحوست جانور میں عورت میں اور گھر میں ہوتی ہے۔ پھر عائشہؓ نے جاہلیت والوں کے اس غلط خیال کی تردید کے لئے اس آیت کو پڑھا: جس کا مطلب یہ کہ زمین پر جس قدر مصیبتیں وجود میں آتی ہیں یا تمہارے نفوس میں تم کو پہنچتی ہیں وہ سب وجود میں آنے سے پہلے ہی ہماری کتاب تقدیر میں لکھی ہوتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو

واضح کیا گیا مگر ”برق صاحب“ کو حقیقت سے کیا واسطہ ان کو تو حدیث پر اعتراض ٹھوکنا اور پھر اس کے اوپر ”مزلیات“ کا طومار باندھنا؟ گویا برق صاحب نے تو قسم کھائی ہوئی ہے کہ یہ ”ہرچہ آید در گھسیٹم گیر گھسیٹ گھسیٹ“ کی بات ہے۔

نماز میں بھولنے کی وجہ

اذان کی فضیلت میں یہ حدیث بخاری شریف میں وارد ہے کہ اذان کی آواز سن کر شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے۔ بعد میں آکر نمازی کے دل میں وسوسے ڈالنے کی ناپاک کوشش میں مصروف ہو جاتا ہے۔

شیطان ایک مستقل وجود کی شکل میں قرآن اقدس سے ثابت ہے اور یہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہے کہ شیطان نے انسانیت کو ہر ممکن کوشش سے گمراہ کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔ ملاحظہ ہو آیت ذیل:

”فَعَزَّزْتُكَ لَا غَوْلِيَهُمْ اَجْمَعِينَ“ اے خدا تیری عزت کی قسم ان سب انسانوں کو گمراہ کرنے کی پوری پوری کوشش کرتا رہوں گا۔ پھر یہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہے: اِنَّهٗ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيْلَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (سورہ اعراف) شیطان اور اس کا قبیلہ تم کو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھ پاتے۔

بخاری شریف کی حدیث بالا پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اعلم ان من فضائل الاذان انه من شعائر الاسلام و انه شعبة من شعب النبوة لانه حث على اعظم الاركان و ام القربات ولا يرضى الله ولا يغضب الشيطان مثل ما يكون في الخير المتعدى و اعلاء كلمة الحق وهو قوله صلى الله عليه وسلم اذا نودي للصلاة ادبر الشيطان له ضراط الخ (مختص حجة الله البالغة) یعنی اذان شعائر اسلام اور نبوت کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جس کے ذریعہ سے اس چیز کے لئے رغبت دلائی جاتی ہے جو ارکان

اسلام کا اہم ترین رکن یعنی نماز ہے جو قرب خداوندی حاصل کرانے والے عملوں کی جڑ ہے، اللہ کی رضا کا بہترین ذریعہ اور شیطان کی ناراضگی و تکلیف یابی کا سب سے بڑا سبب اذان ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول: اذنا فودی للصلوة اذبر الشیطان میں اسی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے کہ اذان کی آواز سر شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔

یہ تو تھی اصل حقیقت، مگر برقی طبعیتوں کے لئے شیطانی وساوس کا جال چونکہ ہمہ وقت پھیلا ہوا ہے اس لئے اس حدیث پر بھلا منکرین حدیث کیسے خاموش رہتے۔ چنانچہ ہمارے برق صاحب نے بھی اس حدیث پر چلتے چلا تے اپنی ”برقیات“ کو جھاڑ دیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

شیطان کا اذان کی عربی عبارت سے گھبرانا..... ایک ایسی منطق ہے جو شاید کسی عقلمند کی سمجھ میں کبھی نہ آئے۔

آگے آپ کی ”منطق“ مزید یوں چلتی ہے:

یہ تو فرمائیے اگر نماز میں بھول صرف شیطانی تسلط کی وجہ سے ہوتی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیوں بھول جایا کرتے تھے؟ بخاری کتاب الصلوٰۃ میں پوری چھ احادیث اس موضوع پر موجود ہیں کہ حضور ﷺ فلاں نماز میں بھول گئے تھے اور اس بھول کی تلائی سجدہ سہو سے کی تھی۔ کیا شیطان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی تسلط پاسکتا تھا؟ (دوا اسلام ص ۳۱۵)

برق صاحب کی یہ ساری منطق ”بھول صرف شیطانی تسلط کی وجہ سے“ کے ایجاد کردہ کلمہ حصر پر مبنی ہے۔ کیا ناظرین بتلا سکتے ہیں کہ حدیث بخاری میں یہ ”حصر“ پایا جاتا ہے؟ جب یہ حصر وہاں نہیں تو برق کو کیا حق ہے کہ حدیث کے ترجمہ میں تحریف کر کے اس پر اپنی وہی منطق کی دیوار قائم کریں؟ بھول کے لئے دیگر وجوہات بھی ہوتی ہیں۔ ”الانسان مرکب من الخطاء والنسیان“ مسلمہ نظریہ ہے۔ قرآن پاک آدھ



کے ذکر میں ”فنی“ (سورہ طہ) موجود ہے کہ آدمؑ نسیان میں مبتلا ہو گئے۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بشری ”بھول“ پر فرمایا تھا کہ: انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون (مشکوٰۃ شریف) بشری خاصاً ان میں سے اندر بھی اسی طرح ہیں جیسے تمہارے اندر ہیں، پس جس طرح تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جایا کرتا ہوں۔ ایسے موقعوں پر مجھے یاد دلایا کرو۔

ایک حدیث میں ایسے آدمی کا ذکر ہے جو رات بھر سوتا رہا اور صبح دن چڑھنے تک بھی بسترے سے کھڑا نہ ہوا۔ شارع علیہ السلام اس کی اس عادت قبیح کو باتیں طور ”تعبیر“ فرماتے ہیں کہ ”یہ ایسا آدمی ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے۔“ (بخاری شریف) ما زال نائماً حتیٰ أصبح. ما قام الی الصلوٰۃ قال ذلک الخ (مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

دوسری حدیث ایک سفر جہاد سے متعلق ہے، جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مجاہدین ساری رات بیدار سفر کرتے رہے اور فجر کے وقت ذرا آرام لینے کی غرض سے ایک جگہ ”پڑاؤ“ ڈال دیا۔ ایسی محنت و مشقت کے بعد اور پھر صبح کا ٹھنڈا سہانا وقت سب مسلمانوں پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سو گئے اور اتفاق سے سب کی آنکھیں اس وقت کھلیں کہ کافی سورج سر پر آ گیا تھا، چنانچہ بیداری پر دن چڑھے فجر کی نماز پڑھی گئی۔

اس حدیث میں جس ”کیفیت“ کا ذکر ہے اس کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے پچھلی حدیث (جس میں شیطان کے پیشاب کر جانے کا ذکر ہے) سے اس کے تصادم کا ”وہم“ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں ایک غفلت زدہ رات بھر سونے والے اور صبح دس بجے تک بھی بستر راحت کو نہ چھوڑنے والے ”دشمنِ صحت“ انسان کا ذکر ہے اور اس حدیث میں ایک وقتی غفلت کا ذکر ہے جو معقول وجہ کی بناء پر مسلمانوں کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گئی، مگر ”ہرچہ آید در کھسیم“ کے تحت برق

اس پر بھی اپنی برق بازی کو جھاڑتا ہے: کیا حضورؐ کے دن چڑھے تک سوئے رہنے کی وجہ بھی وہی تھی جو اوپر والی حدیث میں دی ہوئی ہے۔ (دوا سلام ص ۳۰۶)

حدیث دشمنی میں منکرین حدیث کا دماغ اس قدر ماؤف ہو گیا ہے کہ ان کی ”ہزلیات“ پر توجہ دینا درحقیقت ”وقت ضائع کرنا“ ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ دنیا میں لوگ حقائق سے ہٹ کر ”ہزلیات“ کے دام میں جل پھنس جاتے ہیں، اس لئے دل و دماغ پر جبر کر کے قلم ہاتھ میں لینا پڑتا ہے ورنہ سنہ ۱۹۷۱ء آئین کے بقدر آن و خبر زد نہ رہی

اینست جوابش کہ جوابش نہ دی

تعظیم قبلہ

برق کو سمجھنا ناممکن نہیں، مگر ناظرین سے ہم درخواست کریں گے کہ وہ غور کریں جن احادیث میں ”برق“ تضاد پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے ان میں سے ایک ذکر ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص قضاے حاجت کے لئے بیٹھے تو وہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ۔

(بخاری جلد ۱ ص ۲۸)

ظاہر ہے کہ قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ اس ہی حالت میں ہونگے کہ درمیان میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ پس یہ حدیث ایسے ہی موقعہ کے لئے ہے۔ دوسری حدیث جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کی طرف قضاے حاجت کا ذکر ہے وہ اس ”کیفیت“ سے متعلق ہے کہ آپ مکان میں تھے اور آپ کے درمیان اور قبلہ کے درمیان دیوار حائل تھی۔

چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”التبیر زفی البیوت“ مکانوں میں بنے ہوئے ”بیت الجلا“ میں قضاے حاجت کرنا“ سے تعبیر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ

روایت و درایت کے اصولوں سے دونوں اجادیت صحیح ہیں۔ کھلی ہوئی جگہ میں قضاے حاجت کے وقت قبلہ کو منہ یا پیٹھ کرنا منع ہے اور مکانات میں جائز ہے۔ افسوس کہ برق کی یہ کوشش بھی ”ہیاء منشورا“ ہوگئی۔

کیا احرام میں شکار کا گوشت جائز ہے؟  
حالت احرام میں شکار کرنا اور پھر اس کا گوشت استعمال کرنا محرم کے لئے قطعاً ممنوع ہے۔ قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت اس بارے میں شاہد ہے۔  
و حرم علیکم صید البر ما دمتم حرماً۔

جب تک تم حالت احرام میں ہو جنگل کا شکار تمہارے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔  
یہی مضمون مسلم شریف کی صعب بن جنامہ والی روایت میں وارد ہوا ہے کہ احرام میں شکار کا گوشت کھانا ناجائز ہے۔ برق نے اس حدیث سے تصادم پیدا کرنے کے لئے جس روایت کا ”غلط سلط“ ترجمہ پیش کیا ہے وہ روایت ہم پوری نقل کرتے ہیں تاکہ مگرین حدیث کا ”دجل“ ہمارے ناظرین پر واضح ہو جائے۔

عن ابی قتادۃ قال کنت یوما جالسا مع رجال من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منزل فی طریق مکہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامنا والقوم محرمون و انا غیر محرم عام الحدیثۃ فابصروا حمارا وحشیاء و انا مشغول اخصف نعلی فلم یؤذنونی واحبوا لوانی ابصرته فالتفت فابصرته فقمتم الی الفرس فاسرحتہ ثم رکبت و نسیت السوط و الرمح فقلت لہم ناولونی السوط و الرمح قالوا واللہ لا نعینک علیہ ففیضت فزلت فاخذتہما ثم رکبت فشدت علی الحمار فعمرتہ ثم جئت بہ و قدمات فوقعوا فیہ یا کلونہ ثم انہم شکوا انی اکلہم ایاہ و ہم حرم فیرحبنا و خیات العضد معی فادرکنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فسالناه عن ذلك فقال اهل منعكم منه شيء فقلت نعم فناولته العصد. الخ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۹)

حضرت ابو قتادہؓ کہتے ہیں کہ سالِ حدیبیہ کے سفر میں ایک پڑاؤ پر ہمارا قیام تھا، سب لوگ احرام باندھے ہوئے تھے اور میں ”غیر محرم“ تھا، لوگوں نے جنگ میں ایک گور خرد یکھا میں اپنی جوتیوں کی مرمت میں لگا ہوا تھا، مجھ کو کسی نے ان میں سے ”محرم“ ہونے کی وجہ سے اس کی اطلاع نہیں کی مگر اچانک میری نظر اس پر جا پڑی اور میں اس کے شکار کے لئے دوڑا، اتفاق سے چلتے وقت مجھے نہ نیزہ یاد رہا نہ کوڑا، میں نے گھوڑے کے اوپر سے ہی لوگوں سے کہا کہ مجھے دید و مگر کسی نے ان میں سے ہاتھ بھی نہیں لگایا بلکہ یہ کہنا کہ قسم خدا کی ہم ہرگز تیری اس بارے میں مدد بھی نہیں کریں گے، مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں نے ان کو مجبور دیکھ کر خود ہی نیزہ و کوڑا لے لیا، پھر میں نے اس گور خرد کو شکار کر لیا۔ اصحابِ کرامؓ نے وہ کھا تو لیا مگر حالتِ احرام کی وجہ سے شک میں پڑ گئے آخر جب معاملہ آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش ہوا تو آپؐ نے پوچھا کہ تم میں سے کسی نے اشارے سے کنایہ سے کسی بھی ممکن طور پر اس کی مدد تو نہیں کی ہے؟ سب بولے نہیں یا رسول اللہ آپؐ نے ان کے اس کھانے کو حلال قرار دے دیا اور خود بھی کھانا شروع کر دیا۔

دونوں حدیثیں اپنے اپنے محل پر ٹھیک ہیں کہ (۱) اگر کوئی غیر محرم شکار کرتے اور محرم کی اس میں کسی بھی قسم کی کوشش کو دخل نہ ہو اور نہ وہ غیر محرم شکاری ”محرمین کو کھلانے کی غرض سے وہ شکار کر رہا ہو، وہ شکار کر کے لائے اور ان شرائط کے ماتحت وہ محرمین کو پیش کر دے تو جائز ہے۔ (۲) اس کے علاوہ کسی صورت میں بھی محرم کے لئے حالتِ احرام میں شکار کا گوشت کھانا جائز نہیں۔

اس واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے میں مشغول ہونے لگے تو جھٹ سے ابو قتادہؓ نے یہ کہہ دیا ”انما اصدقه لک“ حضورؐ میں نے آپؐ ہی کے لئے اسے شکار کیا تھا! آپؐ نے جب یہ لفظ سنا تو فوراً ہاتھ کھینچ لیا اور فرمایا

کہ جب تیری نیت شکار کے وقت ”میرے واسطے کرنے“ کی تھی تو اب میرے لئے یہ جائز نہیں، چنانچہ صحابہ نے تو کھایا اور آپ رکہ گئے۔ اب انصاف پسند ناظرین بتلائیں کہ اس تفصیل کے بعد یہاں کیا تضاد باقی رہا؟

اس حقیقت کے باوجود برق کی برق پاشیاں دیکھئے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں: ایک ہی بات کو اتنی متضاد صورتوں میں پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والا قیامت تک حقیقت کو نہ پاسکے یا اس ہمہ ہمارے ملا ہر طرف سے شور مچا رہے ہیں کہ یہ وحی ہے۔ الخ (دو اسلام ص ۳۱۸)

برق صاحب! بلا شک ثابت شدہ شرعی ارشادات رسولؐ بھی ”وحی“ ہیں۔ آپ کو یہ حقیقت تسلیم نہیں تو آئندہ جب آپ کوئی اور اسلام تصنیف فرمائیں آیت قرآن صا یسطق عن الہوئی کو قرآن پاک سے خارج کرانے کے لئے کوشش کر دیجئے گا۔ جس میں خود قرآن نے نطق رسول کو وحی بتلایا ہے۔

کیا احرام میں خوشبو لگانا جائز ہے؟

بے شک حالت احرام میں خوشبو کا استعمال منع ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کا مطلب یہ ہے کہ میں احرام باندھتے وقت پہلے آپ کو خوشبو لگا دیا کرتی تھی اور جب آپ حلال ہو جاتے تو بھی فوراً خوشبو پیش کرتی۔ مسلم شریف کے لفظ یہ ہیں: طیبیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحزمہ حین احرم ولحله قبل ان یطوف بالبيت میں احرام کے لئے آپ کو پہلے خوشبو لگا دیا کرتی تھی اور حلال ہونے پر بھی اس کے بعد آپ طواف اضافہ کے لئے تشریف لے جاتے۔

بتلائے اب کیا اشکال رہا؟ مگرین حدیث کو اپنی ”ہفوات“ پر ناز ہے مگر

ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق

اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

## کیا رسولؐ نے اللہ کو دیکھا تھا؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو نہیں دیکھا۔ پس ابو ذرؓ کی حدیث سے جو روایت نوراً کے لفظ آئے ہیں اس کی تشریح شرح بخاری میں یوں مروی ہے: راہ بقلبہ ولم یرہ بعینہ ای ان النور حال بین رویتہ لہ ببصرہ۔ (فتح الباری) آپ نے اپنی قلبی آنکھوں کے ساتھ دیکھا اور بصارت انسانی سے نہیں دیکھا، کیونکہ نور آپ کی بصارت اور رویت کے درمیان حائل ہو گیا۔

## شہد والا قصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر کسی خانگی مصلحت کے ماتحت ایک حلال چیز کو استعمال نہ کرنے کا عہد کر لیا تھا اس پر قرآن مجید میں آپ کو یوں مخاطب کیا گیا:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تَحْرُمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتِ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ اے نبی آپ نے خدا کی ایک حلال کردہ چیز کو اپنے لئے کیوں حرام قرار دے لیا؟ آپ اپنی بیویوں کی رضا جوئی کے لئے ایسا کر رہے ہو؟ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ حلال چیز جس کے بارے میں یہ خطاب ہوا کیا تھی؟ اس میں روایات مختلف ہیں چونکہ یہ رسولؐ کے ”گھرانے“ سے متعلق واقعہ تھا، اس لئے مصلحت ایزدی کے ماتحت اس کی تفصیلات میں اختلاف واقع ہو گیا۔ اصولی فہمائش اور اصلاح قرآن مجید میں کردی گئی۔ یہ ضروری نہیں کہ اس کی پوری تفصیلات کو بھی روشنی میں لایا جاتا۔ راویوں میں بعض نے اس کا تعلق حضرت زینبؓ کے گھر شہد کھانے سے بتلایا، بعض نے حفصہؓ کے گھر، بہر حال شہد نہ کھانے کا عہد آپ نے کسی کے گھر میں کسی بھی مصلحت کے ماتحت کیا ہو یا کوئی اور چیز ہو جس کے استعمال نہ کرنے کی آپ نے قسم کھائی ہو۔ قرآن پاک میں اس بارے میں آپ کو ہدایت فرمادی گئی۔ افسوس کہ برق اس بارے میں بھی ”راویوں“ کو مورد الزام قرار دے رہے ہیں اور بڑی دلیری کے ساتھ ان پر حملہ آور

ہوتے ہیں کہ ہمارے راوی یہ نہ بتا سکے کہ حقیقت کیا تھی؟ (دو اسلام ص ۳۲۰) واقعہ کی اہمیت اور پھر اس پر ”تہدید“ برق کو بھی تسلیم ہے؟ پھر عجیب نہیں کل برق یہ بھی کہنے پر آمادہ ہو جائے کہ یہ اتنا بڑا واقعہ تھا کہ اس پر تہدید بھی نازل ہوئی لیکن پھر بھی ہمارا قرآن یہ نہ بتا سکا کہ حقیقت کیا تھی؟ کیا ایسی آیات کو بھی وحی کہا جاتا ہے؟  
 برق صاحب! آپ تو کیوں مانتے لگے؟ مگر یہ حقیقت ہے کہ صحیح احادیث نبوی پر آپ جو بھی حملہ کریں گے اس کی زد و زود یا بدیر قرآن اقدس پر بھی پڑ سکتی ہے۔ افسوس کہ آپ حدیث دشمنی میں ”منکرین قرآن“ کے لئے بھی بحد خطر ناک راستوں کی رہ نمائی کر رہے ہیں! اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ سہرا بھاری فتنہ بازوں کو نہ پہنچا ہے نہ پہنچے گا تمہاری فتنہ بازی کو بہت سے ہو چکے ہیں گرچہ تم نے فتنہ گر پہلے

### شق صدر کا واقعہ

اس واقعہ عظیمہ پر کچھ ”برقی ہنواں“ ہمارے ناظرین پچھلے صفحات میں بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ حدیث دشمنی کے بخارات نکالنے کے لئے جب اور کچھ ”مسئلہ“ برق کو نہ مل سکا تو پھر ”مشق جفا“ کے لئے اسی ”واقعہ“ پر اتر آئے۔ شق صدر میں آپ کے سینے کا شق کیا جانا اور حضرت جبریلؑ کا گھر میں آنا یہ سب ایسے ”واردات“ ہیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ارتقائی پاکیزہ زندگی کی خصوصیات میں بلا تکلیف و بلا تاویل تسلیم کر لینا از روئے قرآن اقدس ہر مومن کا فرض ہے۔ قرآن مجید میں انشراح صدر کا ذکر یوں ہے: ”السم نشرح لک صدرک“ ۱۰ و ذرک ۱۱۔ اے رسولؐ! ہم نے تیرا سینہ کھول دیا اور تیرے بوجھ کو ہلکا کر دیا“ حدیث کے مشہور شارح مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں!

۱۰ انشراح صدر کرنے والا خدا شق صدر پر بھی قادر ہے ۱۱ ازانقر ۱۲

قد وقع الشق له صلى الله عليه وسلم مراراً فعند حلیمة و هو ابن  
عشر سنین ثم عند مناجاة جبرئیل علیہ السلام له بغار حراء ثم فی  
المعراج لیلۃ الاسراء یعنی شق صدر کا واقعہ کئی مرتبہ ہوا ہے۔ ایک تو جب کہ آپ  
دس سال کی عمر میں حلیمہ ذاتی کے ہاں تھے۔ پھر جب جبرئیل اول مرتبہ غار حراء میں آپ  
سے آ کر ملے، پھر معراج کی رات میں۔ اس لئے ہر دفعہ کی جیسی جیسی ”کیفیات“ صحابہؓ  
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہیں بیان کر دی ہیں۔ جن میں حضرت مالک بن  
صعصعہ کا بیان بھی ہے۔ اس واقعہ عظیمہ پر برق کا ”ہزلیاتی بیان“ یوں چلتا ہے:

چھت پھاڑنے کی بھی خوب کہی..... نوری مخلوق کو چھت پھاڑنے کی کیا  
ضرورت تھی جب تک ہمارے علماء داستان میں ڈرامائی رنگ نہ بھر لیں انہیں  
تسلی نہیں ہوتی۔ (دو اسلام ص ۳۲۱)۔

برق صاحب آپ نے بھی خوب کہی۔ نوری مخلوق کا وجود تسلیم کرتے ہوئے پھر  
ان کے کاموں پر آپ کو حیرت زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ افسوس کہ جب تک  
آپ اپنے بیان میں ”ہزلیاتی رنگ“ نہ بھر لیں آپ کی تسلی نہیں ہوتی۔

### خیر النساء کون ہے؟

”بہترائی“ اور سیادت و قیادت عمدہ مراتب ہیں، مگر یہ ضرورت نہیں ہے کہ جو  
انسان بہتر سے بہتر ہو وہ ضرور قائد بھی ہو۔ بخاری شریف ج ۲ ص ۱۶۱ سے جو روایت  
یہاں ”مشق تکذیب“ کے لئے برق نے منتخب کی ہے اس میں صاف یہ لفظ موجود ہیں  
کہ جس طرح ثرید کھانوں کا سردار ہے اسی طرح عائشہؓ تمام عورتوں کی سردار ہیں۔ ظاہر  
ہے کہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ کا جتنی عورتوں کے لئے سردار ہونا بیان کیا گیا  
ہے۔ دوسری روایت بخاری شریف کے حوالہ مذکور سے برق نے یہاں نقل کی ہے، اس  
میں صاف یہ لفظ ہیں کہ میری امت میں بہترین عورت خدیجہ الکبریٰ ہیں۔ اس حدیث





## انیسواں باب

### چند دلچسپ احادیث

دشمنی عداوت ایسی چیز ہے جو انسان کو مسلوب العقل بنادیتی ہے، قرآن پاک نے اسی لئے مومنین کو نصیحت کی ہے کہ: لا یجر منکم شأن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ۔ کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے عدل کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ”عدل“ بہت ضروری ہے۔ اس باب کے ذیل میں برق نے علی الاطلاق احادیث پر دلچسپی کا سین بورڈ لگا کر اپنی ”احادیث دشمنی“ کا مزید ثبوت پیش کیا ہے اور پھر اس سلسلے میں حق و انصاف سے ہٹ کر ”عقلی توازن“ کا جو دوالہ نکالا ہے وہ نہایت قابلِ رحم ہے۔ بہر حال ”فکر ہر کس بقدر ہمت اوست“ کے تحت ہمیں برق سے شکایت نہیں بلکہ ہم آپ کو معذور جان کر اور آپ کی ”ہزلیات“ کو نظر انداز کر کے صرف احادیث کا صحیح مفہوم بتانے کی کوشش کریں گے تاکہ ناظرین سمجھ لیں کہ ”برق“ نے بات کا ”بتنگلو“ بنانے کے لئے کس قدر ناکام ہاتھ پیر مارے ہیں۔

### سجدہ آفتاب

قرآن مجید میں اللہ پاک نے فرمایا ہے: والشمس تجری لمستقر لہا ذلک تقدیرا العزیز العلیم ۵ یعنی سورج اپنی جائے قرار پر پہنچنے کے لئے چلتا ہے یہ غالب جاننے والے کا مقرر کیا ہوا نظام ہے۔ سورج کی اس گردش کا بیان خود برق نے اپنی کتاب دو قرآن ص ۹۵ پر دیا ہوا ہے، آپ کے لفظ یہ ہیں:

”سورج ایک مستقر کی طرف محور حرکت ہے“

بالکل اسی حقیقت کو بخاری شریف کی اس حدیث میں آشکارا کیا گیا ہے جس کو برق نے یہاں ”مشرق بکذیب“ کے لئے منتخب کیا ہے۔ حدیث کا ماحصل یہ ہے کہ سورج ہر غروب کے وقت عرش الہی کے نیچے سجدہ ریز ہو کر اپنے ”مشرق“ پر طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ حدیث کے اصل لفظ یہ ہیں: **فَانْهَازُ تِلْكَ الْجَنَّةِ فِي النَّارِ فَتَسْجُدُ تَحْتَ الْغُرُشِ فَتَسْتَأْذِنُ فَيُؤْذِنُ لَهَا** (مشکوٰۃ شریف ص ۲۷۲) چنانچہ اذن الہی سے وہ مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

### برقی گپ

اس حدیث کا ترجمہ پیش کرتے ہوئے برقی گپ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں: سورج بعد از غروب خدائی تخت (عرش) کے نیچے سجدے میں گر جاتا ہے رات بھر اسی حالت میں پڑا ہوا دوبارہ طلوع ہونے کی اجازت مانگتا رہتا ہے۔ (دوا سلام ص ۳۲۳)

خط کشیدہ الفاظ حدیث میں کہیں بھی نہیں ہیں۔ برق نے ہزلیاتی دیوار تعمیر کرنے کے لئے ان کا از خود اضافہ کیا ہے اور آپ کے جملہ تنقولات کی بنیاد صرف اسی بناوٹی فقرے پر ہے۔

### سجدہ آفتاب اور قرآن مجید

قرآن پاک میں باری تعالیٰ نے صاف فرمایا ہے۔ **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ - الْاٰیۃ (رعد)** آسمانی اور زمینی جملہ مخلوقات اللہ کو سجدہ کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ سورج بھی مخلوقات میں شامل ہے۔ وہ بھی اللہ کو بالضرور سجدہ کرتا ہے، پس سجدہ آفتاب کو جھٹلانا قرآن مجید کو جھٹلانا ہے۔ ہاں جیسا آفتاب ہے ویسا ہی اس کا سجدہ ہے، کیفیت عبد اللہ۔

### طلوع کے لئے اذن

لا تتحرك ذرة الارض الا باذن الله. بغیر اذن الہی ایک ذرہ بھی حرکت میں نہیں

آتا۔ پس سورج بھی اپنی حرکت اور غروب و طلوع کے لئے اذن الہی کا محتاج ہے۔ وہ کسی بھی خطہٴ ارض پر طلوع ہوتا ہو یا کسی بھی ملک میں وہ ڈوبتا ہوا نظر آ رہا ہو۔ ہر لمحہ ہر آن میں یہ بہر حال ”ذلک تقدیر العزیز العلیم“ کے تحت اذن الہی کا محتاج ہے۔ یہ تمام ایسے روشن حقائق ہیں جن کا انکار ایک صحیح مسلمان کسی حال میں بھی نہیں کر سکتا۔ مگر برق صاحب بڑی دلیری تھے کہ ساتھ ”چوڑی اور سینہ زوری“ کی زندہ مثال یوں پیش کرتے ہیں۔

”دیکھا آپ نے کسی جاہل حدیث تراش نے حضور علیہ السلام کے علم و دانش پر کتنا خوفناک جملہ کیا ہے اگر ہم رات کے دس بجے پاکستان ریڈیو سے دنیا کو یہ حدیث سنائیں اور کہیں کہ اس وقت سورج عرش کے نیچے سجدے میں پڑا ہوا ہے تو ساری مغربی دنیا کھلکھلا کر ہنس دے۔ (دوا سلام ص ۳۲۴)

رات کے دس بجے سورج کا عرش کے نیچے پڑا رہنا حدیث میں کہیں بھی مذکور نہیں ہے۔ لاجالہ برق ایسی جو حدیث دنیا کو سنائے گا وہ بناؤٹی ہی ہوگی۔ پس یقیناً برق کی حدیث تراشی پر ساری دنیا کھلکھلا کر ہنس دے گی۔ آپ کے استاد دجا جملہ مغرب بھی یوں پکارا اٹھیں گے:

شباباش واہ واہ..... مرداں چنیں کنند

## شیطان کا طول و عرض

اس سرنخی کے تحت برق نے شیطان کے طول و عرض کو ماپنے کی بیکار کوشش کرتے ہوئے بخاری شریف کی ایک حدیث پر ”نزلہ“ اتارا ہے۔ حدیث کا مضمون صرف یہ ہے کہ سورج نکلتے اور ڈوبتے وقت نماز سے رک جاؤ، اس لئے کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔

قرآن پاک کی متعدد آیات ہیں جن سے شیطان کا ایک مستقل وجود ثابت ہے۔

جملہ الہامی کتابیں اور سارے انبیاء و رسل کا اس پر اجماع ہے۔ پس شیطان کے وجود سے انکار کرنا قرآن مجید سے انکار کرنا ہے۔ حدیث یزید کی تفسیر میں جناب امام ابن قتیبہ البتونی ص ۲۷۶ فرماتے ہیں: فإراد صلى الله عليه وسلم ان يعلمنا ان الشيطان في وقت طلوع الشمس وعند سجود عبدتها لها مائل مع الشمس فالشمس تجري من قبل راسه فامرنا ان لا نصلى في هذا الوقت الذي يكفر فيه هؤلاء و يضلون للشمس وللشيطان. (تاویل مختلف الحدیث) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ہم کو آگاہ کرنا ہے کہ طلوع شمس کے وقت جب اس کے پجاری اس کو سجدہ کرتے ہیں تو شیطان سورج کی طرف جھکا ہوا ہوتا ہے۔

اور سورج اس کے سر کی طرف سے گزرتا ہے اس لئے ہم کو اس وقت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے کہ اس وقت میں کفار سورج اور شیطان کی پرستش کرتے ہیں۔ امام صاحب مزید تشریح یوں فرماتے ہیں: ولم يرد بالتقرب ما تصوروا في انفسهم من قرون البقر وقرون النشاء و إنما القرن ههنا حرف الرأس وللرأس قرنان اي الحرفان والجانبان یعنی ”قرن“ سے یہاں گالوں اور ٹکریوں جیسے سینگ مراد نہیں ہیں بلکہ یہاں ”سر کی جانب“ کے دونوں کنارے مراد ہیں۔ مولانا علی قاری لغات میں لکھتے ہیں: ”المراد بتقرنيه ناخيتار اسه فانه ينتصب قائما في وجه الشمس ويدلى راسه اليها في وقت الطلوع والغروب الخ“ (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۵۹) اس کے سینگوں سے اس کے سر کی دونوں جانب مراد ہیں وہ طلوع اور غروب کے وقت سورج کے سامنے کھڑا ہو کر اپنا سر اس کی طرف جھکا دیتا ہے تاکہ سورج کو سجدہ کرانے والوں کا سجدہ اس کے لئے ہو جائے پس وہ اسی حرکت سے اپنے اول خوش کر لیتا ہے۔ طلوع اور غروب کے وقت شیطان کی اسی کیفیت کا اس حدیث میں اظہار کیا گیا ہے۔

ترجمہ غلط کیا ہے

”برق نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی حدیث کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ حدیث کے لفظ یہ ہیں: فانها تطلع بين قرني الشيطان. (مشکوٰۃ ص ۲۷۱) سورج شیطان کے دو سیٹگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔ برق اس کا ترجمہ ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں:

سورج بوقت طلوع شیطان کے دو سیٹگوں میں پھنسا ہوا ہوتا ہے۔ (دوا اسلام ص ۳۲۴)

یہ پھنسا ہوا ہونے کا ترجمہ برقی اضافہ ہے، جسے دیدہ دانستہ ہفوات کی دیوار تعمیر کرنے کے لئے ”تصنیف“ کیا گیا ہے۔ حدیث میں پھنسا ہوا ہونے کے لئے کوئی بھی لفظ نہیں ہے۔

لفظ ”بین“ کی تحقیق

”بین“ ظرف ہے بمعنی وسط (دیکھو منجد ص ۵۵) یہ لفظ قرآن پاک کی بہت سی آیات میں استعمال ہوا ہے مگر پھنسنے کا ترجمہ جو برق نے ایجاد کیا ہے آپ کو کسی بھی آیت میں نہیں ملے گا، بلکہ اکثر مقامات پر درمیان ہی کا معنی ہے۔ مثلاً:

لا نفرق بين احد من رسله: رسولوں میں ہم کسی رسول کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

ویریندون ان يتخذوا بين ذلك سبيلاً: یہ لوگ اس کے درمیان میں ایک نیا راستہ پکڑنا چاہتے ہیں۔ يعلم ما بين ايديهم وما خلفهم۔ اللہ پاک بندوں کے آگے پیچھے کے تمام حالات کو جانتا ہے۔ ایسی بہت سی آیات ہیں جن میں ”بین“ کا لفظ آیا ہے۔ اور ہر جگہ درمیان ہی کا مجاورہ ہے۔ بہت سے مقامات پر ”بین“ کا استعمال سامنے کے لئے بھی ہوا ہے، پس یہاں پھنسنے کا ترجمہ بالکل غلط اور برق کا تصنیف کردہ

ہے۔ اسی کھلے ہوئے جھوٹ پر آپؐ نے اپنے مایہ ناز ہفوات کی دیوار تعمیر کی ہے جو یوں چلتی ہے:

سورج کی موٹائی (دس ہزار) ارب میل ہے اگر اتنی بڑی چیز شیطان کے دو سینکڑوں میں سما جاتی ہے تو شیطان کے جسم کی لمبائی کھرب میل ہونی چاہئے۔  
(الخ (دو اسلام ص ۳۲۳)

### ایک سوال

برق صاحب! بقول آپ کے سورج کی موٹائی اربوں میل ہے۔ اتنا بڑا سورج جب آپ بوقت طلوع اس کی طرف نگاہ کرتے ہیں تو وہ سارے کا سارا آپ کی ذرا سی آنکھ کے اندر سما جاتا ہے، حتیٰ کہ آپ اس کے پورے قطر کو دیکھ لیتے ہیں۔ بتلایئے ”ساڑھے بتیس ارب میل“ موٹا سورج آپ کی بالکل چھوٹی سی آنکھ کے اندر کیسے ”پھنس“ گیا؟ امید کہ آئندہ اس سوال پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ یہ ہے منکرین حدیث کا مبلغ علم۔

رند مشرب کم سواد و کم نظر ☆ از رموز علم نبوی بے خبر  
می تراشد ہر زماں از خود منات ☆ مسلم اش گویند قلبش مومنات  
(اقبال قدرے ترمیم کے ساتھ)

### حدیث کا علم الجغرافیہ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: گرمیوں میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت پڑھا کرو، اس لئے کہ یہ شدید گرمی دوزخ کے جوش حرارت کی وجہ سے ہے۔ (مختص بخاری شریف)

حدیث ہذا کے علاوہ دوسری روایت میں بتلایا گیا ہے کہ دنیاوی حرارت اور بڑا دوزخ کے ان ہی دو انسانوں کے نتائج ہیں۔ پس جہاں بھی اوز جس وقت بھی

جس خطہ ارضی پر بھی گرمی کی شدت ہوگی اور اسی طرح سے زمہریہ کا جوش یہ سب اللہ تبارک و تعالیٰ کے پیدا کردہ ”جہنمی مواد“ کے نتائج ہیں۔ خط استوا اور دیگر اقلیم کے گرم و سرد اثرات سب اسی ذیل میں ہیں۔ اب یہ ضروری نہیں کہ روئے زمین پر یہ اثرات یکساں پہنچیں جو حصہ زمین کا اپنے ماحول میں یا اپنے اندر یا اپنے قرب و بعد کے لحاظ سے جیسا بھی ہے قدرت خداوندی کے ماتحت و نیلے ہی اثرات وہاں مرتب ہوتے ہیں۔

بتائیے علم الجغرافیہ سے اس چیز کے ”ٹکراؤ“ کا کیا موقعہ اور محل ہے؟ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے اپنی کائنات میں اپنا عمل قدرت جاری رکھتا ہے۔ قدرت سے یہ سوال کرنا حماقت ہے کہ فلاں خطے کو گرمی کا اتنا حصہ کیوں دیا گیا اور فلاں کو خطہ استواء سے دور کیوں رکھا گیا؟ ایسے سوالات برق ہی کو زیب دیتے ہیں۔ اگر کوئی سوال کر بیٹھے کہ حضرت یہ برقی طبیعت صرف آپ ہی کو کیوں ملی؟ دوسرے کیوں ایسی برقیات سے محروم رہ گئے؟ تو غالباً ان سوالات کا کوئی جواب برق کے دماغ میں نہ ہوگا۔

برق جی! جاپان جیسے علاقوں کی تو یہ زلزلے روز خبر لیتے رہیں اور آپ کے وطن کی طرف سالہا سال بھی رخ نہ کریں؟

امید ہے کہ آئندہ ”تین اسلام“ کی تصنیف کے وقت اس ”انصاف“ کی بھی عقدہ کشائی کریں گے۔

### حدیث کا علم الطب

بخاری و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ اور ابن خزمیہ اور ابن حبان ان جملہ کتب میں یہ حدیث موجود ہے کہ جب مکھی تمہارے برتن میں گر جائے تو اس کو ڈبو دو، کیونکہ اس کے ایک پر میں بیماری ہے اور دوسرے میں شفا ہے۔ امام خطابی فرماتے ہیں: وقد تکلم علیٰ هذا الحدیث بعض من لا خلاق له وقال کیف یكون هذا و کیف یجتمع الداء و الشفاء فی جناحی ذبابة ..... قال و هذا سوال جاہل او



متجاهل۔ (حیۃ الخیوان ج ۱ ص ۳۵۴) یعنی اس حدیث پر ایسے لوگوں نے اعتراض کیا ہے جن کا ایمان اور علم سے کوئی حصہ نہیں۔ ملا وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیماری اور شفا ایک مکھی کے پروں میں جمع ہو جائیں۔ انام خطابی فرماتے ہیں کہ اعتراض ٹھوکنے والا سر اسر جاہل ہے یا جان بوجھ کر جہالت پر کمر باندھ رہا ہے۔ نفس انسانی بلکہ جملہ حیوانات کے نفوس میں قدرت نے حرارت اور برودت اور رطوبت و یبوست کو جمع کر دیا ہے حالانکہ یہ سب متضاد ہیں۔ پس جس ذات اقدس نے مکھی کو عجیب و غریب گھربنانے کا شعور دیدیا اور جس نے اسے بہترین شہد جمع کرنے پر مامور فرمادیا اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس کے ایک پر میں زہر اور دوسرے میں تریاق پیدا کر دیا اور اس کی فطرت میں یہ چیز رکھ دے کہ وہ ایک پر کو نیچے کر دے اور دوسرے کو اوپر کر دے۔ علامہ شیخ کمال الدین دیمیری مؤلف حیۃ الخیوان فرماتے ہیں: وَقَدْ تَأَمَّلْتُ الذَّبَابَ فَوَجَدْتُهُ يَقْبَى بِجَنَاحِهِ الْإِسْرَ وَهُوَ مُنَاسِبٌ لِلدَّاءِ كَمَا أَنَّ الْإِيْمَنَ مُنَاسِبٌ لِلدَّوَاءِ۔ (حیۃ الخیوان ص ۳۵۵ ج ۱) یعنی میں نے بغور مکھی کا مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے بائیں پر کو ڈبوئی ہے اور بیماری کے لئے بایاں پر ہی مناسب ہے جس طرح کہ دایاں پر شفا کے لئے مناسب ہے۔

برق کے خیال میں اس حدیث سے مکھیوں کا چوسنا ثابت ہوتا ہے، اس لئے آپ کی تحقیق میں یہ حدیث کسی مکھی چوس بلا کی ایجاد ہے۔

دروغ گور حافظہ نہ باشد کے ماتحت برق کو یاد نہیں کہ وہ اپنی دو قرآن کے ص ۱۵۶ پر مکھی کی افادیت پر ایک کافی طول طویل تبصرہ کر چکے ہیں لکھتے ہیں:

(۱) مکھی کئی لحاظ سے مفید ہے یہ دنیا کی صفائی پر متعین ہے۔

(۲) جس طرح خاکروب کی ذات میں ناپاکی نہیں بلکہ ان کے کام میں ہوتی ہے اسی طرح مکھی خود کوئی بری چیز نہیں اٹخ۔ (دو قرآن ص ۱۵۷)

اب اگر کوئی حاشیہ ساز کہے کہ برق صاحب جب مکھی خود کوئی بری چیز نہیں ہے تو آپ پر اور ٹانگوں میں غلاظت لانے والی مکھی کو چوس بھی لیا کریں تو ایسا کہنے والے کے برق صاحب یقیناً گلے پڑ جائیں گے اور خدا جانے کیا کیا صلوٰاتیں سنائیں گے؟ مگر حدیث پر غلط حاشیہ سازی کرنے میں برق کو ذرا باک نہیں

برق صاحب علم حدیث آپ کو یوں خطاب کرتا ہے، سنئے:

میں آہ بھی کرتا ہوں تو ہو جاتا ہوں بدنام

تم قتل بھی کرتے ہو تو چرچا نہیں ہوتا

### حدیث کا علم التولید

پہلے علم التولید کی تفصیل آپ برق ہی کے لفظوں میں معلوم کر لیجئے۔

فرماتے ہیں:

بچہ دانی کے سامنے ایک باریک سا خوردبینی انڈا منتظر رہتا ہے جو نہی مجامعت کے وقت مرد کے نطفہ کا کوئی قطرہ اس سے چھو جاتا ہے تو یہ دونوں ایک دوسرے کو مضبوط پکڑ لیتے ہیں اور آہستہ آہستہ سرک کر رحم کے اندر چلے جاتے ہیں، رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے اور نکوین جنین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ (دو

اسلام ص ۳۲۹)

حدیث کا مضمون یہ ہے مرد کی منی سفید ہوتی ہے اور عورت کی زرد۔ اجتماع کے وقت اگر عورت کی منی پر مرد کی منی غالب آگئی تو اللہ کے حکم سے بچہ نہ پیدا ہوتا ہے اور اگر عورت کی منی پر مرد کی منی غالب آگئی تو اللہ کے حکم سے بچہ مادہ پیدا ہوتا ہے۔

حدیث کا مضمون باذن اللہ ”اللہ کے اذن“ کے ساتھ وابستہ ہے اتنا تو برق کو بھی مسلم ہے کہ:

عورت کا نطفہ وجود رکھتا ہے خواہ وہ تھوڑا ہی ہو۔ بہر حال عورت کے نطفے کا

وجود برق کو مسلم ہے۔ (دیکھو دو اسلام ص ۳۲۸)  
رحم مادر میں بچہ کیسے بنتا ہے؟ نرو مادہ کی کیا وجوہات ہوتی ہیں؟ ان سب کو حدیث  
ہذا میں ”باذن اللہ“ کے ساتھ مخلق کر دیا ہے۔ حدیث ہذا کے لفظ ملاحظہ کیجئے، جن کا ترجمہ  
کرتے ہوئے برق نے لفظ ”باذن اللہ“ کو بالکل حذف کر دیا ہے۔ لفظ مبارک یہ ہیں:

ماء الرجل ابيض و ماء المرأة اصفر فاذا اجتمعا فعلا منى  
الرجل منى المرأة اذكروا باذن الله واذا علا منى المرأة منى  
الرجل انشا باذن الله: (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۴۶)

حدیث کے لفظوں پر غور کر کے ”برق“ کی ہزلیات پر نظر ڈالئے۔ کس طرح  
سے حدیث نبویؐ کا مذاق اڑایا گیا ہے۔ (ملاحظہ ہو دو اسلام ص ۳۲۹)

یقیناً خلقت جنین کا مسئلہ رموز قدرت کا ایک مخفی راز ہے۔ اسی لئے حدیث ہذا میں  
”باذن اللہ“ کے ساتھ رہنمائی کی گئی ہے کہ یہ اللہ کے اذن پر موقوف ہے وہ جس طرح  
چاہے اور جو چاہے پیدا کرے۔

برق نے منی کے بلونے کی اضطلاح جدید قائم کر کے خوب ظرافت کی ٹانگ  
توڑی ہے مگر اس ہرزہ سرائی کی رو میں بہ کر آپ مرد و عورت کے نطفوں کے ملانے کو بھی  
خلقت جنین کے سلسلے میں غیر ضروری قرار دے گئے۔ آپ کے الفاظ یہ ہیں:

بس یہ ہے داستان تولید جس میں نطفوں کو ملانے اور بلونے کا سوال ہی پیدا  
نہیں ہوتا (دو اسلام ص ۳۲۹)

حالانکہ قانون قدرت ہے کہ نرو مادہ کے نطفوں کی ملاوٹ شے بچہ وجود میں آتا  
ہے، مگر برق کے نزدیک یہ ملاوٹ غیر ضروری ہے۔ پھر تو کیا کہنے اس ڈاکٹری کے کہ  
عورتوں کو مردوں سے نلنے کی اور ان کا نطفہ حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں، وہ جب  
چاہیں بغیر اس ملاوٹ کے اور بغیر مرد کے نطفہ کے بچہ پیدا کر لیں۔ کاش برق امرت  
دھارا قسم کا وہ فارمولا بھی پیش کر دیتے تو نہ صرف بے شمار بیوائیں آپ کو دعائے خیر

سے یاد کرتیں بلکہ خلقت انسان کا ایک اہم ترین عقدہ حل ہو جاتا۔  
 جنین کا خدو خال یہ سب قدرت کے رموز ہیں۔ مگر عورت مرد کے ملان اور فطرت  
 و طاقت و تخیل کو اس میں سر الہی کے ماتحت بڑا دخل ہے اسی کو حدیث میں بایں طور تعبیر  
 کیا گیا ہے:

”مرد کا انزال عورت پر غالب آجائے تو بچہ باپ کی شکل پر جاتا ہے ورنہ ماں  
 کی شکل و شباهت پر“

اسی طرح سے مرد جس قدر پاکیزہ طینت ہوگا اور بوقت مجامعت بھی اس کا جس  
 قدر پاکیزہ جذبہ ہوگا وہ تمام اثرات یقیناً جنین پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس چیز کو حدیث  
 میں بایں طور تعبیر کیا گیا کہ **بسم الله جنبنا الشيطان و جنب**  
**الشيطان ما رزقنا** ”پڑھ کر اپنی عورت سے قربت کرے گا تو اس کی اولاد کو شیطانی  
 ضرر نہ پہنچے گا۔“

یہاں بھی مرد و عورت کے تصور و تخیل کو سامنے رکھا گیا ہے اور یہ مسلمہ ہے کہ مرد  
 عورت کے تخیلات کا جنین پر اثر ہوتا ہے۔ باوجود ان حقائق کے۔ ”برق صاحب“ اس  
 حدیث کا مذاق اڑاتے ہیں۔ آپ کی ”ہفوات“ یوں چلتی ہیں:

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاں ایسی اولاد پیدا ہو جو فرشتوں سے زیادہ  
 پاکیزہ اور ابلیس کی زد سے بالکل باہر ہو تو لیجئے نسخہ حاضر ہے..... کتنی امرت  
 دھارا قسم کی دعا ہے۔ الخ (دو اسلام ص ۳۳۰)

یہ دعا قرآن شریف سے ماخوذ ہے

قرآن مجید میں زوجہ عمران کی یہ دعا مذکور ہے: رَبِّ انی نذرت لک ما فی  
 بطنی محرراً فتقبل منی انک انت السميع العليم..... انی اعیزھا بک  
 و ذریئھا من الشیطان الرجیم ○ بار آورہوتے وقت آپ دعا کرتی ہیں: کہ اے

میرے رب میرے پیٹ میں جو حمل ہے اسے تیری نذر پیش کرتی ہوں یہ آزاد کیا ہوا ہے تو میری اس پیش کش کو قبول فرمالے، تو سننے والا جاننے والا ہے۔ میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان کی زد سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ پس اللہ نے اس نذر کو قبول کیا۔ زوجہ عمران کے بارے میں قرآنی بیان آپ بغور ملاحظہ فرمائیے۔ حدیثی دعا کا بھی مفہوم بالکل یہی ہے۔ ہاں تو برق صاحب کہہ دیجئے کہ قرآن نے انسان کو ماں کے پیٹ ہی میں آزادی دلانے کے لئے اور اہلسن کی زد سے بالکل باہر رکھنے کے لئے کتنا امرت دھارا قسم کا ورد پیش کر دیا ہے۔

عجب نہیں کہ آئندہ برقی حملوں کی زد براہ راست قرآن اقدس پر بھی شروع ہو جائے۔ سچ ہے:

وَمَنْ يَشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ  
الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ

حدیث کا علم الاضواء

صبح اول وقت مرغ کی آواز کس قدر پیاری معلوم ہوتی ہے! اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جو اولین سحر اٹھ کر خداوند قدوس کے نیامنے سر بسجود ہونے کے لئے صدائے مرغ سحر کے منتظر رہتے ہیں۔ اسی کو حدیث میں یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ مرغ کی آواز سن کر فضل خدا طلب کرو (کہ فرشتگان رحمت کے نزول اور خداوند قدوس کے سامنے سر بسجود ہونے کا وقت آ گیا) اور (مستی کے وقت) گدھے کی آواز کو سن کر شیطان سے خدا کی پناہ مانگو کہ یہ شیطانی مستی تم پر سوار ہو کر درجہ انسانیت سے نہ کرادے۔

ناظرین باتمکین بتائیں کہ یہاں ”حقیقت خرافات میں کھو گئی“ کہنے کا کیا موقعہ ہے۔ منکرین حدیث کو حق ہے کہ گدھے کی مستانہ حالت دیکھ کر بجائے شیطان سے پناہ مانگنے کے خوب جھوم جھوم کر مغائزہ کریں، مگر یہ حق نہیں کہ ایسے شیطانی مناظر پر اعسوذ

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کا کلمہ منہ پر لانے والے مجسم شرم و حیا بندوں کو بھی اپنے ہی رنگ کے لئے مجبور کریں۔

قسمت کیا ہر ایک کو قسم ازل نے ☆ جس چیز کے جو بھی کوئی قابل نظر آیا

## حدیث کا علم الآداب

ادب و اخلاق کا تقاضا ہے کہ آپ کسی سے ملاقات کے لئے جائیں تو اس کے دروازہ پر آواز دیں، سلام کریں۔ خدا نخواستہ وہ اول مرتبہ نہ سن سکے تو اخلاقاً ضروری ہے کہ دوبارہ بھی آواز دیں۔ خدا نخواستہ اس دفعہ بھی وہ نہ معلوم کر پائے تو آپ اپنا اخلاقی فرض ادا کرنے کے لئے سہ بارہ بھی آواز دے لیں، اب آپ کا فرض ادا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی عادت مبارکہ تھی کہ ایسے مواقع پر آپ تین دفعہ سلام دہراتے یا سلام کے علاوہ کوئی بات کسی کو سمجھانی ہوتی اور وہ نہ سمجھ پاتا تو آپ مکرر سے مکرر اسے سمجھانے کی کوشش فرماتے۔ لے برق اس پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

اگر کوئی شخص کسی محفل میں جا کر تین مرتبہ سلام کرے اور ہر بات کو تین تین مرتبہ دہرائے تو آپ اسے کب تک برداشت کریں گے۔ (دو اسلام ص ۳۳۱)

حدیث دشمنی کے مہلک مرض نے برق کے دماغ کو سوچ بچار اور معاملہ کی حقیقت شناسی سے قطعاً محروم کر دیا ہے۔ اسی لئے آپ ایک اہم ترین اخلاقی خوبی کو بھی اہم ترین عیب سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ آپ کو بسا اوقات ایسے ”لوگوں“ سے سابقہ پڑتا ہوگا جو آپ کی ایک دفعہ بتلائی ہوئی ہدایات کو نہ سمجھ پائے ہوں گے اور آپ اپنی ہدایات مکرر سے کر ران کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے ہوں گے، ایسے مواقع پر کبھی نہ سوچا ہوگا کہ میں اس عیب کا ارتکاب کر کے کیوں ”نیلامی کا ایجنٹ“ بن رہا ہوں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ عادت مبارکہ بیٹھ کر پیشاب کرنے کی تھی، مگر

۱۔ حدیث بخاری کے لفظ حتیٰ قیوم عنہ صاف اس تفصیل کو ظاہر کر رہے ہیں ۱۲ اراز

ایک دفعہ آپ کا گزر ایک ایسی کوڑی پر ہوا کہ بیٹھنے کا وہاں موقع نہ تھا اور حاجت کا سامنا تھا، آپ نے قضائے حاجت کو وہاں کھڑے ہو کر پورا فرمایا۔ بتلاتے اس میں کیا عیب ہے؟ آنحضرتؐ نے تو خیر یہ کام ایک معقول عذر کی بنا پر کیا مگر آج کی ترقی یافتہ دنیا میں تو یہ عمل فیشن بن گیا ہے مگر انفسوس حدیث دشمنی کی وجہ سے ہر سیدھی بات برق کو ٹیر ہی نظر آتی ہے۔

### حدیث کا علم الزلازل

کس شیر کی آمد ہے کہ زن کانپ رہا ہے  
زن ایک طرف چرخ کہن کانپ رہا ہے

عام محاورہ ہے کہ: فلاں صاحب کی تقریر سے ایک تہلکہ برپا ہو گیا، فلاں کی صدا سے فضا گونج گئی، فلاں کے لیکچر نے ایک زلزلہ برپا کر دیا، حدیث میں ایسا ہی ایک موقع ہے کہ ایک اہم ترین شخصیت شیر اسلام سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات جسرت آیات کا حادثہ فاجعہ سامنے آجاتا ہے جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ ایسا اہم حادثہ ہے کہ اس پر عرش الہی تک کانپ اٹھا۔ حدیث دشمنی میں اسے برق نے ”حدیث کے علم الزلازل“ سے تعبیر کیا ہے۔ امام نوویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں:

هو كناية عن تعظيم شأن وفاته والعرب تنسب الشئ المعظم الى اعظم الاشياء فيقولون اظلمت لموت فلان الارض وقامت له القيامة. (نووی ج ۲ ص ۲۹۴) یعنی اس حدیث میں کنایہ حضرت سعدؓ کی شان وفات کی عظمت کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ عربوں کا محاورہ ہے وہ کسی اہم چیز کو اہم ترین چیز کی طرف

فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۴ پر ہے۔ کہ آپ نے بیٹھنے کی مناسب جگہ نہ پا کر کھڑے ہو کر پیشاب کیا اور حاکم اور بیہقی میں مروی ہے کہ آپ نے پیشاب کھڑے ہو کر اس لئے کیا کہ آپ کی ران میں زخم تھا جس کی وجہ سے آپ بیٹھ نہ سکے یہ بھی ممکن ہے کہ میان جواز کے لئے آپ نے ایسا کر دیا ہو۔ ورنہ آپؐ کی عادت مبارکہ پیشاب کرنا ہی پیشاب کرنے کی تھی۔ ۱۲۔ اتر

منسوب کر دیا کرتے ہیں جیسے بولتے ہیں کہ فلاں کی موت سے ساری زمین پر اندھیرا چھا گیا اور فلاں کے لئے قیامت قائم ہو گئی۔ قرآن میں اللہ کو ذوالعرش المجید کہا گیا ہے۔ پس آیات قرآنی کی رو سے عرش ایک چیز ہے جس کی کیفیت مجہول ہے۔ قرآن پاک میں اللہ کے خوف سے پہاڑوں کے پھٹنے گرنے تک کا ذکر کیا گیا ہے۔

و ان من الحجارۃ لما یتفجر منه الانہار و ان منها لما یتھبط من خشیۃ اللہ۔ جب اللہ کے خوف سے پہاڑ گر سکتے ہیں پھٹ سکتے ہیں تو پھر اللہ کے حکم سے عرش الہی اگر سعد بن معاویہ کی موت کے لئے بطور خوشی و فرحت کے ہل گیا۔ یا عرش نے ہل کر غم و الم کا اظہار کیا۔ تو یہ کونسا ایسا عقدہ ہے جسے حل کرنے کے لئے قیامت کی مدت ذکر کر رہے؟

حدیث کا علم السنہ

چونکہ عرب میں علاقائی طور پر زبانوں میں قدرے تفاوت تھا، جس طرح سے محاورے اور لب و لہجہ کے اعتبار سے آپ کو دہلی اور لکھنؤ کی اردو میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ یہی کیفیت عربی زبان کی بھی تھی اور قرآن پاک کو اولاً عرب کے لئے پھر روئے زمین کے انسانوں کے لئے مشعل ہدایت بننا تھا۔ ان لئے بعض بعض لفظوں کو آسانی کے لئے مختلف لب و لہجہ میں ادا کرنا جائز قرار دیا گیا۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقروا ما تيسرو منه۔ بلا شک یہ قرآن سات ”حرفوں“ میں نازل کیا گیا ہے، جس طرح تمہارے لئے آسانی ہو اسی طرح تم اس کی قرأت کر سکتے ہو۔

اقرب ما اختلفوا انہا کیفیۃ المنطق بها من ادغام و ترکہ و تفخیم و ترقیق و امالة و مدوتلیسین لان لغة العرب كانت مختلفة فیہا فیسر



علیہم لیقرأ کل نما یوافقه۔ اس حدیث میں ادغام اور تقیم اور ترقیق اور امالہ اور مد اور لین وغیرہ وغیرہ کو سامنے رکھ کر عربی زبان کے لفظی لب و لہجہ کی کیفیت مراد ہے، اس لئے کہ عرب لوگ لب و لہجہ کے اعتبار سے مختلف تھے، پس یہ آسانی کی گئی کہ جس لہجہ میں قرأت کرو گے جائز ہوگا۔

اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ”مالک یوم الدین“ میں لفظ مالک کو ملک یوم الدین پڑھنا بھی مختلف قراءت سے منقول ہے۔ (دیکھو تفسیر بغوی ص ۱۹) بس اتنی بات تھی جس کو برق نے ”حدیث کا علم الہ“ سے تعبیر کر کے ہر لیاات کا طومار باندھ دیا اور حدیث کا انکار کر کے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت و وسعت کے سامنے ایک بے بنیاد دیوار کھڑی کر دی اور فتویٰ صادر کر دیا۔ ”بالکل بے بنیاد فتویٰ“

میرا خیال یہ ہے کہ اس حدیث کے تراشنے کا مقصد بھی مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا اور قرآن کو ناقابل اعتماد بنانا تھا۔ (دوا اسلام ص ۳۶۳)

برق کو معلوم ہونا چاہئے کہ باوجودیکہ یہ حدیث ۱۳۰ سال سے موجود ہے اور بقول آپ کے ملا پورے تیرہ سو سال سے ان احادیث کو نقل کرتا چلا آ رہا ہے مگر بفضلہ تعالیٰ آج بھی زمین پر کم و بیش پچاس کروڑ افراد قرآن پر اعتماد رکھتے ہیں۔ پس مکثرین حدیث کو چاہئے کہ اپنے سروں پر بار بار ٹھنڈا پانی ڈالیں، ممکن ہے اس عمل سے ان کے ”حواس“ کچھ درست ہو جائیں مگر رائج لیاات جو تھے درجہ میں پہنچ چکے اس لئے امید کم ہے۔

### حدیث کا علم النباتات

معجزات کے ذیل میں ”ہستون جنابہ“ کا واقعہ مشہور اور امت کا مسلمہ ہے اور یہ معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی صداقت کے لئے ظاہر فرمایا تھا۔ آج جبکہ نباتات کے لئے روح، شعور، احساس، اور ادراک تک ثابت کیا جا رہا ہے، خود برق اپنی کتاب دو قرآن ص ۶۹ پر درختوں کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ ہماری طرح کھاتے،

سانس لیتے، بڑھتے اور بچے پیدا کرتے ہیں تو پھر ایسے معجزات کو بعید از عقل قرار دینا ”برقی طبیعتوں“ ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے یہ آپ نے خوب ہانکی کہ:

اگر آپ یہ کہیں کہ یہ معجزہ تھا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو معجزہ دکھانے سے کیوں انکار کر دیا تھا؟ اور صاف کہہ دیا تھا۔

هل كنت الا بشرا رسولا ○

برق کی یہ ”بیان بازی“ معجزات کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی دلیل ہے۔ معجزہ کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ نبی اپنے اختیار سے جب چاہے پیش فرمادے بلکہ یہ امر الہی پر موقوف ہے۔

گہے برطارم اعلیٰ نشینم ☆ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

اسی لئے اس باب میں آپ نے اپنی حیثیت کو ہل کنت الا بشرا رسولا کہہ کر ظاہر فرمادیا تا کہ کفار کی غلط فہمی رفع ہو جائے اور یہ امر واضح ہو جائے کہ معجزات صرف خدا کے اختیار کی چیز ہیں نبی کا یہ کام نہیں کہ جب بھی لوگ فرمائش کریں وہ معجزہ پیش کر دے۔

برق کی اور گپ ملاحظہ ہو:

رونے کے لئے احساس دل، دماغ، پھیپھڑوں، گلے اور رقیق نظام جسمانی کی ضرورت ہے یہ سب کچھ اس درخت میں کہاں سے آ گیا تھا۔

(دوا اسلام ص ۳۳۷)

انصاف پسند ناظرین غور کریں کہ اگر وہ نظام جسمانی کے ساتھ رونے والی کوئی چیز ہوتی تو پھر اس کا معجزات میں شمار ہی کیوں ہوتا؟ معجزہ کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ خرق عادت کوئی چیز صادر ہو جائے۔

برق صاحب! قرآن پاک میں عضائے موسوی کے بارے میں ذکر ہے کہ وہ جادو گروں کے پیش کے ہوئے سارے سانپوں کو نگل گیا تھا، کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ

عصائے موسوی پیدائشی طور پر دل و دماغ و پھیپھڑا اور رقیق نظام جیسانی اور نکلنے کے لئے خلق اور خلق میں زبان اور دانت اور منوڑھے بھی رکھتا تھا؟ اگر آپ معجزہ موسوی سے عصائے موسوی کا سانپ بن جانا تسلیم کرتے ہیں تو پھر ”ستون حنائہ“ والے معجزہ کا انکار صرف حدیث دشمنی نہیں تو اور کیا ہے؟

### حدیث کا علم الحقائق

یہ مسلمہ ہے کہ عقل و شعور کے لحاظ سے جس طرح نیک فطرت و بد فطرت افراد انسانی دنیا میں پائے جاتے ہیں یہی حال دیگر حیوانات کی دنیا کا بھی ہے، بیشتر ایک ہی جنس کے حیوان آپ کو بے حد غریب قدر شناس محبت کرنے والے ملیں گے اور اسی جنس کے بیشتر جانور ایسے بد طینت ملیں گے کہ ان کی وجہ سے مالکوں کا دم ناک میں آجائے گا، سانپ، بچھو، گرگٹ، چھپکلی یہ سب زہریلے جانور ہیں اور ساتھ ہی بد طینت بھی۔ اس لئے شریعت اسلامیہ میں ان کے مارنے کی اجازت دی گئی تاکہ انسانوں کو ان کی ایذا رسانی سے نجات مل سکے اور یہ کم سے کم نسل دنیا میں اپنی بڑھا سکیں۔ چھپکلی بھی ان ہی زہریلے جانوروں میں سے ایک جانور ہے اور افزائش نسل کے لحاظ سے کثرت سے اس کا وجود پایا جاتا ہے اور پھر یہ کہ زیادہ تر یہ اپنا مسکن انسانی رہائش گاہوں کو بناتی ہے۔ شارع نے اس کے مارنے کا بھی حکم دیا اور ساتھ ہی فرمایا کہ یہ وہ بد طینت زہریلا جانور ہے جو اس آگ کو اپنی پھونکوں سے بھڑکاتا ہے۔ تھا جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا۔ یہ ایک خبر ہے جو پیغمبر علیہ السلام سے ہم تک پہنچی ہے اور یہ ایسی خبر نہیں کہ ناممکن الوقوع ہو۔ مگر برق صابج اس پر بھی پھرتی کتے ہیں اور اسے ناممکن جان کر حدیث رسولؐ ہی کی تکذیب پر اتر آتے ہیں۔ اسی طرح ایک روایت میں حضرت جبریلؑ کے پروں کا ذکر آیا ہے۔ برق نے حضرت جبریلؑ کے پروں کا انکار کیا ہے۔

۱۔ جیسا ننھا کیڑا تھا ویسا ہی اس کا بھڑکانا بھی تھا کہ اس حقیقت کا سمجھنا بھی مشکل ہے؟

ارشاد ہوتا ہے:

جبریل کے لئے پروں کی ضرورت ہی کیا تھی وہ ایک نوری جسم ہے۔

(دو اسلام ص ۳۳۸)

برق صاحب! قرآن مجید کو کھول کر دیکھئے قرآن پاک میں فرشتوں کے پروں کا صاف ذکر موجود ہے۔ اولیٰ اجنحة مثنیٰ و ثلاث و رباع۔ (قرآن مجید) فرشتے پروں والے ہوتے ہیں۔ دو پروں والے، تین پروں والے اور چار پروں والے۔ اب فرمائیے قرآن پاک کے بیان پر کیا فتویٰ صادر ہوگا؟ کہہ دیجئے یہ آیت پروں والی کسی حدیث تراش ملا کا اضافہ ہے اور کیا ضرورت ہے کہ فرشتوں کو دو پروں والا، تین پروں والا، یا چار پروں والا بنایا جائے؟ رہی یہ تقریر کہ حضرت جبریل فلاں صحابی ہی کو کیوں نظر آئے؟ دوسروں کی نظروں سے کیوں مخفی رہے؟ اس کا جواب صرف اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت! یہ آپ ہی پی، ایچ، ڈی کیوں بن گئے؟ اور آپ ہی کے ہم جنس دوسرے کیوں اس ”معراج“ تک نہ پہنچ سکے؟ آپ نے یہ شعر بار بار سنا ہوگا۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ☆ ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں

حدیث کا علم التاریخ

قرآن پاک میں یہ ذکر موجود ہے کہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزمائش کی اور وہ جملہ آزمائشوں میں پورے اترے۔ اس آیت قرآنی کے متعلق جہاں بہت سی آزمائشوں کا ذکر ہے وہاں یہ بھی ہے کہ ۸۰ سال کی عمر میں آپ کو اللہ پاک نے ”ختنہ“ کا حکم فرمایا۔ یہ بھی خدا کی ایک آزمائش تھی جس میں آپ پورے اترے اور آپ نے تعمیل ارشاد الہی کے لئے اسی عمر میں ختنہ کر لیا۔ اسی مضمون کو بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا گیا ہے۔ برق کی برقی نگاہ میں یہ واقعہ بھی نہیں چچا اور وہ کھلے لفظوں میں اس واقعہ کی نہ صرف تکذیب کرتا ہے بلکہ

پھٹی اڑاتا ہے۔ ایک جلیل القدر عظیم الشان پیغمبر فداہ روحی کی شان میں برق کا طرز بیان

ملاحظہ کیجئے۔

پورے اسی سال تک اس مبارک کام میں کون سی رکاوٹ حائل رہی جو وفات سے عین پہلے دور ہوئی اور آپ بآں ضعیف و پیری حجام کے سامنے جا بیٹھے۔

(دو اسلام ص ۳۳۸)

برق کا مطلب یہ ہے کہ آزر کے گھر میں پیدا ہوتے ہی ابراہیم کا ختنہ ہو جانا چاہئے تھا کیونکہ ختنہ صرف بچپن کی چیز ہے ۸۰ سال کی عمر سے ختنے کا کیا تعلق؟ یہ ہے برق صاحب کی منطق۔ اب کوئی آپ کو لاکھ سمجھائے کہ صاحب! آزر کا فر تھا اس کے ہاں ختنے کا دستور نہیں تھا، ابراہیم علیہ السلام نے جن حالات میں دنیا میں جنم لیا ان حالات میں بچپن میں ان کا ختنہ ناممکن تھا۔ آزر کی گھرانے میں ابراہیم علیہ السلام نے آنکھیں کھولیں، اسی گھر میں جوان ہوئے، حتیٰ کہ اللہ نے آپ کو مقام خلت سے نوازا اور اس ماحول سے باہر آئے تو پھر رفتہ رفتہ احکامات خداوندی کی تلقین ہوتی گئی اور آپ تعمیل فرماتے رہے۔ ان ہی میں ایک ختنہ بھی ہے جس کے لئے آپ حجام کے سامنے نہیں گئے بلکہ اپنے ہی طور پر آپ نے اس حکم الہی کی بھی تعمیل کر لی۔ یہ ہے معقول بات مگر برق کو کون سمجھائے ان کے خیال میں تو ہر بات جو حدیث کی طرف منسوب ہو، خواہ کس قدر ہی معقول ہو مگر برق صاحب مجبور ہیں اپنی فطرت سے آپ ضرور اس معقول بات کی بھی تکذیب کریں گے۔

برق صاحب! آپ خوب اپنے دل کے ارمان نکالنے اور ہاتھ دھو کر علم الحدیث کے پیچھے اپنی زندگی تباہ کیجئے۔

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا۔

ایک حدیث میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی کم و بیش ایک سو بیویوں کا ذکر ہے جس کی مختصر تفصیل یہ کہ آپ نے ان شاء اللہ کہے بغیر جملہ بیویوں کے پاس اس قصد

سے جانے کا ارادہ کیا کہ سب لڑکا جنیں گی اور وہ سب بچے جوان ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کریں گے مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ آپ سب کے پاس گئے مگر سوائے ایک بیوی کے کوئی بھی حاملہ نہ ہوئی۔

اس حدیث پر ہمارے برق صاحب ”مجامعت“ کے منٹوں کا حساب کرنے میں مشغول ہو گئے آپ کے فرمان کی بنا پر کم از کم وقت ۱۵ منٹ مجامعت میں صرف ہوتا ہے یہ تو کم از کم ہے ورنہ شاید.....

اس لئے آپ کے خیال میں ایک رات میں حضرت سلیمانؑ کا اتنی بیویوں سے جماع کر لینا قطعاً خلاف عقل ہے۔ پس برقی نتیجہ یہ کہ حدیث جھوٹی ہے۔  
یہ ہیں وہ ”وہی گھوڑے“ جن پر سوار ہو کر حضرت برق علم حدیث کے مستحکم قلعہ کو فتح کرنے نکلے ہیں۔

برق صاحب بھول گئے! ابھی آزادی وطن سے ذرا پہلے کی تاریخ جس میں ہم اپنے ملک کے معمولی راجگان و نوابوں کے حرم میں عورتوں کا ایک جم غفیر دیکھتے تھے، وہاں ”ان ڈاکٹر لوگوں“ نے نہ کبھی وقت ناپا نہ انکی طاقتوں پر تبصرہ فرمایا بلکہ روزانہ کتنے ہی ”برقی طلا“ ان کے کام میں مدد پہنچانے کے لئے تیار ہوتے رہتے تھے، اگر صحیح حدیث میں اپنے عہد کے ایک عدیم المثال بادشاہ وقت حضرت سلیمانؑ کے حرم کا ذکر وارد ہو گیا تو لگے برق صاحب اپنی منطق جھاڑنے اور تجربات کی کسوٹی پر وقت ناپنے۔  
برق صاحب! سنتے ہیں آپ ۷

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد ☆ خدا بیخ انگشت یکسان نہ کرد

ہم پھر بانگ و بل ڈنکے کی چوٹ پکار کر یہ کہنے کے لئے تیار ہیں کہ اگر قرآن اقدس صحیح سائنس کی کسوٹی پر پورا اترتا ہے اور یقیناً اترتا ہے تو صحیح مرفوع متصل الاسناد متواتر احادیث بھی عین عقل فطرت و صحیح سائنس کی کسوٹی پر بالکل پوری اترتی ہیں لیکن دیکھنے کو چشم بینا چاہئے۔

## بیسواں باب

### صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ  
ہائے اس زود پشیاں کا پشیاں ہونا

اجتا تو ہم بھی تسلیم کریں گے کہ مرقومہ بالا ”آخری فتویٰ“ صادر فرما کر ہمارے محترم  
برق صاحب نے نہ صرف ”ماضی“ کا کفارہ ادا کیا ہے بلکہ تلافی مافات کے ساتھ ساتھ  
منکرین حدیث کے چہروں پر زور سے بے تحاشا ایک ”طمانچہ“ بھی رسید فرمادیا ہے۔  
جبکہ ان کے نزدیک احترام و عقیدت کے ساتھ لفظ حدیث کا صرف زبان پر لانا بھی جرم  
عظیم سمجھا جاتا ہے۔ شاید خاتمۃ الکتاب پر حضرت برق کو وہ حدیث نبوی یاد پڑ گئی جس کو  
امام بخاری و امام مسلم رحمہما اللہ نے ان لفظوں میں روایت کیا ہے: ”انما الاعمال  
بالخواتیم“ یعنی عملوں کا اعتبار ”خاتمہ“ پر ہے۔ اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ ہم حضرت  
برق کے آخری فتویٰ کو ان کے ”اعتراف حقیقت“ پر محمول نہ کریں۔ اس لئے ہم والہانہ  
طور پر آپ کے فتوے کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کی خدمت میں اپنی یہ مخلصانہ آواز  
پہنچا دینا چاہتے ہیں۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہوگی

یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی

آپ کا آخری فتویٰ کہ ”صحیح احادیث کو تسلیم کرنا پڑے گا“ ایک سچی اور بالکل صحیح

حقیقت کا اعلان ہے اور یہ واقعہ ہے کہ صحیح احادیث کو تسلیم کئے بغیر نہ ہم پورے طور پر اسلام کے اوامرو نواہی کی تفصیلات کو جان سکتے ہیں نہ احکام قرآن پاک کی حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ ہاں یہ کہنے میں بھی ہم ایک ذرہ برابر باک نہیں محسوس کرتے کہ قرآن اقدس کو کلام الہی تسلیم کرنے کے بعد صرف ان ہی احادیث کا ہم پر تسلیم کرنا واجب اور ضروری ہے جو فی الواقع ”احادیث رسول“ ہیں جن کی صحت اور ثقاہت پورے طور پر ثابت ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ موضوعات کا تسلیم کرنا تو درکنار ان کو ”حدیث نبوی“ کی حیثیت میں زبان پر لانا ہم کبیرہ گناہ سمجھتے ہیں۔

### اس کے بعد

مثال مشہور ہے کہ چور چوری سے تورک گیا مگر ابھی کوچہ گردی کی عادت نہیں گئی۔ صحیح احادیث کو تسلیم کرنے کا فتویٰ تو برق صاحب نے صادر فرمادیا مگر ابھی تک آپ کو یہ یقین نہیں ہے کہ دنیا میں کہیں کسی جگہ ایک بھی صحیح حدیث کا وجود ہے اس تشریح کو ذرا برق ہی کے لفظوں میں سنئے اور آپ کی فاضلانہ کاوش کی داد دیجئے۔ ارشاد گرامی یوں شروع ہوتا ہے:

”صحیح حدیث“ کے دو مفہوم ہیں: اول یہ کہ کسی حدیث کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف صحیح ہو۔ یعنی ہم بہ دلائل ثابت کر سکیں کہ یہ قول حضور کی زبان مبارک سے واقعی نکلا۔ ان معنوں میں کوئی حدیث یقینی طور پر صحیح نہیں۔ (دو اسلام ص ۳۴۱)

برق صاحب کے ”دلائل“ کی دنیا بھی چونکہ نزالی ہے اس لئے نہیں معلوم کہ دلائل کے بارے میں آپ کا مافی الضمیر کیا ہے؟ مگر اس ارشاد گرامی کو سن کر اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ یہ پیغمبر اسلام کی عظیم الشان شخصیت پر بیحد خطرناک جملہ ہے۔ باوجودیکہ آپ عالم گیر پیغمبر ہیں۔ قیامت تک کے لئے ہادی مطلق ہیں۔ مگر بایں ہمہ صفت بقول برق



آپ کا ایک بھی قول دنیا میں محفوظ نہیں رہا اور آپ کے منہ سے نکلی ہوئی کسی بھی بات پر آج وثوق نہیں کیا جاسکتا۔ ”نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذَلِكَ“

برق صاحب؟ اگر اس قدر ”گڑبڑ گھٹالا“ ہے تو پھر قرآن ہی کے بارے میں کیا دلائل ہیں کہ یہ وہی قرآن ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ افسوس کہ حدیث دشمنی میں منکرین حدیث نے ایسی ہفوات سے کام لیا ہے کہ ان سے نہ صرف حدیث بلکہ اسلام ہی کا صفایا ہوا جاتا ہے۔ حالانکہ منکرین حدیث کی یہ محض ہفوات باطلہ ہیں، حقیقت سے ان کو دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔

آگے برق صاحب پینتر ابدل کرتے پھر اظہار مافی الضمیر کرتے ہوئے حدیث کا وجود صحت کے ساتھ تسلیم کرنے کے لئے یوں گویا ہر افشانی فرماتے ہیں۔

البتہ ظن غالب یہ ہے کہ بعض اقوال صحیح ہوں گے۔ دوم کہ حدیث کا مضمون صحیح ہو اور ان معنوں میں ہزاروں احادیث صحیح ہیں (حوالہ مذکور)

کس قدر متضاد عبارت ہے۔ آپ کا گمان غالب تو ”صرف اتنا ہی ہے“ کہ بعض ہی اقوال صحیح ہیں مگر مضمون کی صحت کے لحاظ سے آپ کے خیال میں ہزاروں احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ اسی کو کہتے ہیں کہ:

”جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے“

برق کی اس منطق کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ

(۱) ہزاروں احادیث ایسی موجود ہیں جن کے مضامین بالکل صحیح ہیں۔

(۲) اس لئے ہزاروں صحیح حدیثیں دنیا میں موجود ہیں۔

اسی پر بس نہیں ماشاء اللہ برق صاحب کی مزید حقیقت بیانی ملاحظہ ہو۔

ارشاد ہوتا ہے:

ہم صرف مضمون حدیث کو دیکھتے ہیں اگر کوئی بات قرآن کے مطابق ہو تو اسے تسلیم نہ کرنا گویا قرآن سے انکار کرنا ہے۔ اس طرح کی ہزار ہا

احادیث ہمارے پاس موجود ہیں جو نہ صرف تعلیمات قرآن کے عین مطابق ہیں بلکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کرتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی جرأت، شجاعت، ایثار، سرفروشی، خدمت خلق، حرارتِ ایمانی، عشقِ رسول، تقویٰ اور نظم و ضبط کی حیات انگیز داستانیں سناتی ہیں۔ اس عہد کے تمدن پر مکمل روشنی ڈالتی ہیں۔

(دو اسلام ص ۳۴۲)

سچ ہے۔ ”الحق ما شهدت به الاعداء“ حق وہ ہے جس کی دشمن حق کو بھی شہادت دینی پڑے۔ برق صاحب نے اپنی کتاب ”دو اسلام“ کے صفحات کے صفحات سیاہ کر ڈالے ہیں اور اب اس باب میں بھی گوہر افشانی کی ہے کہ

(۱) خلفائے راشدین ”احادیث“ کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے رہے۔

(۲) حضورؐ نے کتابتِ احادیث سے منع فرمادیا تھا۔ ان ہر دو غلط بیانیوں پر ہم شروع کے ابواب میں بہت کافی تبصرہ کر چکے ہیں۔ یہاں اس ”گپ“ کی تردید کے لئے خود برق ہی کا بیان مندرجہ بالا پڑھ لیجئے۔

حضرت! جب بقول آپ کے خلفائے راشدین احادیث کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلاتے رہے تو یہ ہزاروں حدیثیں پھر کہاں سے باقی رہ گئیں جن کی صحت اور صداقت آپ کو بھی تسلیم ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ کا ایسا کہنا خود آپ ہی کے نزدیک بالکل جھوٹ، بلکہ آپ کا ذہنی ذہول ہے اگر خدا نخواستہ خلفائے راشدین ایسا کرتے تو آج یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مطہرہ کی مکمل تصویر ہمارے سامنے پیش کرنے والی ”ہزارہا احادیث“ کیسے باقی رہ جاتیں؟ اسی طرح اگر علی العموم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتابتِ احادیث سے منع فرمادیتے تو امت کو کیا مجال تھی کہ ان ہزارہا احادیث کو باقی رکھنے کی کتابی جدوجہد کی جاتی جو آج خود حضرت برق کے لفظوں میں بتاتی ہیں کہ اسلام کی حیرت انگیز ترقی کے اسباب کیا تھے؟ اکاسرہ کیوں مٹ گئے؟ قیصرہ

کو کیوں شکست ہوئی؟ مٹھی بھر مسلمان سندھ کے تریگستان سے فرانس کی  
عشرت گاہوں تک کیسے چھا گئے؟ لٹیرے فرمانروا کیسے بن گئے؟ گذریے  
اورنگ جہان بانی پہ کیسے جا بیٹھے؟ وحشی فلسفہ و حکمت کا درس کیسے دینے لگے؟  
شرابیوں اور جویوں میں اس بلا کی پاکیزگی کہاں سے آگئی؟ ۳۶۰ بتوں  
کے پجاری ایک خدا کے ایک قبلہ، ایک مرکز، ایک نصب العین کے تخیل پہ  
کیسے متحد ہو گئے؟ یہ تمام تقاضیل حدیث میں ملتی ہیں اور یہی وہ بیش بہا سرمایہ  
ہے جس پہ ہم نازاں ہیں اور جس سے اب تک کروڑوں غیر مسلم متاثر ہو چکے  
ہیں۔ (دوا اسلام ص ۳۴۳)

برق صاحب کی اس تقریر دل پذیر نے ظاہر کر دیا کہ حدیث دشمنی ٹین انہوں نے  
جو کچھ اب تک ہاتھ پیرما زے وہ سب ان کی ”بیکار حرکت“ تھی اور حضرت عمرؓ و صدیق  
اکبرؓ وغیرہ صحابہؓ کے بارے میں ان کے غلط بیانات محض کذب اور حدیث دشمنی یا غلط فہمی  
کی بنا پر تھے۔ الحمد للہ کہ برق کو اپنی ”ہزلیات“ کا احساس ہے جن کی آخر میں آپ تلافی  
کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ہم بھی علی الاعلان بلا خوف تردید کہتے ہیں کہ  
(۱) صحیح ثابت شدہ مرفوع احادیث نبویؐ میں اور قرآن پاک میں ہرگز ہرگز ٹکراؤ نہیں  
ہے، جو ٹکراؤ پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ ظالم، جھوٹا، کذاب، وضاع اور مفتری ہے۔

(۲) کوئی صحیح مرفوع متصل السند متواتر حدیث ایسی نہیں ہے جس سے نعوذ باللہ نبی  
کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کی توہین کا پہلو دکھتا ہو۔ جو شخص کسی صحیح مرفوع متصل  
السند متواتر حدیث سے یہ ”توہینی پہلو“ نکالنے کی کوشش کرتا ہے وہ نہ صرف عقل و فہم  
سے کورا ہے بلکہ اسلام اور بابائی اسلام کے ساتھ غداری کے جرم کا مرتکب ہے۔

(۳) کوئی صحیح مرفوع متصل السند متواتر حدیث ایسی نہیں ہے جو حقائق کو نیہ کو  
جھٹلاتی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی صحیح مرفوع متصل السند متواتر حدیث سے یہ ناپاک مقصد  
حاصل کرنا چاہتا ہے تو وہ ظالم، غدار، جھوٹا، کذاب، مفتری اور کج روالہ دہ ہے۔ یقیناً

صحیح مرفوع متصل السند متواتر احادیث نبوی بھی معنوی طور پر فی الحقیقت آیاتِ الہی میں داخل ہیں۔ قرآن پاک کے کھلے لفظوں میں اعلان ہے:

ان الذین یلحدون فی آیاتنا لا یخفون علینا۔

جو لوگ ہماری آیات میں کج روی کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔  
یہ بھی یاد رہے کہ صحیح مرفوع احادیث کی سند کے لئے راست باز راویوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ پس مستند رواۃ سے جو حدیث ہم کو ملے گی صرف اسی کو ہم حدیث رسول اللہ کہنے کے مجاز ہیں۔ یہ نہیں کہ ہر ایرا غیر انتھو خیرا جو بھی صحیح بات منہ سے نکال دے اس کی صحت کو توبہ حیثیت ایک قول کے ہم تسلیم کریں گے مگر بلا سند اسے رسول کی طرف نسبت کرنا صحیح نہیں ہوگا۔

برق کو حق ہے کہ وہ ہر بابا رتن کی ہر ایک بات کو ”حدیث رسول“ کہہ دیں۔ مگر اہل حدیث کے نزدیک ایسی حرکت کا ارتکاب کرنے والا من تقول علی مالہ اقل فلیتبا مقعدہ من النار۔

(جو میرے ذمہ ایسی بات تھوپے جو میں نے نہ کہی ہو اسکو چاہئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنا لے۔)

کا مصداق ہوگا۔ برق صاحب! علم الحدیث باز مچہ طفلان نہیں ہے آپ کو معلوم ہے محدثین کرام کی شان کیا ہے؟

گروہ ایک جو یا تھا علم نبی کا ☆ لگایا پتہ جن نے ہر مفتری کا

نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا ☆ کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کئے جرح و تعدیل کے وضع قانون

نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

کیا فاش راوی میں جو عیب پایا ☆ مناقب کو چھانا مثالب کو تایا

مشائخ میں جو قبح نکلا جتایا۔ ☆ ائمہ میں جو داغ دیکھا بتایا  
 طلسم ورع ہر مقدس کا توڑا  
 نہ ملا کو چھوڑا نہ صوفی کو چھوڑا

### وحی خفی کا مسئلہ

منصب رسالت انسان کے لئے روحانی ترقی کی آخری منزل ہے، ایسی منزل  
 جہاں جملہ روحانی ترقیات ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جو برگزیدگان الہی منصب رسالت پر  
 فائز ہوتے ہیں وہ بے شمار اوصاف روحانی کے مالک ہو جاتے ہیں اور ان کی باطنی  
 قابلیت اس درجہ ہو جاتی ہے کہ ان کا ہر ”روحانی سوچ“ ہر ”روحانی تدبیر“ ہر روحانی ارتقاء  
 وحی والہام کا درجہ رکھتا ہے۔ بلا شک و شبہ جناب خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت سیدنا محمد  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام اس قدر ارفع اور اعلیٰ ہے کہ آپ روحانی ارتقاء میں  
 جملہ انبیاء و رسل سے آگے ہیں۔ بلاشبہ قرآن مجید اللہ کی وہ کھلی ہوئی وحی ہے جو آپ پر  
 نازل ہوئی، مگر قرآن پاک کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس میں غور و تدبر اور اس کے  
 مجمل احکامات کی تفصیل یہ سب چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی الہامی ”بصیرت“  
 سے تعلق رکھتی ہیں۔ قرآن پاک نے بار بار رسول کی شان میں

و یعلمہم الكتاب والحكمة

کہا ہے۔ یہی ”حکمہ“ ہے جسے ہم پیغمبری بصیرت سے تعبیر کر سکتے ہیں اور چونکہ یہ  
 الکتاب کی تفسیر ہوتی ہے اس لئے اس کو بھی الکتاب ہی کی طرح قابل حجت قرآن  
 اقدس نے بتلایا ہے۔ یہ وہ ”وحی“ ہے جس کو ”وحی الہی یا قرآن پاک“ کے بعد ”وحی  
 خفی“ کا درجہ دیا گیا ہے اور یہ وحی خفی بھی درحقیقت الہام الہی یا اخبار خداوندی ہی سے  
 تعلق رکھتی ہے۔ اس کی بہت سی مثالوں کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے ہم بوجہ  
 اختصار صرف ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔

و اذ اسر النبی الی بعض ازواجه حدیثاً فلما نبأت به و اظهره الله علیه عرف بعضه و اعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من انباک هذا قال نبائی العلیم الخبیر ○ آیت ہذا کا مفہوم یہ ہے کہ نبی نے کوئی خاص پوشیدہ بات اپنی کسی حرم سے کہی مگر اس حرم نے ایسی بات کو جو ظاہر کرنے کی نہ تھی، کسی اور کے سامنے کہہ دیا اور آنحضرتؐ کو اس افشائے راز کی خبر ہوگئی۔ جب آپؐ نے اس پر اعتراض فرمایا تو وہ بیوی کہنے لگی کہ میرے افشائے راز کی خبر آپؐ کو کیسے ہوگئی؟ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس نے خبر دی جو جاننے والا، خبر رکھنے والا ہے۔

ہم واقعہ کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتے نہ ضرورت ہے، صرف اس آیت کی روشنی میں اتنا بتلانا چاہتے ہیں کہ اللہ پاک اپنے رسولؐ کو بہت سی ایسی چیزوں پر بھی مطلع کرتا تھا جو بظاہر قرآن پاک میں نہیں ہیں۔

اگر اس حقیقت کا کوئی شخص انکار کرتا ہے تو وہ قرآنی بیان نبائی العلیم الخبیر کا انکار کرتا ہے۔ قرآن مجید میں اسی ”الہی بصیرت“ کے پیش نظر فرمایا گیا ہے: وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم۔ یعنی اے رسولؐ ہم نے قرآن کو تجھ پر نازل کر دیا اب لوگوں کے لئے اس کو کھول کھول کر بیان کرنا تیرا کام ہے۔ اسی منصب رسالت کے پیش نظر قرآن مجید میں رسولؐ علیہ السلام کے ارشادات کو بھی تسلیم کرنا ایسا ہی ضروری قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادات الہی کو چنانچہ آیت ذیل پر غور کیجئے۔

وما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی الله ورسوله امرا ان یکون لہم الخیرة من امرہم۔ (پ ۱۷۲ع)

جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو اس کے کرنے یا نہ کرنے میں کسی مومن مرد یا عورت کو تردد باقی رہ جائے۔

اس آیت میں قضی کے فاعل دو ہیں اللہ اور رسولؐ۔ غور طلب بات یہ ہے کہ یہ واؤ بمعنی جمع ہو تو لازم آئے گا کہ جو حکم اللہ و رسولؐ جاری کریں وہ واجب الاتباع ہو اور جو

فقط رسول حکم دیں تو وہ..... واجب الاتباع نہ ہو۔ پس ہرگز ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ واؤ بمعنی 'او' ہے معنی یہ ہیں کہ جس امر کی بابت اللہ قرآن میں حکم دے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر قرآن بربان خود (اپنی خدا داد بصیرت یا وحی خفی کی بنا پر) حکم فرمائیں اس کے ماننے سے انکار کرنا کسی مومن کا کام نہیں۔

یہی وہ وحی خفی ہے جو قرآن مجید ہی نے مسلمانوں کے سامنے رکھی ہے کیونکہ قضائے الہی تو یقیناً قرآن ہے، پس قضائے رسالت پناہی سے مراد وہ حکم ہوگا جو رسول کریم بحیثیت دین ہم کو فرمائیں اور وہ قرآن مجید میں نہ ہو۔ قرآن مجید کی ایک اور آیت ملاحظہ کیجئے۔ ارشاد ہوتا ہے: فليحذر الذين يخالفون عن امره ان تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم (پ ۱۸ ع ۵) یعنی جو لوگ نبی کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو خوف کرنا چاہئے، کہ ان کو دردناک عذاب نہ پہنچ جائے۔ اس سے آپ کے صحیح ثابت شدہ دینی ارشادات کو نہ تسلیم کرنا مراد ہے کیونکہ ان آیات کا شروع یوں ہے:

لا تجعلوا دعاء الرسول اس لئے سیاق عبارت سے ثابت ہے کہ عن امرہ میں ضمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ قرآن مجید امر خدا ہے تو امر رسول بے شک صحیح حدیث ہے جس کو قرآن پاک کی ان ہی تشریحات کی بنا پر وحی خفی کا نام دیا گیا ہے۔ اس مختصر سی مدلل تفصیل کے بعد برقی گیس ملاحظہ ہوں۔ آپ پہلے تو ارشاد صادر فرماتے ہیں کہ: قرآن مجید

قرآن مجید کے علاوہ آپ کا کوئی اور قول وحی کا درجہ نہیں رکھتا..... حضور مہتمم غیر الہامی مسائل میں صحابہؓ سے مشورہ لیا کرتے تھے..... اگر حضور کا ہر قول یا ہر فیصلہ وحی ہوتا تو حضور مشورہ کیوں لیتے؟ (دو اسلام ص ۳۴۴)

آپ کے اس غلط قول کا منشاء یہ ہوا کہ قرآنی مہمات مسائل کے علاوہ دین کا سارا ڈھانچہ محض صحابہؓ کے مشورے سے کھڑا کیا گیا۔ مثلاً قرآن مجید میں نماز و زکوٰۃ و حج کی

تفصیلات نہیں ہیں، پس نماز کے اوقات خمسہ کی تعیین، فرض نمازوں کی رکعات، زکوٰۃ کا نصاب، رمضان شریف کے تفصیلی احکامات، حج کے جملہ مناسک یہ سب محض صحابہؓ کے مشورے سے متعین ہوئے، لہذا ان سب کی حیثیت محض ایک ”مشورہ“ کی رہ گئی۔  
اب برق کا یہ کہنا کہ:

”ہم ظہر، عصر اور عشاء کی نماز میں چار چار رکعات پڑھتے ہیں“

(دو اسلام ص ۲۳۵)

”ہم قیام صلوٰۃ کے وقت ”اقامت“ میں ہر تکبیر کو دو مرتبہ کہتے ہیں۔

(دو اسلام ص ۲۳۶)

”ہم دعائے قنوت نماز عشاء میں پڑھتے ہیں۔“

(دو اسلام ص ۲۳۷)

”ہمیں نماز میں رکوع و سجود و قیام و قعود کے بغیر کسی اور عمل کی اجازت نہیں

(دو اسلام ص ۲۳۸)

ان سب کی بنیاد جو آپ کو بھی مسلم ہیں آپ کے قول کے مطابق محض صحابہ کے مشوروں پر ہے کیوں کہ قرآن مجید میں بذیل مہمات مسائل یہ تفصیلات نہیں ہیں تو لا محالہ یہ سب کام صحابہؓ کے مشورہ ہی سے طے کئے گئے، ورنہ آپ قرآن پاک میں دکھلائیے کہ یہ تفصیلات جو آپ کو مسلم بلکہ آپ کا معمول ہیں قرآن پاک کے کون سے پارے کون سے رکوع اور کون سی آیات میں ہیں؟ ہاتھ ابرہانکم ان کتبہم

○ صادقین

ان ”ہزلیات“ کے بعد برق کی برق پاشی ملاحظہ ہو۔ ارشاد گرامی یوں ہوتا ہے:

اللہ نے قرآن میں صرف اہم قوانین و ضوابط سے بحث کی ہے اور غیر اہم

مسائل انسانی اجتہاد پہ چھوڑ دیئے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ایسے

معاملات میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے اور احادیث کا بیشتر حصہ انہی



اجتہادات پر مشتمل ہے۔ (دوا اسلام ص ۳۴۳)۔ آپ نے ان کے لئے جو احکام دیے ہیں ان سے  
 دیکھا آپ نے ابھی تو یہ فتویٰ تھا کہ ”حضور تمام غیر الہامی مسائل میں صحابہؓ سے  
 مشورہ لیا کرتے تھے“ یہاں بیان کیا جاتا ہے کہ ”...“  
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام ایسے معاملات میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔  
 یہ تضاد بیان اور اختلاف مضمون اور انتشار خیال اس علامت کا پتہ دیتا ہے جو نفس  
 لوامہ کی طرف سے ان ”ہزلیات“ پر آپ کو پیش کی جا رہی ہے۔ اچھا برق صاحب!  
 جب آپ کو تسلیم ہے کہ قرآن کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجتہاد سے کام لیتے  
 تھے اور آپ کے اجتہادات ہی کا نام حدیث ہے تو سوچئے کہ امت کے لئے قرآن کے  
 بعد ”رسول“ کے اجتہاد سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے اور کسی شریف مسلمان کا یہ شیوہ  
 کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قرآنی ہدایات کے بعد قرآن مجید لانے والے کی ہدایات سے  
 بغاوت اور غداری پر آمادہ ہو جائے؟ آپ کے ارشادات کو ”محض اجتہاد کہہ کر ہلکا نہیں  
 کیا جاسکتا۔ اس لئے کہ خداوند قدوس عالم الغیب والشہادۃ ہے اس کا فرمان ہے:  
 وَلْيُتَّقُوا اللَّهَ بَعْضُ الْإِقَابِ ۖ لَا تَخْلُفُوهُ بِالْيَمِينِ ۖ الْخِطَابُ لِرَسُولِ اللَّهِ  
 طرف سے کوئی غلط بات گھر کر ہمارے ذمہ لگا دے تو ہم اس کا ہلکا گھونٹ ڈالیں پس  
 یقیناً آپ کے جملہ ارشادات جن کو آپ اجتہاد کہہ دیجئے یا خدا داد بصیرت کی روشنی سے  
 تعبیر کر لیجئے یقیناً من جانب خدا ہیں۔ اس سلسلے میں جہاں آپ سے لغزش ہوئی فوراً وحی  
 ربانی نے آپ کو انتباہ کر دیا اور جہاں خاموشی اختیار کی گئی وہاں گویا یہ بتلایا گیا کہ آپ  
 کے یہ ارشادات بھی عین ہمارے ہی ”الہام کردہ“ ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کو وحی خفی  
 سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اب برق کا یہ کہنا کہ احادیث کو وحی خفی کہنا نہ عقلاً درست ہے اور نقلاً  
 (دوا اسلام ص ۳۴۷) نقلاً و عقلاً ”باطل محض“ نہیں تو اور کیا ہے؟  
 ربی الواقع ایک سلیم الفطرت، صحیح العقل، قدردان رسالت، مسلمان کا یہ وتیرہ ہونا  
 چاہئے کہ وہ قرآن پاک کے بعد ہر اس حدیث کو ہر آنکھوں پر تسلیم کر لے جو فی الواقع

حدیث رسول ہو۔ ائمہ فن نے پورے وثوق سے اس کی تصدیق اور توثیق کی ہو۔ اس قسم کی جتنی بھی صحیح مرفوع متصل متواتر احادیث ہیں ان کو قرآن کے ہرگز منافی نہیں پائیں گے۔ اب رہا وہ نام نہاد مصنوعی ملا جو جنتز منتر چلوں وظیفوں کا شکار ہے۔ جھوٹی موضوع روایات پر جس کی زندگی کا دار و مدار ہے، کسی پیر کے دام میں پھنس کر جو ہر حق کے نعروں میں گرفتار ہے۔ ایسے مکار جھوٹے مصنوعی ملا کی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ اسی طرح سے بناوٹی، مصنوعی دعائیں جو بیشتر امت کا مشغلہ بنی ہوئی ہیں۔ سب قابل ترک ہیں ہاں قرآنی ہدایت: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا ۝** وَسَبِّحُوْهُ بَكْرَةً وَأَصِيلاً ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اٰتٰنَا الْاِيْمَانَ وَالْوَلَدَ لِكُلِّ بَشَرَةٍ يَّادُورُ ۝ صَبَّحُ وَشَامُ اس کی پاک بیان کرنے میں مشغول رہا کرو گے ماتحت جو لوگ ہر حال میں اپنے معبودِ برحق کو یاد کر کے اپنے ایمانوں کو تازگی دیتے رہتے ہیں۔ ان کے لئے صحیح احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ”ذکر اللہ“ کے طور طریقوں کو نمایاں کرنے والی بہت سی صحیح دعائیں موجود ہیں، اب غلط اور صحیح کا امتیاز کئے بغیر ایک لاٹھی سے سب کو ہانکنا یہ برق جیسوں ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے جو ”دعا“ کو ایک بیکار شغل جانتے ہیں۔ برق کو چاہئے کہ آئندہ تین اسلام کی تصنیف کے وقت قرآن پاک کی ان آیات کا بھی صفایا کر جائیں جن میں باری تعالیٰ نے دعا کے لئے ترغیب دلائی ہے۔ مثلاً:

و اذا سالک عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان.  
(قرآن) میں بندوں سے بالکل قریب ہوں اور دعا کرنے والوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہوں۔ الخ

امن يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء. بھلا خدا کے سوا کون ہے جو بے قراروں کی دعاؤں کو سنتا اور قبول کرتا اور ان کی دعاؤں کی قبولیت کے نتیجہ میں ان کی تکالیف کو رفع کرتا ہے؟ پس قرآنی تفسیریں بتلاتی ہیں کہ جو لوگ دعا نہیں مانگتے وہ سخت غافل، بے دین اور بدکار ہو جاتے ہیں اور ان تعلقات باطنی سے محروم رہ

جاتے ہیں جو مومن بندہ کے واسطے رفع الی اللہ اور از دنیا دہر کا موجب ہوتے ہیں۔  
 رہے گرفتارانِ اہامِ مسلمان! بے شک ان کی اصلاح و سدھار کے لئے جس قدر  
 بھی ان کی کوتاہیوں پر نشانِ دہی کی جائے کم ہے اور حقیقت ہے از سر تاپا اہام میں ڈوبی  
 ہوئی قوم دنیا میں پنپنے کا کوئی حق نہیں رکھتی، مگر افسوس یہ ہے کہ منکرینِ حدیث جیسے بے  
 لگام لوگ بھی آج کثرت سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر شجرِ اسلام کی تیخ کئی کر رہے ہیں اور  
 اگر غلط و مغلط پر مسلمانوں کی گراؤت کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے تو آج یہ عبد اللہ بن ابی  
 کی نئی نسل بھی حصارِ اسلام کے لئے دیمک سے کم نہیں ہے۔ پس اس کج دماغی،  
 بدحواسی، خوفناک، بے لگامی کا واحد علاج یہ ہے کہ موضوعِ احادیث کی تبلیغ بند کردی  
 جائے، موضوعاتِ بیان کرنے والے ملاؤں کے منہ میں لگام لگادی جائے اور عبد اللہ  
 بن ابی کی اس نئی نسل کا منہ توڑ دیا جائے جو اپنی ”فرعونی ہامانی آزادی“ کے برتنے پر  
 قرآن و احادیثِ صحیحہ و اسوۂ رسول کا بندوق بنارہے ہیں۔ جب تک ملت کے ان  
 ناسوروں کا آپریشن نہ کیا جائے گا ملتِ اسلامیہ کے امراض کا یہ حال ہوگا کہ

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

پس

مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

و گر باو نرسیدی تمام بویہی است

یہ ہے خالص اسلام

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین والسلام علی المرسلین  
 خصوصاً علی سیدنا و شفیعنا و حبیبنا محمد و علی آلہ و اصحابہ  
 اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین  
 عبدہ رازک ان اللہ

# مآخذ خالص اسلام

۱	قرآن مجید	۲۰	سنن نسائی	۳۹	المجدد
۲	تفسیر ابن کثیر	۲۱	ابن ماجہ	۴۰	مجمع البحار
۳	تفسیر خازن	۲۲	موطا امام مالک	۴۱	بیان اللسان
۴	تفسیر بغوی	۲۳	مشکوٰۃ شریف	۴۲	بدور الابلہ
۵	تفسیر جلالین	۲۴	دارقطنی	۴۳	رحمۃ للعالمین
۶	تفسیر ثنائی	۲۵	تاویل مختلف الحدیث	۴۴	سیرت ثنائی
۷	تفسیر مولانا آزاد	۲۶	تعلیق الصبح	۴۵	النبی والاسلام
۸	صحیح بخاری	۲۷	نیل الاوطار	۴۶	الفازوق
۹	فتح الباری	۲۸	معانی الآثار للطحاوی	۴۷	برق اسلام
۱۰	ارشاد الساری	۲۹	شرح موطا	۴۸	ضرورت حدیث
۱۱	شرح تراجم ابواب بخاری	۳۰	حجۃ اللہ البالغہ	۴۹	ارض القرآن
۱۲	سیرۃ البخاری	۳۱	زرقانی	۵۰	سیرت نبوی
۱۳	صحیح مسلم مع نووی	۳۲	مختصر جامع بیان العلم	۵۱	مجلدات الہدیۃ شامہ تر
۱۴	فتح الملہم	۳۳	تذکرۃ الحفاظ	۵۲	مجلدات الہدیۃ دہلی
۱۵	صحیح ترمذی	۳۴	موضوعات کبیر	۵۳	دو قرآن
۱۶	تحفۃ الاحوذی	۳۵	میزان الاعتدال	۵۴	دو اسلام
۱۷	مقدمۃ تحفۃ الاحوذی	۳۶	ازالۃ الخفاء	۵۵	ایک اسلام
۱۸	سنن ابوداؤد	۳۷	تذکرۃ الموضوعات	۵۶	مسدس حالی
۱۹	عون المعبود	۳۸	حیات الحیوان	۵۷	تاریخ امیر المومنین

ضمیمہ (تبلیغی ٹریکٹ) ”خالص اسلام“

## منکرین حدیث کا جنازہ

جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ نئی روشنی کے وہ لوگ جو حدیث نبویؐ کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کریمؑ کی موجودگی میں حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی جہاں وہ عوام کے دلوں میں قرآن کی عظمت بٹھاتے ہیں، وہاں ساتھ ہی ساتھ حدیث سے نفرت بھی دلاتے جاتے ہیں۔ وہ اپنے جنازیے کیونکر پڑھتے ہیں، مردوں کو کیسے دفناتے ہیں اور کیسے کفن پہناتے ہیں، ایسے ہی کئی مسائل ہیں جو حل طلب ہیں۔ امید ہے کہ احباب اس رسالہ کی اشاعت بڑھائیں گے اور زیادہ سے زیادہ تعداد میں خرید فرما کر اپنے حلقہ میں بغرض تبلیغ تقسیم کر کے ثواب دارین حاصل کریں گے۔ حقانی

ملنے کا پتہ

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ گمرنی دہلی۔ ۲۵

بسم الله الرحمن الرحيم

منکرین حدیث کا گروہ جدید (پرویزی پارٹی) عجیب کشمکش میں مبتلا ہے، یوں تو اس کا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم ایک مکمل کتاب ہے اور اس کی موجودگی میں کسی حدیث اور کسی روایت کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی شخص قرآن چھوڑ کر حدیث کی طرف جائے اور سنت خیر الانام کی پیروی کرے تو وہ مشرک ہو جاتا ہے مگر بایں ہمہ بعض مسائل واحکام میں وہ مجبور ہو کر سنت نبویؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ایسی حالت میں اس کا نام ”اتباع سنت“ نہیں بلکہ ”اسلامی معاشرہ“ رکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ ان سینکڑوں مسائل میں سے چند مسائل ملاحظہ ہو۔ ایک مسائل ان سے سوال کرتا ہے کہ:

- (۱) بچہ پیدا ہونے پر اس کے کان میں اذان دینا (۲) عقیقہ کرنا؟ (۳) ختنہ کرنا؟
- (۴) مردہ کو غسل دینا کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا، میت کو قبلہ رو کر کے دفن کرنا کیسا ہے؟ آپ اس کا جواب یوں دیتے ہیں:

جواب

یہ تمام امور معاشرتی ہیں نہ کہ دینی، کسی معاشرہ میں اگر بعض باتیں اس قسم کی رائج ہوں جو دین کے کسی حکم یا اس کی عام تعلیم کے خلاف نہ پائی جاتی ہوں تو انہی معاشرتی تقریبات کے طور پر بنالینے میں کوئی حرج نہیں۔ ایسی تقریبات معاشرتی یک جہتی کے لئے مفید ہوتی ہیں اور خوشی کی تقریبات سے تو زندگی میں لوچ پیدا ہوتی ہے جو گداز حیات کے لئے بڑی ضروری چیز ہے۔ لیکن جو قوم روٹی تک کو محتاج ہوئی ہو اس میں زندگی کی لوچ اور گداز حیات کا تصور ہی کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ (منقول از طلوع اسلام ماہ فروری ۱۹۵۴ء صفحہ ۵۶)

مسائل کا سوال کتنا صاف ہے مگر جواب ملاحظہ فرمائیے کتنا گول مول ہے اور کیونکر

لوچ زندگی اور گداز حیات میں پلیٹ دیا گیا ہے کہ رع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

غور فرمائیے کہ ان سوالات کے جواب میں منکرین حدیث کو کتنی مشکل اور مصیبت کا سامنا پیش آرہا ہے کہ یہاں نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن والا معاملہ ہے نہ تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ بچہ کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان دینا جائز ہے کیونکہ اس کا ذکر قرآن کریم میں تو ہے ہی نہیں کہ جواز کا فتویٰ دے سکیں، اب اس سے انکار بھی نہیں ہو سکتا کہ سب مسلمان باتفاق بچہ کی پیدائش پر اس سنت کے عامل چلے آ رہے ہیں، بلکہ جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ پرویز صاحب، اسلم صاحب، تمنا صاحب، برق صاحب جیسے منکرین حدیث کے ہاں بھی یہ سنت رائج ہے اور ان کے ہاں بھی بچوں کی پیدائش پر اذان ہوتی ہے حالانکہ یہ صریحاً قرآن کے خلاف ہے اور ان کے نزدیک قرآن کے خلاف عمل کرنے والا مشرک ہوتا ہے۔ اب دیکھیے اس سنت کو سنت نہیں کہا بلکہ معاشرہ کا نام دیدیا ہے۔ بھلا کوئی پوچھے خدا کے بندو! اگر نماز اور اذان بھی دینی امور نہیں تو پھر دینی امور کون سے ہونگے؟ آپ کے ہاں دینی امور کی تعریف کیا ہے؟ اذان کو معاشری امور میں شمار کرنا اور دینی امور میں نہ گننا کہاں کی علیست اور دانشمندی ہے؟ کیا بچگانہ نماز کی اذان بھی دینی امور میں شامل ہے یا نہیں؟ ایسے بھی امور معاشرتی ہی میں شمار کیا جائے گا؟ اذان کا ذکر تو قرآن میں کہیں بھی نہیں پھر صاف طور پر اس سے انکار کیوں نہیں کیا جاتا اور کیوں ”معاشرہ“ کی سچ لگا کر اس کی گنجائش نکالی جا رہی ہے؟ معاشرہ کی بھی خوب کہی ”مسلمانوں کی آبادی میں ہوئے تو مسلمانوں کا معاشرہ اختیار کر لیا اور اگر ہندو بستی میں ہوئے تو ہندوؤں کا معاشرہ قبول کر لیا اور اگر کہیں یورپ میں ہوئے تو یورپین قوموں کا معاشرہ اختیار کر لیا، جب بات دین کی نہیں معاشرہ ہی کی ہے تو پھر رع

”بہر رنگے کہ خواہی جامہ مے پوش“ گویا ایک نبی کی سنت کے انکار بنے آپ کو

در بدر پھر اپا۔ س

میرے پہلو سے گیا پالا ستمگر سے پڑا ☆ مل گئی اب دل تجھے کفرانِ نعمت کی سزا  
 (۲) اب عقیقہ کا بھی چونکہ قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں ہے اس لئے منکرین  
 حدیث نہ تو اس کا اقرار کر سکتے ہیں اور نہ ہی کھلے بندوں انکار۔ انکار کریں تو اسلامی  
 سوسائٹی سے راندے جائیں کیونکہ سبھی مسلمان عقیقہ کے قائل چلے آ رہے ہیں اس لئے  
 انہوں نے مجبور ہو کر اس سے بھی ”دینی امور“ کی بجائے ”معاشرتی امور“ میں شمار کر لیا  
 ہے۔ مگر کوئی ان بھلے لوگوں سے پوچھے کہ میاں مسلمان تو عقیقہ ثواب کی نیت سے کرتے  
 ہیں معاشرتی امور میں تو ثواب کی توقع نہیں ہوا کرتی اور پھر معاشرت میں پورے  
 بکرے دو بکرے کی قید کیوں؟ وہ چار سیر گوشت پکا لینے سے بھی تو معاشرتی رسم پوری  
 ہو سکتی ہے مگر کوئی مسلمان بازار سے گوشت لے کر پکا لینے کو عقیقہ نہیں کہتا۔ اچی! یہ بہکی  
 بہکی باتیں کیوں کر رہے ہیں؟ عقیقہ ہے صاف انکار کیجئے اور کبہہ کیجئے کہ یہ اسلامی  
 شعار نہیں ہے پھر جس معاشرہ میں آپ کا سینگ سمائے سالیجئے۔ کیا یہ کسی حکیم نے آپ  
 کو بتا رکھا ہے کہ مسلمانوں ہی کے معاشرہ میں سینگ سمائے رکھئے؟

(۳) اب رہا ختنہ! سو یہ بھی نہ دینی امر ہے نہ اسلامی شعار، دینی امر تو اس لئے  
 نہیں کہ قرآن میں اس کا حکم نہیں اور جس چیز کا قرآن میں حکم نہ ہو بلکہ حدیث میں حکم ہو  
 اس کی تعمیل آپ کے ہاں شرک ہے۔ یاد نہ ہو تو اپنی ہی یہ عبارت پڑھئے:

”ہمارے نزدیک جو شخص قرآن پیش کرنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے اس کا  
 سب سے بڑا فریضہ یہ ہے کہ وہ اس کا خیال رکھے کہ پڑھنے والے کے  
 سامنے خالص قرآن کی تعلیم کے علاوہ اور کوئی تعلیم نہ آنے پائے اگر اس کی  
 تحریر سے دوسروں کے ذہن میں غیر قرآنی تعلیم پہنچ جاتی ہے تو یہ قرآن کے  
 ساتھ شرک ہے جو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کیا جاسکتا۔“ (طلوع اسلام

ماہ مارچ ۱۹۵۴ء ص ۵۲)

پس ختنہ کا حکم جب قرآن میں نہیں، حدیث نبوی میں ہے تو بقول آپ کے ختنہ



کرنے والے مشرک ہوئے۔ اب سوال یہ ہے کہ کہیں آپ بھی تو مشرکین میں شامل نہیں۔ اگر آپ کا ختنہ ہو چکا ہے تو آپ اپنے ہی قول کے مطابق مشرک ہوئے۔ اور اگر ختنہ نہیں کیا تو پھر ہمارے نزدیک آپ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے مشابہ ہیں۔

بلائے دو گونہ است جان مجنوں را ☆ صحبت لیلی و ترک صحبت لیلی  
ہاں یہ بھی خیال رہے کہ جس حدیث میں ختنہ کا ذکر ہے اس میں داڑھی رکھنے، مونچھیں کٹانے، زیر ناف بال لینے، بغلوں کے بال مونڈنے، مسواک کرنے کا ذکر بھی آتا ہے، ہمارے نزدیک تو یہ سب چیزیں دینی ہیں مگر آپ کے نزدیک معاشرتی ہیں۔ اب سوال یہاں بھی پیدا ہوگا کہ کیا کوئی مسلمان ہندوؤں، سکھوں، عیسائیوں کے ملک میں رہ کر ان کی معاشرت اختیار کر لینے سے مجرم تو نہیں ہوگا؟ کیونکہ آپ کے ہاں تو معاشرت کوئی شرعی چیز ہی نہیں، نہ دین میں شامل ہے جو انسان جہاں رہے اور جس معاشرت کو چاہے پسند کر لے، پھر جو لوگ ”اسلامی معاشرہ“ کا ڈھنڈورہ پیٹ رہے ہیں اور دن رات ”اسلامی معاشرت پر وعظ کرتے پھرتے ہیں وہ ”اسلامی معاشرے“ کی خاطر اسلامی اسٹیٹ کا وجود عمل میں لازمی ہے انہی کو کون سمجھائے کہ ”اسلامی معاشرہ“ ”لاشی محض“ ہے، یہ کوئی دینی چیز نہیں ہے، دین تو صرف قرآن ہے اور جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ دین نہیں ہے کیونکہ مفتی پرویز پارٹی، ”طلوع اسلام“ کا فتویٰ یہی ہے۔

اب رہا جو تھے سوال کا جواب۔  
”مردہ کو غسل دینا، کفن پہنانا، نماز جنازہ پڑھنا، میت کو قبلہ رو کر کے دفن کرنا وغیرہ۔ کیا منکرین حدیث کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا وہ حدیث نبوی کو چھوڑ کر صرف قرآن سے جنازہ کا کوئی ثبوت دے سکتے ہیں؟ اگر دے سکتے تو وہ اس سلسلہ میں طلوع اسلام ماہ فروری ۱۹۵۴ء میں ضرور اس کا کوئی جواب دے دیتے کہ فلاں پارہ اور فلاں سورہ کے فلاں رکوع میں جنازہ کا حکم موجود ہے مگر وہ خاموش ہیں اور نہیں

بتا سکتے اور تاقیامت نہ بتا سکیں گے۔

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة .  
جنازہ کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتا، اس کا ذکر صرف حدیث نبوی میں ہے۔ پس  
جو حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مانے وہ جنازہ پڑھے اور پڑھائے، میت کو  
غسل دے اور کفن پہنائے اور دفنائے۔ مگر جو حدیث شریف ہی کو نہ مانے اور اصولی  
طور پر اس سے انکار کرے اسے کیا حق ہے کہ وہ مسلمان کی طرح اپنی میت کا جنازہ  
پڑھے اور اسے دفنائے کفنائے؟

اب منکرین حدیث صاف طور پر بتائیں کہ آیا اس مسئلہ میں وہ قرآن پر عمل کریں  
گے یا حدیث پر؟ اگر قرآن پر عمل کریں تو انہیں قطعاً نہ میت کو نہلانا ہوگا، نہ کفن پہنانا  
ہوگا، نہ جنازہ پڑھنا ہوگا کیونکہ ان چیزوں کا کہیں بھی قرآن میں ذکر نہیں ہے۔ ہاں  
مرنے کے بعد قرآن کریم نے جس چیز کا ذکر کیا ہے وہ محض میت کو دفن کر دینا ہے۔  
چنانچہ ارشاد الہی ہے:

فبعث الله غراباً يبحث في الارض ليريه كيف يواري سراً اخيه:  
(پس بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کریدتا تھا زمین کو تاکہ دکھادے اسکو کہ کس طرح یہ  
ڈھانک دے لاش اپنے بھائی کی)

جب آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا تو وہ پریشان  
تھا کہ اب اسے کیا کرے؟ چنانچہ ایک کوا آیا اور اس نے دوسرے کو زمین کرید کر  
اس کے سامنے دفن کیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ میت کو یوں ٹھکانے لگانا چاہئے۔

پس اب قرآن نے میت کو ٹھکانے لگانے کا جو طریق بتایا ہے وہ اتنا ہی ہے کہ  
گڑھا کھودو اور اسے دبا دو۔ پس اب منکرین حدیث کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مردوں کو  
یوں ہی ٹھکانے لگادیا کریں تاکہ وہ صحیح معنوں میں عامل قرآن کہلا سکیں ورنہ بصورت  
دیگر وہ متبعین سنت بن جائیں گے، عالمین حدیث کہلانے لگیں گے اور اطاعت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب اپنے گلے میں پہن کر اہل حدیث بن جائیں گے۔ پس اب منکرین حدیث کے لئے دو ہی راستے ہیں: یا تو وہ میت کو نہلانا، کفننا، دفنانا، جنازہ پڑھنا وغیرہ سب کچھ چھوڑ دیں۔ یا پھر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور سنت نبویؐ کو مان لیں کیونکہ اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

دوستو!

اگر زندگی بھر سنت اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر رہے تو مرنے کے بعد معاً اس پر عمل ہو گیا تو اس جینے کا مزا ہی کیا؟ آؤ آج ہی اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرو اور بقول کسے ”اپنی موت دیکھ کر تو سنت کی طرف نہ جھکو“ مثل مشہور ہے: مرتا کیا نہ کرتا، کیا تم بھی مرتے ہوئے ہی حدیث شریف کو مانو گے؟ اور زندگی بھر اس سے انکار کرتے رہو گے؟

### ہاں یا د آیا

آپ تو اسے دینی مسئلہ ہی تصور نہیں کرتے بلکہ سوال پیدا ہوگا کہ یہ معاشرہ کس نے بنایا؟ کفار مکہ میت کو تو دفناتے تھے، مگر جنازہ نہ پڑھتے تھے اس جنازہ کو معاشرہ میں کس نے داخل کیا؟ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی نے اس کا حکم دیا اور مسلمانوں نے اسے اپنے معاشرہ میں شامل کر لیا۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو سنت نہ کہنا اور معاشرہ کا نام دے کر جان بچانا اور کبھی اسے ”گدازِ حیات“ اور ”لوجِ زندگی“ کا لبادہ پہنا کر اپنی جہالت کو چھپانا ”منکرین حدیث“ ہی کو زیب دے سکتا ہے، کسی عقلمند کو تو زیب نہیں دیتا۔

### عزیزو!

آؤ ہٹ دھرمی چھوڑ دو، آخر کب تک حدیث نبویؐ سے انکار کرتے رہو گے؟ آج

نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں، طوعاً و کرہاً تمہیں حدیث نبویؐ کو ماننا ہی پڑے گا۔ سمندر میں رہنا اور مگر مجھ سے بیر رکھنا عقل مندی نہیں ہے۔ مسلمان کہلانا مسلمانوں میں رہنا سہنا، ان کے معاشرہ کو قبول کرنا۔ مگر سنت سے بچنا اور حدیث سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے تیل کھانا اور گلگلوں سے پرہیز کرنا۔

ہمیں آپ سے کوئی بیر نہیں ہے، نہ بغض ہے، نہ عداوت ہے ہم تو آپ کے خیر خواہ اور بھی خواہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ عقل و بصیرت سے کام لیں، دین اور اسلام کو سمجھنے کی کوشش کریں، قرآن کریم کا مفہوم اس سے سمجھیں جس پر وہ نازل ہوا تھا، قرآن اس سے سمجھیں جس نے سب سے پہلے امت کو سمجھایا تھا، اسی سمجھانے والے کی تقریر حدیث کہلاتی ہے۔ نبیؐ کو ماننا اور اس کی حدیث کو نہ ماننا عقل مندی نہیں ہے۔

# ”کاروان حدیث“

مصنف

عبدالرشید عرفانی

قیمت:- 140/- روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰

# ”توضیح الکلام“

وجوب القراءة خلف الامام

مصنف

مولانا ارشاد الحق اثری

قیمت:- 185/- روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰

# ”جرح و تعدیل“

مصنف

ڈاکٹر اقبال احمد اسحاق بسکوہری

قیمت :- 160 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰

# ”حیات الصحابہ کے درخشاں پہلو“

مصنف

استاد ڈاکٹر عبدالرحمن رافت پاشا

قیمت :- 140 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰

# ”تراجم علمائے حدیث ہند“

مصنف

ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی

قیمت :- 180 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰۵۰۰۱

# ”الشیعہ و اہل البیت“

مصنف

علامہ احسان الہی ظہیر رحمہ اللہ

قیمت :- 175 روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰۵۰۰۱

# ”حلالہ کی چھری“

مصنف

ابوشر جلیل

قیمت :- 70/- روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰

# ”الحیاء بعد المماتہ“

سوانح حیات

میاں نذیر حسین محدث دہلوی

مصنف: مولانا فضل حسین رحمۃ اللہ علیہ

قیمت :- 160/- روپے

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

جامعہ نگر، نئی دہلی - ۲۰



شیخ اکل فی اکل حضرت مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلویؒ ۱۸۰۵ء  
۱۹۰۲ء

کے مکتوبہ و مصدقہ فتاویٰ کا بے نظیر مجموعہ

# فتاویٰ نذیریہ

مکمل سیٹ

صفحات: جلد اول 705

جلد دوم 690

قیمت: 700

ناشر

الکتاب انٹرنیشنل

مرادی روڈ بگلہ ہاؤس جامعہ نگر نئی دہلی-۲۵

# KHALIS ISLAM



Al-Kitab **Al** کتاب الٹرنیٹیشن

Jamia Nagar, New Delhi-25